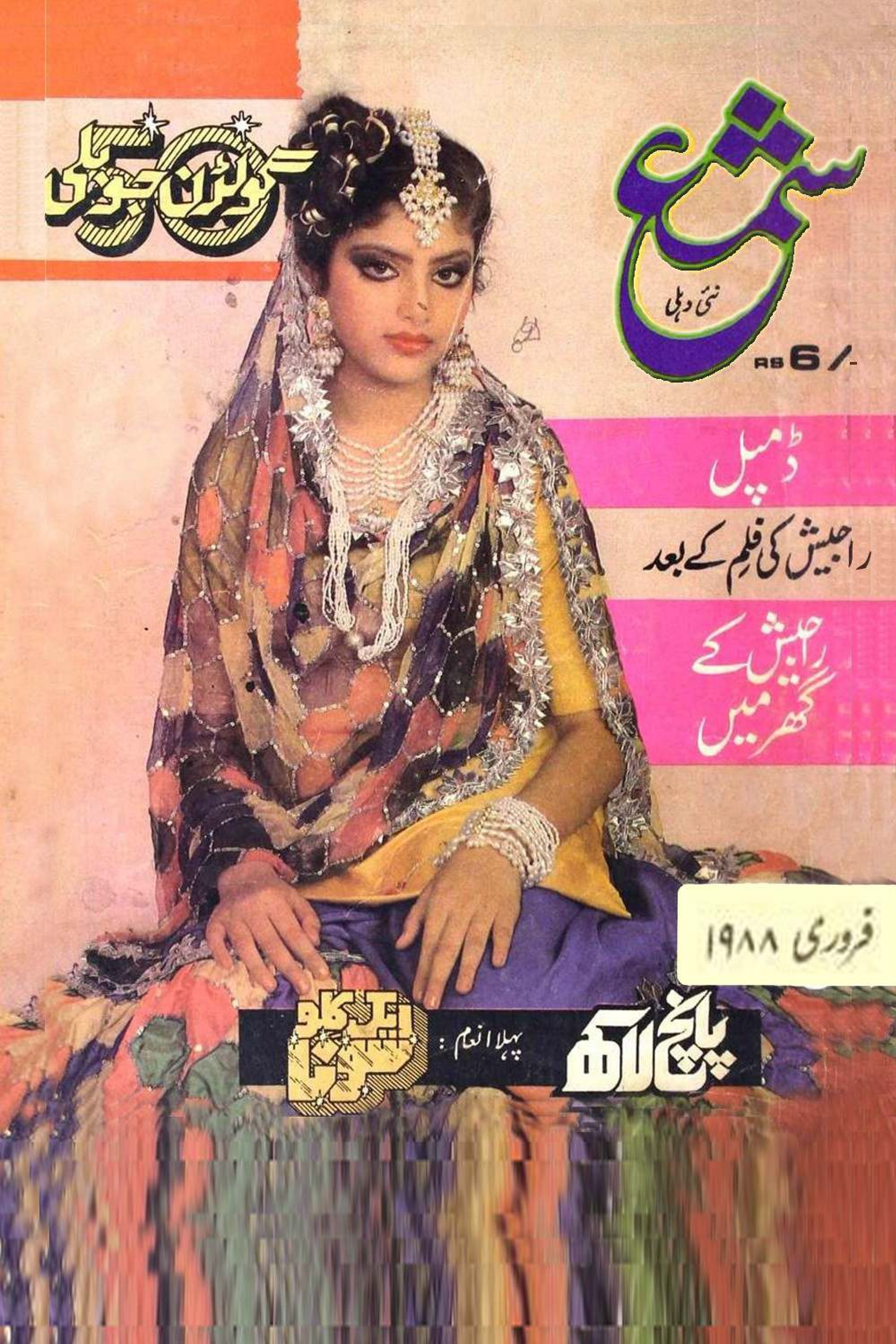

گولڈن جوبلی
شمع
نئی دہلی
RS 6/-
ڈمپل
راجیش کی فلم کے بعد
راجیش کے
گھر میں
فروری ۱۹۸۸
پانچ لاکھ
پہلا انعام :
ایک کلو سونا

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

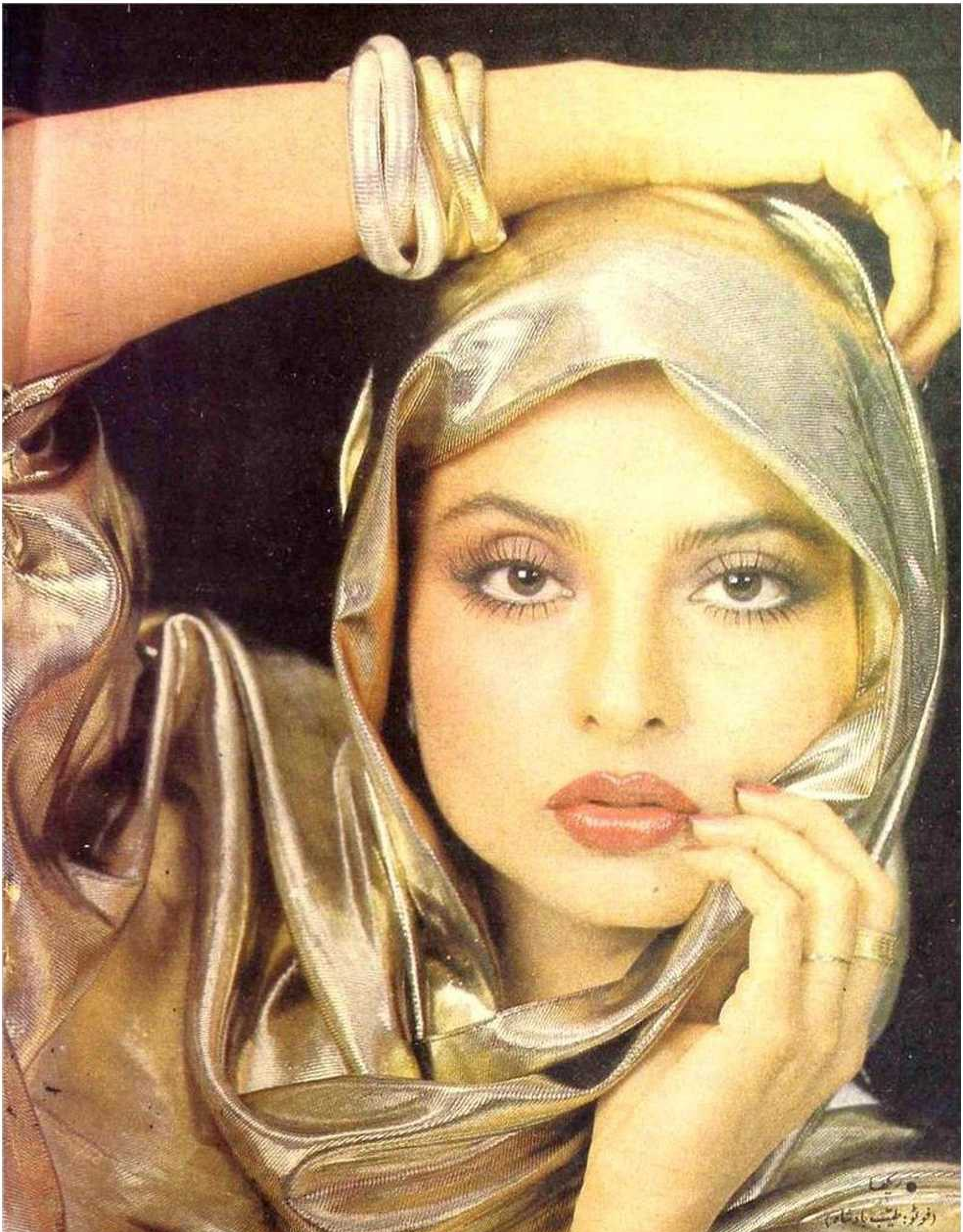

● ریکھا
(فوٹو: طیب بادشاہ)

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

● نصیرالدین شاہ اور گلزار
گلزار کے ٹی وی [illegible]
نصیرالدین شاہ [illegible]

میری فلموں سے خون نہیں ٹپکتا

گلزار

گلزار طرح طرح کی صلاحیتوں کا خزانہ ہے
محنت میں وہ چیونٹی کو مات دے سکتا ہے، صبر میں کسی
رشی منی کو۔ اپنے وقت کو اس نے کئی خانوں میں بانٹ

رکھا ہے۔ وہ کمرشل چاٹ کی ڈائریکشن دیتا ہے اور
اس کے ساتھ فنانس کی جستجو میں بھی رہتا ہے، وہ بھی
اس شرط پر کہ اسے پوری آزادی حاصل رہے اور جیسی
فلم وہ بنانا چاہتا ہے، ویسی ہی بنائے۔ اس کی کچھ

کمرشل فلموں نے دولت کے ڈھیر بھی بٹورے ہیں،
لیکن اس کے ساتھ کچھ ذہنوں میں یہ سوال بھی اٹھتا
ہے کہ کہیں وہ کمرشل بھول بھلیاں میں کھو کر فن کی
سدھ بدھ تو نہیں گنوا بیٹھا ہے۔

آج کل گلزار کی دو فلمیں "اجازت" اور "لباس"
ریلیز ہونے کے انتظار میں ہیں اور وہ لتا منگیشکر کی
فلم "لیکن" اور اپنا پہلا ٹی وی سیریل "غالب"
بنانے میں مصروف ہے۔

گلزار کے خاندانی پس منظر میں فن کی جھلک
دُور دُور تک نظر نہیں آتی۔ اس کا گھرانا بیوپاریوں
کا گھرانا تھا۔ مگر گلزار کو تجارت میں کوئی دلچسپی

www.taemeernews.com

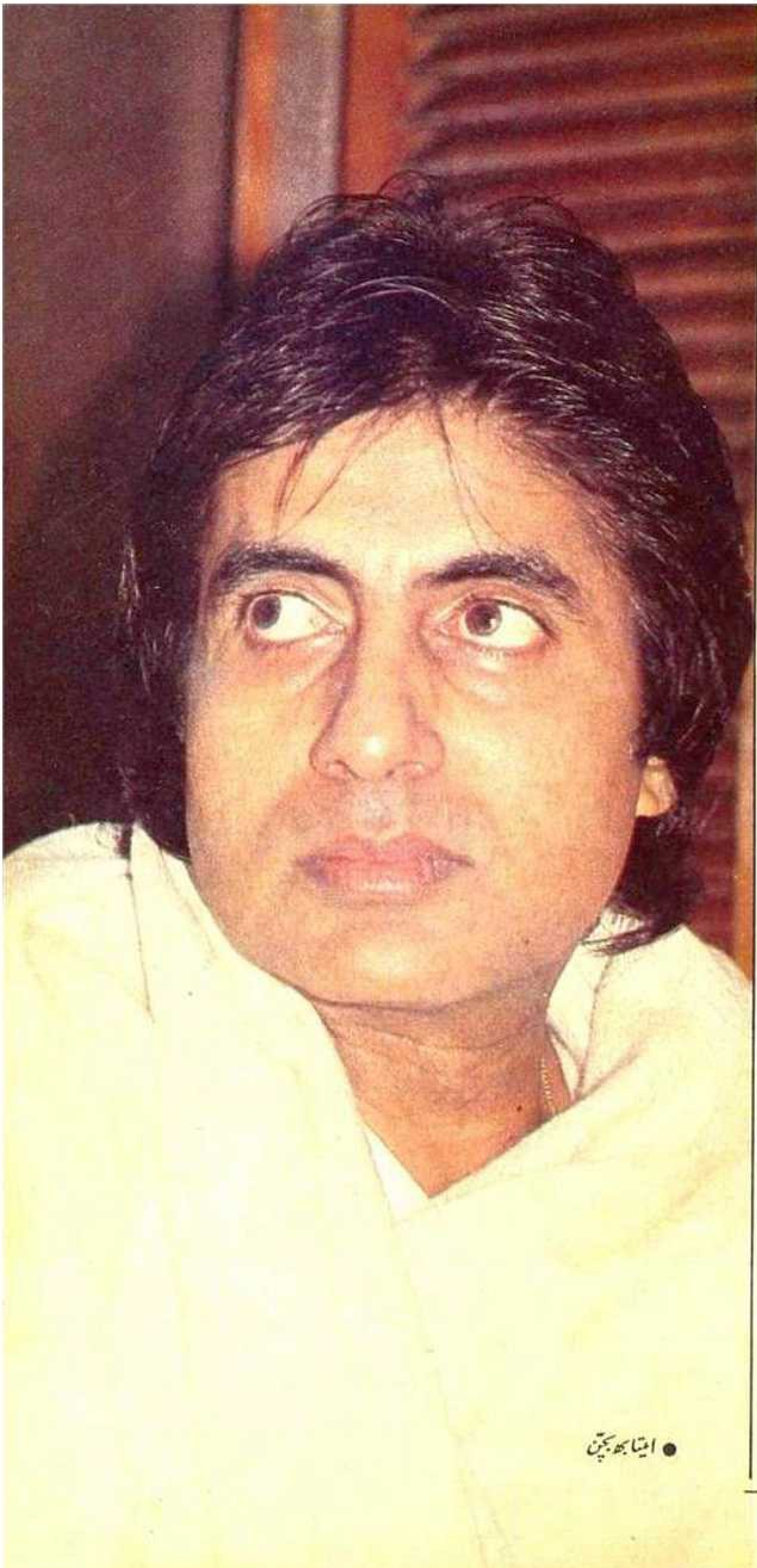

نہ تھی۔ نتیجہ وہی ہوا جو ہونا تھا۔ گھر والوں نے اسے نکما قرار دے ڈالا۔ وہ شاعری کرتا تو گھر والے کہتے کہ کیا بے کار روگ پالا ہے۔ انھوں نے اسے 'سدھارنے' کی بہت کوشش کی، مگر وہ کسی طرح 'سیدھے راستے' پر نہ آیا۔ تھک ہار کر انھوں نے اسے بمبئی بھیج دیا، جہاں اس کے بھائی کا کچھ کاروبار تھا۔ ان کا خیال تھا کہ دہلی کی 'ناگوار اور ناقابلِ برداشت' صحبت سے دُور ہوجانے پر وہ ضرور 'سدھر' جائے گا۔

میرے سوالوں کے جواب میں گلزار نے ان بیتے ہوئے دنوں کی یادیں تازہ کرتے ہوئے اور بھی بہت کچھ بتایا۔ وہ تو کہیے، اس کی مصروفیت آڑے آگئی، نہیں تو یہ مزہ دار کہانی بہت زیادہ لمبی ہوسکتی تھی۔

س : آپ کے ادبی شوق اور مشغلوں پر آپ کے گھر والوں کو اعتراض کیوں تھا؟

گلزار : ان کی نظر میں شعر و شاعری، لٹریچر، نظمیں، سب فضول چیزیں تھیں۔ ان سب کو وہ حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان کا کہنا تھا' یہ سب بے کاروں کے مشغلے ہیں۔ ان سے حاصل کیا ہوتا ہے؟ مشاعروں میں کلام پڑھنے یا ادبی محفلوں میں نظمیں سنانے سے کنگالی کے سوا کیا ہاتھ لگے گا؟ مگر وہ جو کہتے ہیں کہ پابندیوں سے اُمنگ کو اور بھی بڑھاوا ملتا ہے، وہی میرا حال تھا۔ ویسے ادب کے سلسلے میں میرے پاس نہ زیادہ علم تھا، نہ مہارت۔ لیکن خالی ٹیکنیکی مہارت کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو، کسی کو بڑا ادیب نہیں بنا سکتی۔ ادیب کو تو زندگی راہ دکھاتی ہے، زندگی کے بارے میں اس کا اپنا تصور، اس کا اپنا خواب راہ دکھاتا ہے۔ خوش قسمتی سے یہ سرمایہ میرے پاس تھا۔ جو کچھ میں لکھتا تھا، لاشعور سے از خود اُبھر اُبھر کر آتا ہے۔ خوف اس کائنات کی بنیاد ہے۔ وجود کے بے معنی اور بے مقصد ہونے کا احساس دل میں جو سہمی سہمی سی کیفیت پیدا کرتا ہے، وہ ساری کائنات کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے۔ کچھ لوگ پناہ کی خاطر کسی ایسے فلسفے کے سائبان میں چھپ جاتے ہیں جو انھیں ورثے میں ملا ہو۔ وہ اس فلسفے کو ایک سچائی، ایک حقیقت مان لیتے ہیں۔

آگے صفحہ ۷۳ پر

● سہراب مودی نے اپنی مشہورِ زمانہ فلم 'مرزا غالب' میں بھارت بھوشن کو غالب کا رول دیا تھا۔ بی آر چوپڑہ نے اپنے ٹی وی سیریل 'بہادر شاہ ظفر' میں شفیع انعام دار کو غالب بنایا تھا۔ کئی سال پہلے ساون کمار ٹاک امیتابھ بچن کو اپنی ایک فلم میں غالب بنانا چاہتے تھے مگر کسی وجہ سے وہ فلم بن نہ سکی۔

● امیتابھ بچن

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

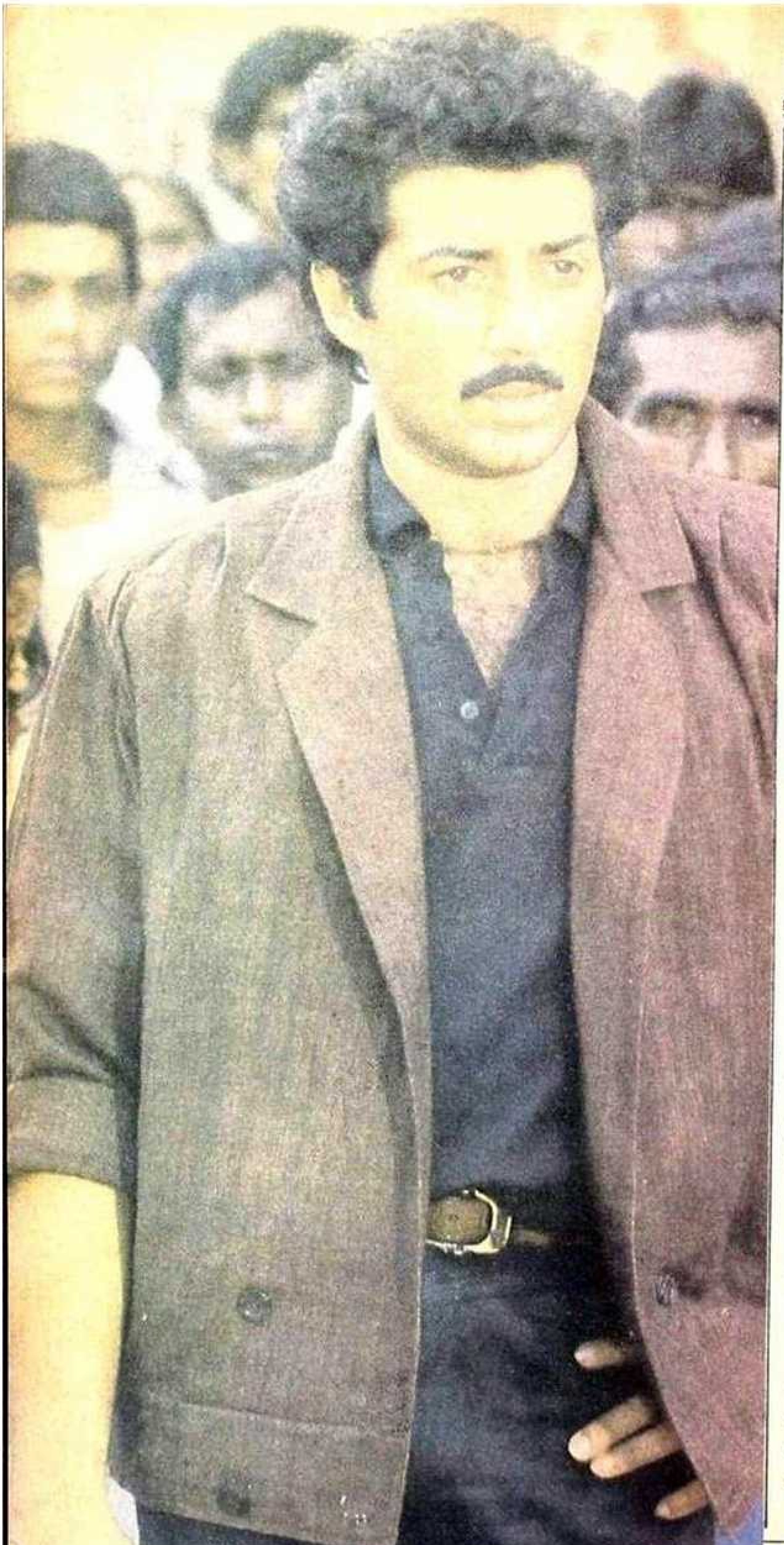

عشق بازی کا خانہ میرے یہاں نہیں ہے

سنی دیول

جوہو ولے پارلے اسکیم کے پلاٹ نمبر ۲۲ پر بنی ہوئی عمارت باہر سے کوئی فوجی قلعہ نظر آتی ہے۔ قریب سے گزرنے والے راہ گیروں کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ ان اونچی اونچی دیواروں کے پیچھے کون رہتا ہے۔ صرف جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ دھرمیندر اور اس کے بیٹے سنی دیول کا گھر ہے۔

جب میں اس لمبے چوڑے بنگلے میں پہنچی تو پورچ میں ہی سنی کھڑا ملا ایک خوب رو، دل میں سما جانے والا اسٹار بیٹا جو کچھ برس پہلے "بے تاب" کے ذریعہ پہلی بار فلموں میں آیا تھا، پھر "سوہنی مہیوال" اور "ارجن" جیسی کامیاب فلموں میں جلوہ گر ہوا اور اس کے بعد کچھ ناکامیوں سے دوچار ہوا، جن میں "سلطنت" بھی شامل تھی۔

وہ آدھی آستین کی سفید اسپورٹس شرٹ اور جا کر استری کی ہوئی نیلی جینز پہنے ہوئے تھا۔ نہ اس کا لباس ڈھیلا ڈھالا معلوم ہوتا تھا، نہ سراپا اور نہ کردار۔ اس نے تو بالکل اپنے باپ کی طرح پُر زور، شائستہ اور مہذب شخصیت پائی ہے۔

"ہیلو ـــــ مجھے سنی دیول کہتے ہیں۔" اس نے انگلش میں کہا۔ انداز ایسا تھا کہ سامنے کوئی حسین سے حسین لڑکی بھی ہوتی تو اس جادو میں کھو کر رہ جاتی۔

● سنی دیول (فوٹو: درگا پرساد)

www.taemeernews.com

آج وہ جہاں بھی جاتا ہے، لڑکیوں کے جھرمٹ اس کی راہوں میں آنکھیں بچھاتے ہیں۔ تھوڑے سے عرصے کے لئے وہ ضرور کسی قدر گمنامی کے غبار میں چھپ گیا تھا، لیکن اب وہ پھر دھوم دھام کے ساتھ فلموں میں واپس آگیا ہے۔ چوٹی کے بینرز پھر اس کی خدمات حاصل کرنے کے لئے اس کے گرد منڈلانے لگے ہیں۔

دو ایک منٹ بعد وہ اس بات چیت کے لئے مجھے اصرار کرکے ایک قریبی ریسٹورینٹ میں لے گیا وہاں بھی اس کی جاذبیت کا وہی عالم رہا۔ ریسٹورینٹ میں موجود ساری لڑکیوں، عورتوں کی نظریں اس پر ہٹنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔ مگر وہ سب طرف سے بے نیاز میرے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔

س : اداکار بننے کا خیال تمہیں کیسے سوجھا؟

سنی : سب سے پہلے تو میں یہ بات صاف کردینا چاہتا ہوں کہ ایک اسٹار کا بیٹا ہونے پر بھی مجھے اداکار بننے میں پہلے زیادہ دلچسپی نہ تھی۔ اسکول اور کالج کے دنوں میں ایکٹنگ کو میں نے صرف ایک مشغلے کے طور پر اپنایا تھا۔ لندن میں بھی اداکاری کا شوق شروع میں صرف شوق کی حد تک رہا۔ لیکن پھر وہاں رہتے رہتے پہلی بار یہ خیال میرے ذہن میں سرسرایا کہ کیوں نہ اس مشغلے کو پروفیشن بنایا جائے۔ وہاں کے ہندوستانی حلقوں میں مقبول ہونے کا ارمان مجھے اداکاری کو پیشے کے طور پر اپنانے کے لئے اکسانے لگا۔ چنانچہ میں نے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کردئے۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ بہت کم وقت میں مجھے اداکار کے طور پر قبول کرلیا گیا، جب کہ عام طور پر یہ منزل بہت مدت میں ملتی ہے۔

س : تمہارے خیال میں تمہاری کامیابی کی سب سے بڑی وجہ کیا ہے؟

سنی : یکا ارادہ۔ اور اس کے ساتھ صحت کی دیکھ بھال، کھیل، ورزش وغیرہ۔ ان سے ذہن کو یکسو کرنے اور خود سے باخبر ہونے میں مدد ملتی ہے۔ احساس اور مشاہدے میں تیزی اور گہرائی آتی ہے۔ ایک اداکار کے لئے ان تمام باتوں کی بڑی اہمیت ہے۔

س : کیا تمہیں کسی بھی طرح کی دشواریوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا؟

سنی : زندگی کے بارے میں میرا جو نقطۂ نظر ہے، اس سے مجھے ان تمام دشواریوں پر قابو پانے کا حوصلہ ملا ہے جو دوسرے اداکاروں کو پریشان اور ہراساں کرسکتی ہیں۔

س : شروع کی کامیابی کے بعد تمہارے کیریر کی

● سنی دیول کی پہلی ہیروئن امرتا سنگھ ◄

www.taemeernews.com

راہ میں کچھ رکاوٹ سی آگئی تھی۔ کیا اس کا سبب یہ تھا کہ تم پر ایک خاص امیج کا ٹھپا لگ گیا تھا؟

سنی: جی نہیں، یہ بات نہیں۔ اتار چڑھاؤ تو دنیا بھر میں آرٹسٹوں کے حصے میں آتے ہی رہتے ہیں کبھی کبھی آدمی اور اس کی تقدیر میں ان بن ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں بنی بات بھی بگڑ جاتی ہے۔ جہاں تک امیج کا سوال ہے، میری رائے میں گم نام رہ جانے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ آدمی کی کوئی امیج ہو اور وہ اس امیج سے جڑے ہوئے مسئلوں کو حل کرنے کی کوشش کرے۔ ویسے میری ایک خاص امیج رہی ضرور ہوگی، لیکن اس کا یہ مطلب یہ نہیں کہ کل کو میں کسی بنجارے، کسی ہپی، کسی ٹرک ڈرائیور کے رول میں نہیں آؤں گا۔

س: اب تک کے رولز میں تمہیں اپنا کون سا رول سب سے زیادہ اچھا لگا؟

سنی: راہل رویل کی فلم "ڈکیت" کا رول۔ یہ اور بات ہے کہ فلم زیادہ نہیں چلی۔

س: کام یابی یا ناکامی کا تم پر کیا اثر ہوتا ہے؟

سنی: میں ہر حال میں اپنی قدر کرتا ہوں، ہر صورت میں خود کو پسند کرتا ہوں۔ دوستوں سے بھی میں یہی کہتا ہوں کہ آدمی کے لئے بہترین راہ یہی ہے کہ کسی بھی سطح پر اپنے آپ کو پہچانے۔ ذہنی جھٹکوں کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوتا، اس لئے کہ میں جسمانی نظام کو طاقت ور رکھنے کی پوری کوشش کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے کسی طرح کا ڈر یا اندیشہ بھی نہیں ستاتا۔

س: کیا اپنی پہلی فلم "بے تاب" کی کام یابی پر بھی تم خوشی سے بے قابو نہیں ہوئے تھے؟

سنی: خوشی سے بے قابو نہیں، صرف خوش ہوا تھا۔ پہلے سے مجھے آس ہی نہیں تھی کہ اس فلم کو اتنے بڑے پیمانے پر سراہا جائے گا، اگرچہ یہ میں پہلے سے ہی جانتا تھا کہ فلم بہت اچھی بنی ہے۔

س: کیا اب تم نئی فلمیں چھان پھٹک کر قبول کرتے ہو؟

سنی: ہم آرٹسٹوں کو سب سے پہلے اس حقیقت سے سمجھوتا کرنا پڑتا ہے کہ ہم کمرشل فلم میکنگ کی دنیا میں ہیں اور ہمیں اس دنیا کے قاعدے ضابطے ماننے ہوں گے۔ صرف دولت کمانے کے لئے نہیں، کام یابی پانے کے لئے بھی۔ فلم ہم کسی بھی وجہ سے قبول کریں، ہمیں اس میں اپنے بہترین جوہر دکھانے ہیں۔ فلم جیسی بھی بنے ہمیں اس پر اعتراض نہیں کرنا ہے۔ اپنے سوا کسی کی بھی طرف ملامت کی انگلی نہیں اٹھانا ہے۔

• ڈمپل کپاڈیہ
(فوٹو: اردن بیکر)

www.taemeernews.com

س : بظاہر تمہیں زندگی کی بہترین نعمتیں ملی ہوئی ہیں۔ ان نعمتوں کی حد تک تمہارا رویّہ کیسا ہے؟

سنی : میں ان کی قدر کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ زندگی کی بہترین نعمتیں حاصل کرنے کے لئے آدمی کو اپنے بہترین جوہر سے کام لینا پڑتا ہے۔ انسانی جسم کی طرح انسانی روح کو بھی ورزش، نشو و نما اور تکمیل درکار ہوتی ہے۔ اسی صورت میں کوئی اداکار اوّل درجے کے فن کا مظاہرہ کرسکتا ہے۔

س : لیکن کیا ہمیشہ بہترین کام کے لئے کوشاں رہنا چوٹی پر پہنچنے کا یقینی راستہ ہے؟

سنی : جو لوگ کام، تعلیم، محبت یا زندگی میں کمال حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں وہ اپنے اردگرد ایک ایسی حوصلے بھری فضا پیدا کردیتے ہیں جو ان کی ذات کو نہایت ولولہ خیز پرکشش اور رنگا رنگ بنا دیتی ہے۔ خوب سے خوب تر کی آرزو میں رہنے کی واقعی بہت اہمیت ہے۔

س : لیکن خوب سے خوب تر کی آرزو میں سب لوگ تو نہیں رہتے۔ پھر تمہیں اس راہ پر کون سی بات لے آئی؟

سنی : دوسروں سے بڑھ کر کچھ کر دکھانے کی تمنا تو زیادہ تر دلوں میں ہوتی ہے۔ مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کسی کا ماحول، پرورش کا انداز، خاندانی اثرات یا سماجی بندھن اس تمنا کا گلا گھونٹ دیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بہتر کام کر دکھانا ایک ذہنی رویّہ ہے۔ یہ اپنا انعام خود ہے۔ میری پرورش بہترین ماحول میں ہوئی۔ خاندان میں سب کی طرف سے بڑھاوا ملا۔ میرے ڈیڈی میرے لئے ہمیشہ ایک آدرش بنے رہے۔ ان سے مجھے بہت اُمنگ حاصل ہوئی۔ اس کے باوجود میں یہ نہیں چاہوں گا کہ میری منزل، میری راہیں، میری بہتر سے بہتر کر دکھانے کی آرزو، میرے آگے بڑھنے کے ارادے کوئی اور طے کرے۔

س : کیا تمہیں کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ اداکاری کے میدان میں بہت سخت مقابلہ ہے؟

سنی : میری پہلی منزل یہ ہے کہ اپنی ذات کو کمال کے درجے تک پہنچاؤں۔ ایک اچھا آرٹسٹ اپنی دنیا آپ پیدا کرتا ہے۔ بہتر فن پیش کرنے کی اُمنگ اور رہنمائی اسے اپنے اندر سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ فن کے معیار کے معاملے میں اسے پہلے خود کو ہی اطمینان دلانا پڑتا ہے۔ آدمی کسی بھی شعبے میں بہتر کارگزاری دکھانے کی دُھن میں ہو، اسے

• پونم ڈھلوں
(فوٹو: ارون بیکر)

آگے صفحہ ۷۷ پر

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

• سمتا پاٹل
(فوٹو: وتی پانڈا)

سمتا! ایک چہکتی، مسکراتی لڑکی، سمتا کے معنی ہی "مسکراتی ہوئی لڑکی" ہیں اور سمتا نے ساری زندگی اپنے نام کی لاج رکھی۔ اب ایک سال سے اوپر ہو چلا ہے کہ یہ مسکراہٹ عدم کے دھندلکوں میں کھو گئی۔ ۱۳۔ دسمبر ۱۹۸۶ کو موت کا فرشتہ اس چہکتی، مسکراتی لڑکی کو اچانک لے اُڑا تھا۔ لیکن سمتا کی بڑی بڑی، بولتی ہوئی آنکھیں، اُس کا دل کی باتیں نہ چھپا سکنے والا چہرہ، اُس کی بچوں جیسی معصومیت، اس کا غریبوں کے لئے تڑپ اُٹھنے والا دل اور ان کے لئے کچھ کر جانے کا جذبہ، اس کے ضرورت مندوں کے کام آنے کا رویّہ اور سب سے بڑھ کر اس کی بے پناہ اداکاری جس کی بدولت اس نے آزادی کے لئے جد و جہد کرتی ہوئی ہندوستانی عورت کے دُکھ درد کی بھرپور عکاسی کی ——— یہ سارے پہلو ایسے نہیں کہ انہیں

سمتا کی پہلی برسی پر

وہ اپنے والدین کی ان چاہی اولاد تھی جسے وہ پیدا کرنا ہی نہیں چاہتے تھے

آسانی سے یادوں سے بھی مٹایا جا سکے۔

پچھلے سال سمتا کی ناگہانی موت سب ہی کو صدمے سے دوچار کر گئی تھی۔ اور سب سے بڑی آفت تو اس کے بچے پر ٹوٹی، جو پندرہ دن کی عمر میں ہی ممتا کی چھاؤں سے محروم ہو گیا۔ یہ سانحہ اس کے پرستاروں کے دِلوں کو بھی غم سے بوجھل کر گیا تھا۔ ہندوستانی فلموں کے لئے یہ بلاشبہ ایک ایسا نقصان تھا جس کی تلافی محال تھی، کیونکہ یہ ذہین اور باکمال اداکارہ ایک کے بعد ایک ہر فلم میں غضب کی اداکاری پیش کرتی رہی تھی۔

یہ دنیا سچ مچ ستم ظریفیوں سے بھری ہوئی ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ سمتا، جو لاکھوں لوگوں کی چاہت کا مرکز بنی اور ہندوستان میں ہی نہیں، دوسرے ملکوں میں بھی اَن گنت پرستاروں کے دِلوں کی دھڑکنوں میں سمائی، اپنی ماں کی ایسی

● سمتا پاٹل

بیٹی تھی جسے جنم دینے کی انہیں کوئی آرزو نہ تھی۔ آج اس کی ماں ودیا تائی پٹیل اس بات کا ذکر کرتی ہیں تو رو دیتی ہیں۔ اتنی پیاری بیٹی کی یادیں جب دھاوا بولتی ہیں تو آنسو بہاتے بہاتے وہ نڈھال ہو جاتی ہیں۔ ایک دور تھا کہ وہ ایک شعلہ بیان سوشلسٹ، آزادی کی سپاہی تھیں مگر اب بیٹی کے غم میں وہ گھل کر رہ گئی ہیں اور ایک اُداس پرچھائیں جیسی نظر آتی ہیں۔

جوانی کے دنوں میں ودیا وتی اور اُن کے شوہر شیواجی راؤ آدرش واد کا طوفان بنے ہوئے تھے۔ قوم کی آزادی، سوشلزم، فرد کی آزادی اور ملک کو خوش حال بنانے کے آدرشوں کے سوا ان کی کوئی منزل نہ تھی۔ سماج کو بہتری کی راہ پر ڈالنے کے لئے انہوں نے بہت سے سپنے سجا رکھے تھے ـــــ ایسے سپنے جنہیں کچھ لوگ شیخ چلی کا خواب قرار دیتے تھے۔ مگر وہ اپنی ہی دُھن میں رہتے تھے۔

چالیس برس پہلے جب ان کی شادی ہوئی تھی تو سارے شہر میں شور مچ گیا تھا اور کئی برس تک چہ میگوئی کا سلسلہ جاری رہا تھا۔ دنیا نے پہلی بار یہ ماجرا دیکھا تھا کہ شادی میں پورے احترام کے ساتھ ہریجنوں کو بلایا گیا اور 'اونچی ذات والے' مہمان ہریجنوں کے شانہ بہ شانہ بیٹھنے پر مجبور ہوئے۔ دُولہا دُلہن دونوں کا تعلق 'اونچی ذات' کی سب سے اوپر کی سطح (مراٹھا برادری) سے تھا۔ مشہور مراٹھی قلم کار اور سوشل ریفارمر سانے گروجی نے شادی کی رسمیں پوری کرائی تھیں۔

آزادی کی لڑائی میں یہ دونوں وطن کی خاطر ایثار اور تیاگ کے پُتلے بنے رہے۔ خوشی خوشی انہوں نے غریبی اور جفاکشی کی زندگی اپنائی۔ ان کی پہلی اولاد ایک بیٹا تھا جو بڑا ہو کر تین بیٹوں کا باپ بنا اور پھر دنیا سے سدھار گیا۔ اس کی

(آگے صفحہ ۸۱ پر)

www.taemeernews.com

● میناکشی سیشادری

ڈائمنڈ پاکٹ بکس کا نیا سیٹ آٹھ شاندار کتابیں اپنی سابقہ روایات کے مطابق انمول تحفہ

گلشن نندہ کا سدابہار یادگار ناول

اجنبی

اس ناول پر ایک کامیاب فلم بن چکی ہے۔ رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات سے پُر دلچسپ کہانی۔

قیمت : Rs 8/-

دت بھارتی کے حساس قلم سے

منگل سوتر

ایسی عورت کی کہانی جس نے منگل سوتر کو برسوں تک اپنے بچھڑے شوہر کی یادگار سمجھ کر رکھا مگر جب وہ ملا تو ......؟

قیمت Rs. 6/-

کانٹوں کا پہار

رانو کو پڑھنے والے جانتے ہیں کہ وہ سماج کے مسائل کو کس طرح حل کرتے ہیں۔

10/-

سمیر کے منجھے ہوئے قلم سے ایک اور بہترین ناول

پاپی فرشتہ

کالے کرتوتوں کی سفید کہانی ./6

شرط

تیز رفتار ایکشن واقعات کا انوکھا موڑ۔ حیرت و تجسس پیدا کر دینے والا اعلیٰ کا ناول ./6

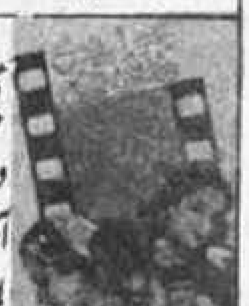

بھولے بسرے فلمی نغمے

وہ یادگار فلمی نغمے جن کو سن کر آج بھی غالب جوان ہو جاتا ہے احباب نغموں کا بہترین انتخاب ./6

جیمس ہیڈلے چیز کا نیا ناول

پتھر کی موت

چیز کے یہاں جو رکھ رکھاؤ اور ایکشن ہے وہ کسی اور کے یہاں نہیں ملتا ./6

درجنوں کامیاب ناولوں کے مصنف مسافر کا ایک اور ناول

کچھ نہیں کہتے

دلچسپ بھی اور حیرتناک بھی ./8

سابقہ مطبوعہ ڈائمنڈ پاکٹ بکس

داغ (ناول) گلشن نندہ	6-00
جلتی چٹان	6-00
گناہ کا رشتہ	10-00
نیا زمانہ	10.00
سسکتے ساز	10.00
گھاٹ کا پتھر	8-00
سوکھے پیڑ سبز پتے	8-00
لکشمن ریکھا	8-00
کٹی پتنگ	8-00
گیلارڈ	10-00
راکھ اور انگارے	6-00
ستاروں سے آگے	6.00
سونے کی لنکا	6-00
میلی چاندنی	6-00
ٹوٹے پنکھ	6-00
شیشے کی دیوار	6.00
گناہ کے پھول	6.08
جھیل کے اس پار	6-00
میں اکیلی	6.00
پیاسا ساون	6-00
پتھر کے ہونٹ	6-00
ایک ندی دو پاٹ	6-00
کالی گھٹا	6-00
ڈرپوک	6-00

کلنکنی	6-00
سوامی (ناول) راج ہنس	6.00
ادھورا شوہر	6-00
دیدی	6-00
سوتیلا	6-00
سیوک	10.00
دلدل کرشن گوپال عابد	6-00
محبوب کی قسم	6-00
درد کے رشتے (ناول) مسافر	6-
اندھیرے راستے	6.00
اندھیرے اجالے	7-00
بات ایک رات کی	7.00
وعدہ	6-00
کیسے سمجھاؤں؟ (ناول) واجدہ تبسم	6-00
روزی کا سوال	6.00
کیسے کاٹوں رین اندھیری	6.00
خوبصورت شکار (ناول) راہل	6.00
میرا قصور کیا ہے؟	6.00
دلہن ایک رات کی	6.00
پاپ کے راستے	6.00
شطرنج کے کھلاڑی	6-00
چھوٹی بہو (ناول) سمیر	6-00
انجام	6-00

فیصلہ	6-00
ایک ہی راستہ	6-00
منزل	6-00
اولاد کا سکھ	6-00
ٹوٹتے سپنے	6-00
بے گناہ	6-00
انصاف	7-00
ضرورت	7-00
دوسرا گوتم	7.00
آج کی سیتا	7.00
منٹو کے بہترین افسانے منٹو	6-00
بغیر عنوان کے	6-00
شرابی (ناول) دت بھارتی	6.00
پیاس	6-00
دل کا گھاؤ	6-00
یادیں	6-00
ڈیڈی	6.00
کالی راتیں (ناول) دت بھارتی	6.00
فراڈ	6.00
ایک قدم آگے دو قدم پیچھے	6-00
پھول کھلتے ہیں	6-00
بیتے دن	6 00
سورج مکھی (ناول) رانو	10-00
پیاسی ندی	6-00
ساجن	6-00

خاموشی کی آواز	6.00
بہت دیر بعد	6.00
پروانہ (ناول) خالد انجم	6.00
پیشہ 〃 عابد سرتی	6 00
زندہ باد مردہ باد 〃 دیانند ورما	6.00
جاسوسی ناول جیمس ہیڈلے چیز	
چلتی لاشیں	7.00
بلیک میلر محبوبہ	7-00
قاتل عاشق	7-00
نقلی بیوی اصلی تصویر	7.00
خونی کون؟	7-00
شیطان کی بیٹی	6-00
ہیروں کا ہنگامہ	6-00
انتقام کی آگ	6-00
خوفناک سازش	6-00
ہیروں کے چور	6-00
جھوٹوں کا بادشاہ	6-00
دولت کے پجاری	6-00
بلیک میلر کا قتل	6-00
شاطر کھلاڑی	6-00
ہوس کے غلام	6.00
گورے کا غدر (ناول) امرتا پریتم	6.00
اردو کی بہترین غزلیں (انتخاب)	6-
اردو کی بہترین نظمیں 〃	6-00

پاکستان کی بہترین غزلیں 〃	6-00
شکیل کی شاعری (شکیل بدایونی)	6-
مہدی حسن کی غزلیں (انتخاب)	6-00
غلام علی کی غزلیں 〃	6.00
پنکج ادھاس کی غزلیں 〃	6.00
انوپ جلوٹہ کی غزلیں 〃	6.00
جگجیت چترا کی غزلیں 〃	6.00
لتا منگیشکر کے بہترین فلمی نغمے	6-00
محمد رفیع کے بہترین فلمی نغمے	6-00
مکیش کے بہترین فلمی نغمے	6-00
محمد رفیع کے درد بھرے فلمی نغمے	6-00
کشور کمار کے بہترین فلمی نغمے	6-00
اردو شاعری میں شراب و شباب	6-00
اردو کی بہترین رباعیاں	6-00
جنسی طاقت میں اضافہ کیسے کریں	6-
جنسی مسائل اور ان کا حل	6.
زنانہ امراض اور ان کا علاج	6-00
ڈائمنڈ سیکس گائیڈ	10-00
سیکس اور زندگی	10-00
نرگس کا شاہی دسترخوان	6-00
گیرو پامسٹری گائیڈ	10-00
میاں بیوی کے لطیفے (طنز و مزاح)	6-00
مادر وطن (اندرا گاندھی)	6-00
مستقبل کی امید (راجیو گاندھی)	6-00
جوڈو کراٹے اور کنگ فو کیسے سیکھیں	6-00

ڈائمنڈ پاکٹ بکس پرائیویٹ لمیٹڈ دریا گنج نئی دہلی ۲

"جب آپ خیالوں سے جوان تو دِکھنے میں کیوں نہیں!"

"میں باقاعدگی سے
گودریج پاؤڈر ہیئر ڈائی استعمال کرتی ہوں"۔

تنوجہ

ہردلعزیز فلم اور ٹی وی اسٹار تنوجہ ہمیشہ دلکش شخصیت کی حامل رہی ہیں۔ ان کے جوان اور دلکش خدوخال ان کا اتنا ہی اہم حصہ ہیں جتنا ان کی تروتازہ اور سدابہار شخصیت۔

"مجھے یقین ہے کہ شادی اور دو خوبصورت بچیوں کی پیدائش کے بعد بھی مجھے خوبصورت نظر آنا چاہیئے۔

اس لیئے میرا بالوں میں خضاب لگانا میرے لیئے اتنا ہی معمول کے مطابق ہے جتنا نیل پالش لگانا۔

میں گودریج پاؤڈر ہیئر ڈائی استعمال کرتی ہوں۔ یہ بہتر رہے اور خود بخود پھیلتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کا لگانا بالکل آسان ہے اور یہ بالکل قدرتی نظر آتا ہے۔ بیشک میں جوان نظر آنا پسند کرتی ہوں۔ اور کون عورت یہ پسند نہیں کرے گی؟"

اب نئے پیک میں ۲۵٪ زیادہ

Godrej
پاؤڈر ہیئر ڈائی

اتنا قدرتی کہ آپ اندازہ نہیں لگا سکتے... تا وقتیکہ وہ خود ہی یہ راز افشا نہ کرے۔

Mudra : B : GPH : 2705 : UR

www.taemeernews.com

● 'جے شو شنکر' کے مہورت پر ڈمپل نے راجیش کا مونہہ میٹھا کرایا۔ ڈمپل راجیش کی فلم میں آ گئی ہے۔ اس کے گھر میں بھی جلد ہی جانے والی ہے۔ دوسری تصویر میں اس فلم کے ستارے سنگیتا بجلانی، راجیش، ڈمپل، چنکی پانڈے اور پونم ڈھلون۔

ستاروں کی دنیا

مُسافر

★ ۸ جنوری کو کاکا راجیش کھنہ اور کاکی ڈمپل کپاڈیہ سیکڑوں لوگوں کے سامنے ملے، ملے ہی نہیں گلے ملے اور گلے ٹلے، کاکا نے ڈمپل کے گالوں پر ہلکا سا بوسہ بھی دیا اور پھر ایک دوسرے کا مونہہ میٹھا بھی کرایا۔

تاریخ ۸ جنوری، وقت صبح ساڑھے دس بجے کا جگہ فلم سٹی موقعہ تھا بطور پروڈیوسر کاکا کی نئی فلم "جے شو شنکر" کا مہورت۔

کاکا نے پچھلی فلم جو پروڈیوس کی تھی اُس کا نام تھا "الگ الگ"۔ اس کی ہیروئن ٹینا منیم تھی اور اب ٹینا سے الگ الگ ہو جانے کے بعد اپنی اگلی فلم میں کاکا راجیش کا اپنے ساتھ کاکی ڈمپل کو لینا یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ ڈمپل اس فلم میں ہی نہیں راجیش کے دل میں اور پھر گھر میں چلی جائے گی۔

گورے گاؤں میں واقع فلم سٹی اسٹوڈیو کے چاروں طرف اونچی نیچی گھاٹیاں اور پہاڑیاں ہیں انہیں پہاڑیوں میں کافی آگے چلنے پر ایک بہت بڑا مندر بنا ہوا ہے۔ دیسی بدیسی کاروں کی منزل ۸ جنوری کو وہی مندر تھا کیوں کہ 'جے شو شنکر' کا مہورت اُسی مندر میں ہونا طے ہوا تھا۔ صبح ساڑھے نو بجے۔ سردی کا موسم، فلمی لوگ ویسے ہی دیر سے سو کر اُٹھتے ہیں۔ مگر کاروں کا سلسلہ ویران سڑک پر سوا نو بجے سے شروع ہو چکا تھا اور جو لگ بھگ دس بجے تک چلتا رہا۔

مندر کافی اونچائی پر تھا جہاں پہنچنے کے لئے قریب پچاس سیڑھیاں چڑھ کر وہاں جانا پڑتا تھا۔ راجیش نے سیڑھیوں کے نیچے کھڑے ہو کر ہر مہمان کا ذاتی طور پر استقبال کیا، یہ سلسلہ صبح نو بجے سے چل رہا تھا۔

مہورت کے لئے پنڈت نے ساڑھے دس بجے وقت دیا تھا۔ جیسے ہی گھڑی نے ساڑھے دس بجائے پونم ڈھلوں پیلے رنگ کی ساڑی، لال بلاؤز، لال بندیا، شانوں پر کھلے کالی گھٹا جیسے بادل، گالوں کی اٹھناری

● امرتا سنگھ اور امیتابھ بچن فلم 'سادھو اور سنت' کے مہورت پر۔

● ایک مدت بعد پرکاش مہرہ اور امیتابھ کا پھر سے ساتھ ہوا اور یکے بعد دیگرے دو فلمیں 'جادوگر' اور 'سادھو اور سنت' کے مہورت ہوئے۔ جیہ پردا اور امیتابھ بچن فلم "جادوگر" کے مہورت پر

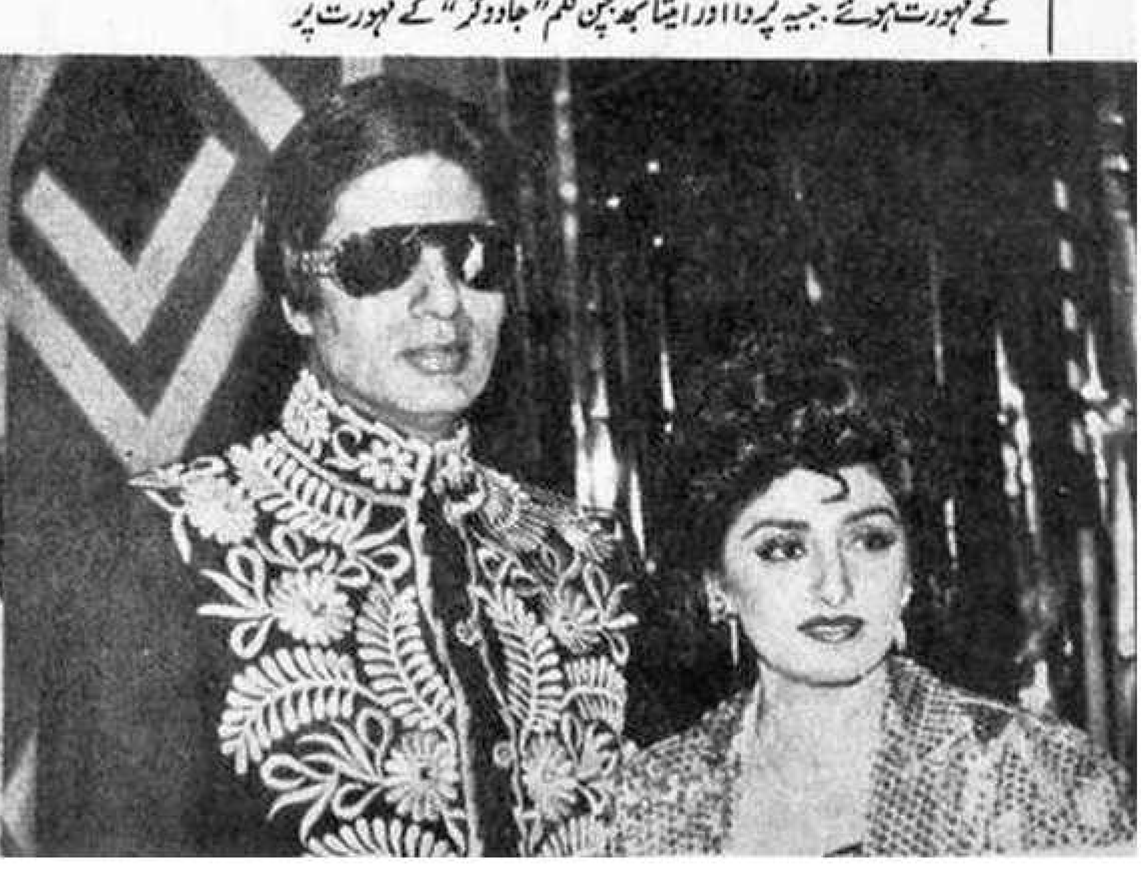

بن کر اس طرح آئی جیسے مہورت کے لئے نہیں مندر میں پُوجا کے لئے آئی ہو۔

مہورت کا پہلا شاٹ وجے آنند کی ہدایت میں پونم پر لیا گیا، شکتی سامنت نے کیمرہ کا سوئچ آن کیا اور کے، سی، بوکاڈیہ نے کلیپ دیا۔

پونم نے کہا "بھگوان آج شُبھ شنکر کا دن ہے، آشیرواد دو ہم سب کام یاب ہوں!"

تب ہی 'آشیرواد' بنگلہ کی مالکن ڈمپل وہاں آئی دونوں نے ایک دوسرے کو گلے لگایا، مبارک بادیاں ہوئیں۔ دونوں ایسے مل رہے تھے جیسے واقعی کبھی ان میں کوئی اختلاف ہی نہ ہوا ہو"۔

"جے شُبھ شنکر" میں راجیش کھنّہ، ڈمپل کپاڈیہ، پونم ڈھلوں، جیتندر، سنگیتا بجلانی اور جنیکی پانڈے کے علاوہ انوپم کھیر، اوم شیو پوری، شفیع انعام دار، نزوپارائے وغیرہ کام کریں گے۔ ہدایت ایس اے چندر شیکھر کی ہے۔ فلم کی کہانی ملیالم کی مشہور فلم 'وارڈا' پر مبنی ہے۔

مسافر اس موقعہ پر یہی کہہ سکتا ہے کہ گڈ لک کاکا، گڈ لک کاکی۔

★ ۲۹۔ دسمبر کو راجیش کھنّہ نے اپنی سال گرہ لوکھنڈوالہ کے بنگلہ میں منائی جس میں صرف قریبی دوست موجود تھے۔ اسی دن کاکا اور کاکی کی بیٹی ٹینا کا جنم دن بھی ہوتا ہے۔ پتہ چلا ہے کہ ڈمپل بھی اس پارٹی میں آئی مگر بہت دیر سے۔

کاکا راجیش کھنّہ کا بنگلہ 'آشیرواد' جس میں عرصہ سے تبدیلیاں کی جا رہی تھیں اب قریب قریب تیار ہے۔ پُرانے بنگلے کو اب بالکل نیا بنا دیا گیا ہے، نئے کمرے بنے ہیں، نئی چھت پڑی ہے۔ ہو سکتا ہے نیا سال یعنی ۱۹۸۸ کاکا راجیش کھنّہ اور کاکی ڈمپل کو پھر سے ایک چھت کے نیچے لے آئے۔ ویسے بھی دونوں طرف اب پہلے کی سی خفگی نہیں ہے۔ کبھی دونوں فون پر صرف بات کر لیا کرتے تھے اب بالمشافہ گفتگو زیادہ ہونے لگی ہے، جلدی جلدی ہونے لگی ہے۔ ان دونوں کو دُور کرنے میں اداکارہ ٹینا منیم وجہ ہو سکتی ہے مگر قریب لانے میں ان کی بڑی بیٹی ٹینا کھنّہ معاون ثابت ہوئی ہے۔

کاکا اور کاکی کی صلح کا بیج دراصل تنزانیہ میں بویا گیا جہاں ڈمپل اپنی دونوں لڑکیوں کے ساتھ شوٹنگ کے لئے گئی ہوئی تھی، مقامی لوگوں کی ہُلڑ بازی سے شوٹنگ نہیں ہو سکی تو کاکا لندن سے اُڑ کر وہاں پہنچا، ڈمپل اور اپنی دونوں بیٹیوں سے ملا۔ کہا تو یہ جاتا ہے کہ وہاں کاکا اور کاکی ایک ہی کمرے میں رہے مگر کاکا کا کہنا ہے کہ ایسا نہیں ہوا تھا، ہم ایک ہوٹل میں تھے مگر ایک چھت کے نیچے نہیں رہے۔

ارے بھئی اگر ایک چھت کے نیچے اور ایک کمرے میں رہے بھی تو کیا حرج ہے۔ دونوں آج بھی میاں بیوی ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ طلاق کے کاغذات تیار ہوئے لیکن طلاق ہوئی تو نہیں۔ اور اب تو ان کاغذات میں دونوں میں سے کسی کو بھی دلچسپی نہیں ہے۔

اُدھر ڈمپل کا ستارہ عروج پر پہنچ گیا ہے، وہ 'زخمی شیر'، 'ساگر'، 'لاوا'، 'منزل منزل'، اور 'اعتبار' کی ناکام ہیروئن نہیں رہی ہے، وہ ایک ہی فلم 'انصاف' سے اتنی بڑی ہیروئن بن گئی ہے کہ سری دیوی کی نمبر وَن پوزیشن کو بھی خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ آج کل ڈمپل کے پاس اتنی فلمیں ہیں کہ ان کے نام بھی ڈمپل کو یاد نہیں اور یہ گنتی ہر روز بڑھتی ہی جا رہی ہے۔

★ راجیش کھنّہ نئے سال میں ٹی وی پروڈیوسر کی حیثیت سے قدم رکھ رہا ہے۔ اس کا پہلا ٹی وی سیریل 'آدھا سچ آدھا جھوٹ' ہے جو غالباً فروری یا مارچ میں دکھایا جائے گا۔ اس سیریل کے تیرہ حصّے ہوں گے۔ اس سلسلے میں شمع کے ٹی وی صفحات میں اس کی تفصیلات کئی بار دی جا چکی ہیں۔ مگر آج مسافر آپ کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ سیریل 'آدھا سچ آدھا جھوٹ' کے بارے میں یہاں جو بات مشہور ہو رہی ہے کہ اس کا پائیلٹ دُوردرشن نے نامنظور کر دیا ہے۔ وہ نہ آدھا سچ ہے اور نہ آدھا جھوٹ بلکہ پورا جھوٹ ہے۔

مسافر کو بتایا گیا ہے کہ جب سیریل کے پہلے حصّے کا پائیلٹ دوردُوردرشن کو بھیجا گیا تو انہیں ارچنا پورن سنگھ کا اپنی آنکھوں کو بھینگا کر لینا اچھا نہیں لگا کہ کہیں اسے بھینگے لوگوں کا مذاق نہ سمجھا جائے، بات سچ بھی تھی، اس لئے اسے درست کر دیا گیا۔

اس سیریل کے بارے میں عام خیال ہے کہ راجیش کھنّہ اپنے اس سیریل کے ہر حصّے میں اسی طرح آئے گا جس طرح 'ہم لوگ' میں دادا مُنی اشوک کمار اور 'کہاں گئے وہ لوگ' میں منوج کمار آتے تھے۔ اس بات میں بھی یہ آدھا سچ ہے نہ آدھا جھوٹ بلکہ سَو فی صدی جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔ سچ صرف یہ ہے کہ اس سیریل کے پہلے حصّے میں آپ راجیش کو دیکھ سکیں گے راجیش نے اس میں کوئی مرکزی کردار ادا نہیں کیا بلکہ راجیش کھنّہ نے اس میں سُپر اسٹار راجیش کھنّہ کا رول ادا کیا ہے۔ اس سیریل کے پہلے حصّے کے ہیرو ہیروئن ہیں شفیع انعام دار اور ارچنا پورن سنگھ۔ یہ دونوں میاں بیوی ہیں۔ ایک دن شفیع انعام دار پر ایک نئی قمیص اتنی سجتی ہے کہ سب ہی اس سے کہنے لگتے ہیں کہ وہ کسی بھی ہیرو سے کم نہیں اور آخر میں شفیع واقعی خود کو ہیرو سمجھنے لگتا ہے اور اس بیچ اس کی ملاقات راجیش کھنّہ سے ہوتی ہے اور پھر پھر۔ دراصل جو مزا دیکھنے میں ہے وہ بتانے میں نہیں اس لئے آپ فروری مارچ تک اس کا انتظار کیجئے۔

★★★★★ ۱۹۸۸ کی فائیو اسٹار

خوش خبری یہ ہے کہ سُپر اسٹار امیتابھ بچن کے لئے ۱۹۸۸ فلموں ہی فلموں کا سال ہو گا اس کی ابتدا ۲۱ دسمبر سے ہو گئی جب نٹ راج اسٹوڈیو میں امیتابھ بچن کی برسوں سے رُکی ہوئی فلم 'جادوگر' کا مہورت ہوا۔

امیتابھ کی مصروفیت کی وجہ سے پروڈیوسر ڈائریکٹر پرکاش مہرہ نے کبھی راجیش کھنّہ کو جادوگر بنانے کی کوشش کی تو کبھی شتروگھن سنہا کو۔ ونود کھنّہ کے دوبارہ فلموں میں آنے پر اسے بھی 'جادوگر' بنایا گیا مگر بات کہیں نہیں بنی۔ سورج سنیم نے یہ کہانی خاص طور پر امیتابھ بچن کو سامنے رکھ کر، امیتابھ بچن کے لئے ہی لکھی تھی اس لئے حق بہ حق دار رسید یعنی جس کے لئے کہانی لکھی گئی تھی اُسی آرٹسٹ کو لے کر اُسے شروع کر دیا گیا۔

★ ۲۱۔ دسمبر کو نٹ راج اسٹوڈیو کے گیٹ سے لے کر اسٹیج نمبر ایک تک مختلف رنگوں کے پھولوں کی جھالروں سے سجایا ہوا تھا۔ فلمی اور غیر فلمی لوگوں کا تانتا بندھا ہوا تھا مگر امیتابھ اور پرکاش مہرہ کی فلم کے باوجود پورا پریس وہاں نظر نہیں آ رہا تھا، وجہ یہ تھی کہ اسی دن تین ستاروں کی فلموں کے مہورت تھے۔

گوری کنج ولا میں گووندا منداکنی کی فلم "ناچ گووندا ناچ" تھی، کوسوں دور چاندیولی اسٹوڈیو میں ونود کھنّہ کی فلم 'حصّہ دار' کا مہورت تھا کہتے ہیں ونود کھنّہ نے جان بوجھ کر مقابلہ میں اسی دن اپنی فلم کا مہورت رکھوایا تھا کیوں کہ پہلے 'جادوگر' میں ونود تھا

بانی : یوسف دہلوی (مرحوم)

مدیران : یونس دہلوی
ادریس دہلوی
الیاس دہلوی

صدر دفتر : ۱۳/۱۴- آصف علی روڈ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

ٹیلی فون : 732666 732667 732668
مدیران : 730446 731783

تار کا پتہ : شمع نئی دہلی SHAMA NEW DELHI
ٹیلیکس : TLX : 31-61601 SHMA IN

شمع

فروری ۱۹۸۸

اشاعت کا پچاسواں سال
دوسرا شمارہ

ایک کاپی کی قیمت : ۶ روپے
سال بھر کی قیمت : ۶۵ روپے

شمع انڈین اینڈ ایسٹرن نیوز پیپر سوسائٹی، نئی دہلی، آڈٹ بیورو آف سرکولیشن بمبئی، اور آل انڈیا نیوز پیپر ایڈیٹرز کانفرنس، نئی دہلی کا ممبر ہے۔

مطبوعہ : شمع پریس، شاہدرہ، دہلی ۳۲
ٹائیٹل : شمع پریس، شاہدرہ، دہلی ۳۲
انگلش : شمع پرنٹرز [illegible]
طابع و ناشر : یونس دہلوی

مقام اشاعت : ۱۳/۱۴- آصف علی روڈ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

ادارہ شمع، بانو، کھلونا، مجرم اور سشما (ہندی) بھی شائع کرتا ہے۔ شمع میں شائع ہونے والے تمام ادبی یا نیم ادبی مضامین میں نام، مقام، واقعات اور ادارے تخلیقی فرضی ہوتے ہیں اور حقیقی افراد، مقامات، واقعات یا اداروں سے ان کی مطابقت محض اتفاقیہ ہے جس کے لئے ایڈیٹر، پبلشر یا مصنف پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ شمع میں شائع ہونے والے تمام مضامین اور تصاویر کے جملہ حقوق طبع و نقل بحق پبلشر محفوظ ہیں کسی طرح بھی اس کے کسی حصّے کی اشاعت یا کسی بھی طرح استعمال سے پہلے تحریری اجازت لینی ضروری ہے۔

● سرورق : سونم (فوٹو : طیب بادشاہ)

● پروڈیوسر ڈائریکٹر یش چوپڑہ (مائیک ہاتھ میں) کی نئی فلم 'چاندنی' کا مہورت شاٹ رشی کپور، سری دیوی اور ونود کھنہ پر لیا گیا۔

اب اس کی جگہ متعن آگیا ہے۔

بہرحال 'جادوگر' کا جادوگر امیتابھ بچن منٹ اور سیکنڈ کی پابندی یعنی صبح نو بجے کالے رنگ کی پینٹ کا مدار جیکیٹ اور کالا چشمہ پہن کر آیا تھا اس کا ساتھ دینے کے لئے جادوگرنی جیہ پردا بھی کالے رنگ کا مڈی نما لباس اور اوپر چیک دار سفید کوٹی پہن کر آئی تھی۔ مگر مہورت کے کوئی آثار نہیں تھے، پریس والے اور فوٹوگرافر آہستہ آہستہ آتے گئے۔ آخر سوا بارہ بجے فلم کا مہورت ہو سکا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ امیتابھ کی کسی فلم کے مہورت میں اتنی تاخیر ہوئی ہو۔ امیتابھ اور جیہ پردا کے ساتھ کے ایس رمیش بھی بھاگتے دوڑتے نظر آئے یہاں بہت کم ہی لوگ رمیش کو جانتے ہیں، دراصل فلم "جادوگر" میں یہی امیتابھ کو جادو دکھائیں گے۔ رمیش بہت بڑے جادوگر ہیں جنہوں نے فلم "پُشپک" میں کام کیا ہے اور اس فلم کی ہیروئن آملہ کے باپ بنے ہیں۔

مہورت کا پروگرام شروع ہوا۔ کسی بھی مہمان کو ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ پرکاش مہرہ نے اسٹارٹ ساؤنڈ کیمرہ کلیپ کی آواز بلند کی اُن کے لڑکے نے ناریل توڑا۔ کیمرے کا سوئچ فلم کے فنانسر گوپال داس نے آن کیا اور رجے آنند نے کلیپ دیا:

شاٹ شروع ہوا۔ موسیقار کلیان جی آنند جی ایک ریکارڈ امیتابھ بچن کو پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خاص طور پر آپ کے لئے ریکارڈ کیا ہے یہ آپ کے آئیٹم کے ساتھ بجے گا۔

امیتابھ ریکارڈ لے کر کہتا ہے: کہاں گیا ریکارڈ (ریکارڈ غائب ہو جاتا ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک رومال بن جاتا ہے) آپ مجھے بے وقوف بناتے ہیں پھر نہیں وہ رومال دے دیتا ہے اور کہتا ہے: اس سے پسینہ پونچھ لیجئے۔ اتنے میں جیہ پردا آتی ہے۔

امیت کہتا ہے "ارے جادو دیکھنا ہے تو یہ دیکھئے۔ اصلی جادو تو یہ ہے۔" اس مزاحیہ ڈائیلاگ کے پورا ہوتے ہی پرکاش مہرہ نے کٹ اِٹ کہا۔ مہورت شاٹ خوب صورتی سے اوکے ہو گیا۔ لڈو، کولڈ ڈرنکس کے دور چلنے لگے۔ فوٹوگرافرز کے فلیش تیز تر ہو گئے۔

★ ٹینو آنند کی فلم "شہنشاہ" ۱۲۔ فروری کو پیش کی جا رہی ہے۔ "شہنشاہ" مئی میں آئے گی۔ یہ خبر گزشتہ ۸ یا ۹ مہینے سے گردش میں ہے۔ آخر یہ ٹینو آنند کون ہے؟ فلم کی نمائش میں تاخیر پر تاخیر کیوں ہو رہی ہے۔ لیجئے پڑھئے۔ مسافر کے دوست ونکٹیش کا اس سلسلہ میں کیا کہنا ہے۔

کچھ دل جلے ٹینو آنند کو امیتابھ بچن کا چمچہ کہتے ہیں۔ کچھ نک چڑھے ناقدوں کے خیال میں وہ صرف "کالیہ"، "ملکہ"، "شہنشاہ" جیسی مسالہ فلمیں بنا سکتا ہے۔ لیکن یہ بات کم ہی لوگ جانتے ہیں کہ وہ سورگ باسی گیت کار اندراج آنند کا بیٹا ہے اور بہت سی صلاحیتوں کا مالک ہے۔ پانچ سال تک وہ ستیہ جیت رے کا اسسٹنٹ رہا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے خواجہ احمد عباس کے ساتھ اپرنٹس کے طور پر بھی کام کیا تھا۔ "بمبئی رات کی بانہوں میں" اور "سات ہندوستانی" کی تکمیل کے دوران میں اس نے تنخواہ کے بغیر ہی عباس صاحب کی خدمت کی تھی۔ یہی نہیں، عباس صاحب کی فلم "نکسلائٹ" میں اس نے ایک کلیدی

● فلم 'تالا چابی' کے مہورت پر بجے دت، ہدایت کار راج سپی، ونود کھنہ اور مینا کشی سیشادری۔

www.taemeernews.com

رول بھی کیا تھا.

چند روز پہلے ٹنو آنند سے میری ملاقات ہوئی تو اس نے بیتے دنوں کی تیکھی، میٹھی باتوں اور یادوں کا پورا دفتر کھول دیا۔ میں نے چھوٹتے ہی اسے چھیڑا:

"خواجہ احمد عباس اور ستیہ جیت رے جیسے عظیم فلم میکرز کی چھاپ تو آپ کے کام پر کہیں نظر نہیں آتی!"

ٹنو آنند مسکرا دیا۔ "چھاپ ہو یا نہ ہو، میں نے ان دونوں سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ دونوں دنیائیں میں نے دیکھی ہیں: عباس صاحب کے ساتھ کام کرتے ہوئے بمبئی کی دنیا اور مانک دا (ستیہ جیت رے) کے ساتھ کام کرتے ہوئے کلکتہ کی دنیا۔ اور دونوں دنیاؤں کے فرق کو بھی میں نے محسوس کیا ہے۔ مانک دا فلم شروع کرنے سے پہلے ہی اس کے ایک ایک فریم کو کاغذ پر منتقل کر لیتے تھے۔ پوری فلم ان کی نظر میں رہتی تھی۔ وہ ہر پہلو سے آل راؤنڈر (ہر فن مولا) ہیں۔ ایڈیٹنگ، اسکرپٹ رائٹنگ، میوزک، کیمرا، ہر شعبے کو وہ اس طرح کنٹرول کئے رہتے ہیں جیسے کوئی ریموٹ کنٹرول ان کے ہاتھ میں ہو۔ اگر آج میں فلم میکر کے طور پر جانا جاتا ہوں تو اس کا سارا کریڈٹ مانک دا کو جاتا ہے۔ وہ بھی میرا بہت خیال رکھتے تھے۔

جب میں ان کا ساتھ چھوڑ کر بمبئی آگیا تو عباس صاحب نے "سات ہندوستانی" میں مجھے ایک رول آفر کیا۔ اس فلم میں مختلف علاقوں کے اداکار لئے گئے تھے، مثلاً بنگال سے اُتپل دت، کیرالا سے مدھو، وغیرہ۔ میں "سات ہندوستانی" میں کام شروع کرنے ہی والا تھا کہ مانک دا کا خط عباس صاحب کے نام آگیا۔ انہوں نے لکھا تھا کہ ٹنو کو فوراً کلکتہ بھیج دیجئے۔ اس کے بغیر ہمارا کام نہیں چل سکتا اور اسے یہ بھی فیصلہ کر لینا چاہئے کہ اسے ڈائریکٹر بننا ہے یا ایکٹر۔ اس طرح "سات ہندوستانی" میں کمزور شاعر کا وہ رول آج کے سُپر اسٹار امیتابھ کو ملا جو مجھے آفر کیا گیا تھا۔ اس سے پہلے امیتابھ کو ایک مسلم رول دیا گیا تھا جو بعد میں محمود کے بھائی انور کے حصّے میں آیا اور میں پھر کلکتہ واپس پہنچ گیا۔"

"امیتابھ سے تمہاری پہلی ملاقات کب اور کہاں ہوئی؟"

"یہ ایک دل چسپ کہانی ہے۔" ٹنو نے جواب دیا۔ "ہوا یہ کہ مینا سنگھ، جو مشہور ماڈل ہیں، امیتابھ کا فوٹو لے کر میرے پاس آئیں۔ ان دنوں میں بمبئی میں تھا اور امیتابھ کلکتہ کی فرم برڈ اینڈ کمپنی میں افسر تھے۔ پھر ایک دن امیتابھ اپنے بھائی بنٹی (اجیتابھ بچن) اور مینا کے ساتھ میرے گھر آئے۔ میں انہیں عباس صاحب کے پاس لے گیا، جن کا دفتر ہماری بلڈنگ میں ہی تھا۔ چونکہ 'سات ہندوستانی' میں اداکاری کرنا میرے لئے ممکن نہیں رہا تھا، اس لئے عباس صاحب نے میرا رول امیتابھ کو دے دیا۔ اس کے بعد کی باتیں تو سب ہی کو معلوم ہیں۔"

"اچھا، رے کے اسسٹنٹ آپ کیسے بنے تھے؟"

"اٹلی کے مشہور ڈائریکٹر فیلینی سے میرے ڈیڈی کی اچھی دوستی تھی۔ ڈیڈی نے فیلینی سے کہا کہ وہ مجھے اپنا شاگرد بنالیں۔ فیلینی بولے کہ اس کے لئے مجھے اطالوی زبان سیکھنا ہوگی، کیوں کہ انگریزی فیلینی کو بس واجبی ہی آتی تھی۔ اُدھر ڈیڈی ستیہ جیت رے سے بھی میری سفارش کرنے کو تیار رہتے۔ میں نے بھی مانک دا کا اسسٹنٹ بننا زیادہ مناسب سمجھا۔ اب لوگ کہتے ہیں کہ مانک دا اور عباس صاحب سے فلم میکنگ سیکھنے والا ٹنو 'کالیہ' اور 'دنیا میری جیب میں' جیسی فارمولا فلمیں بنانے پر کیوں اُتر آیا۔ سو یہ ایک الگ کہانی ہے۔ رے کی فلم "گوپی گائن باگا باین" میں پورے درجن بھر گیت تھے اور یہ غضب کی تخیلاتی فلم تھی۔ ہماری لگ بھگ سب ہی فلمیں تخیلاتی ہوتی ہیں اور سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ اگر میں رے کا اسسٹنٹ رہا ہوں تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ میں اسی طرح کی فلمیں بناؤں جیسی رے بناتے ہیں؟"

"اسسٹنٹ سے ڈائریکٹر بننے کا موقع کب اور کیسے ملا؟" میں نے پوچھا.

"مانک دا کے ساتھ پانچ سال تک اسسٹنٹ کے طور پر کام کرنے کے بعد خیال آیا کہ اب کچھ آگے بھی بڑھنا چاہئے۔ اسسٹنٹ تو ہمیشہ اسسٹنٹ ہی رہتا ہے۔ میرے علاوہ رے کا صرف ایک اور اسسٹنٹ تھا جو ڈائریکٹر بن سکتا تھا، وہ بھی بنگلہ فلموں میں چنانچہ میں بمبئی آگیا اور "دنیا میری جیب میں" فلمانے کی تیاری شروع کر دی۔ رشی کپور سے میرے بھائی بٹو آنند کی گہری دوستی تھی۔ اس لئے رشی کپور اور ششی کپور کو کاسٹ میں شامل کرنے کا مرحلہ آسان ہوگیا۔ ایسی صورت میں نئے ڈائریکٹر کو بہت مدد ملتی ہے جب کوئی اسٹار اس کی پشت پناہی کرے۔ ستارے ساتھ دیں تو سمجھئے فلم میکر نے آدھا معرکہ پہلے ہی سر کر لیا۔ یہی سبب ہے کہ جب "دنیا میری جیب میں" کی ۱۴ ریلیں تیار ہوگئیں تو اس وقت تک میں پانچ اور فلمیں سائن کر چکا تھا۔ یہ فلمیں ڈائریکٹر کے طور پر میری صلاحیت کو جانچے پرکھے بغیر ہی صرف چٹپٹی خبروں کی بنیاد پر مجھے مل گئی تھیں۔ پروڈیوسر لوگ نوٹوں کے ڈھیر لے کر میرے گھر آتے تھے، تاکہ معاہدے پر دستخط کرنے کی رقم مجھے دے کر معاہدہ پکا کر لیں لیکن میں نے بیوی سے کہہ رکھا تھا کہ وہ ان رقموں کو ہاتھ نہ لگائے۔ نہایت حفاظت کے ساتھ یہ رقمیں ایک الماری میں رکھ دی جاتی تھیں، کیوں کہ میں جانتا تھا کہ اگر 'دنیا میری جیب میں' فلاپ ہوگئی تو یہی پروڈیوسر پھر میرے گھر کے چکّر لگائیں گے اور ساری رقمیں واپس مانگ بیٹھیں گے۔

ایک پروڈیوسر تو اتنے فراخ دل نکلے کہ معاہدے پر دستخط کرنے کے معاوضے کے طور پر انہوں نے مجھے ایک امپورٹیڈ ٹرائمف کار پیش کر دی! یہ اور بات ہے کہ 'دنیا میری جیب میں' کے فلاپ ہوتے ہی وہ اس کار کو واپس لے گئے۔ میں نے جو پانچ فلمیں سائن کی تھیں، ان میں سے صرف ایک کی شوٹنگ شروع ہونے کی نوبت آئی۔ باقی چار منصوبے ٹھپ ہوگئے۔ جس فلم کی شوٹنگ شروع ہوئی، وہ تھی ٹیٹو ٹونی کی 'ڈائنامائٹ'۔ امیتابھ بچن اس کا ہیرو تھا۔ لیکن بعد میں یہ فلم بھی کھٹائی میں پڑ گئی۔ وجہ پروڈیوسر ہی جانیں۔ ایک اور فلم جہاز رانی کے بادشاہ سام سگنو جھیٹھ والی شروع کرنے والے تھے، مگر وہ مالی مشکلات میں پھنس گئے اور یہ منصوبہ بھی آگے نہ بڑھ سکا۔"

"یہ تو وہی معاملہ ہوا کہ:

اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے!"

میں نے لقمہ دیا۔ "پھر آگے کی راہ کیسے نکلی؟"

"اگر میں ان آفتوں سے زندہ سلامت نکلا تو اس کا سبب یہ تھا کہ میں 'کالیہ' شروع کر چکا تھا۔ میری پہلی فلم "دنیا میری جیب میں" پانچ سال میں بنی تھی۔ 'کالیہ' کو مکمل کرنے میں صرف چار برس لگے اور امیتابھ کے ساتھ 'شہنشاہ' کو پورا کرنے میں بس تین سال ہی صرف ہوئے۔"

"تعجب ہے!" میں نے کہا "یار لوگ تو یہ اُڑاتے ہیں کہ امیتابھ نے بڑا گھمنڈی اور تحکمانہ مزاج پایا ہے۔"

ٹنو فوراً امیتابھ کی وکالت پر اُتر آیا۔ "یہ سراسر غلط ہے۔ امیتابھ میں نہ گھمنڈ ہے، نہ حکم چلانے کی ادا۔ ہاں، اتنا ضرور ہے کہ وہ ذرا الگ تھلگ رہتا ہے۔ کچھ لوگ اسی کو گھمنڈ سمجھ بیٹھتے ہیں۔ خود میرا حال بھی امیتابھ اور مانک دا جیسا ہے۔ مجھے بھی الگ تھلگ رہنا زیادہ پسند ہے۔ یوں موقع ہو تو اچھی اچھی باتیں کرنے اور محفل سجانے میں بھی امیتابھ کا جواب نہیں۔ ایسے ایسے مزہ دار لطیفے سنائے گا کہ لوگ پھڑک اٹھیں۔ مگر جیسے ہی اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ آس پاس کوئی ایسا شخص موجود ہے جس سے اس کی قریبی جان پہچان نہیں ہے تو وہ ایک دم اپنے خول میں سمٹ جاتا ہے۔ شاید اسی لئے وہ طرح طرح کی افواہوں اور سرگوشیوں کا مرکز بن جاتا ہے۔"

"آخر "شہنشاہ" کی ریلیز میں اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے؟ کہیں اس کی وجہ بعض سیاسی حلقوں کی طرف سے اُٹھائی ہوئی امیتابھ مخالف لہر تو نہیں؟" میں نے ٹنو کو کریدا۔

"جی نہیں۔ ایسی کسی لہر کا کوئی وجود نہیں ہے۔ کچھ عرصہ سیاست کے میدان میں گزار لینے سے امیتابھ کی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ 'شہنشاہ' اس دہائی کی سب سے زیادہ

www.taemeernews.com

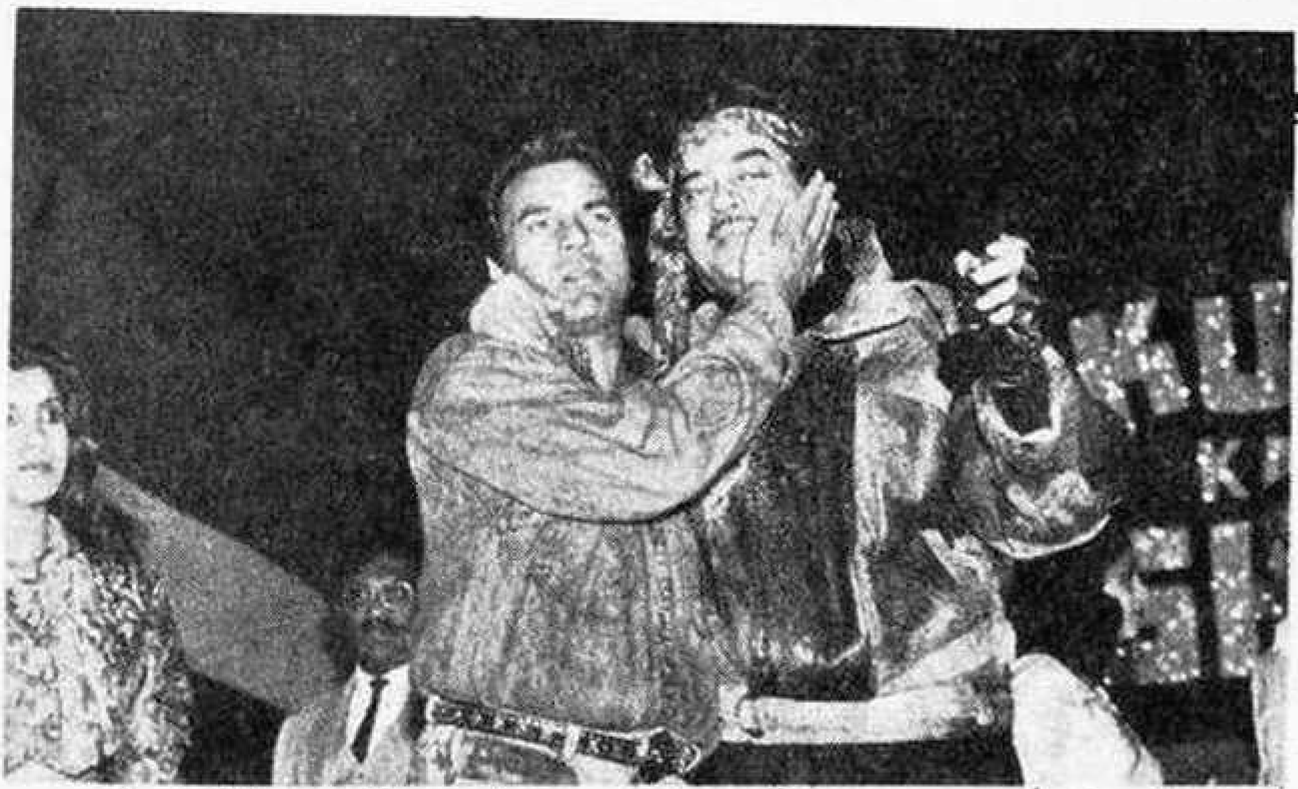

● فلم "حکومت کے دشمن" کے مہورت پر ہیرو شتروگھن سنہا اور دھرمیندر ایک دوسرے کی باہنوں میں۔ فلم کی ہیروئن ڈمپل دور کھڑی یہ نظارہ دیکھ رہی ہے۔

آمدنی والی فلم ثابت ہوگی۔ ان دنوں میں امیتابھ کے ساتھ ایک نہیں، تین فلموں میں کام کر رہا ہوں۔ 'لاڈلا' اب 'عالیشان' کے ٹائٹل سے بن رہی ہے۔ اس میں امیتابھ کی تین ہیروئنیں ہیں: کمی کاٹکر، ڈمپل اور میناکشی سیشادری۔ ایک اور فلم 'مہاکال' کا منصوبہ بھی تیار ہو چکا ہے۔ اس میں امیتابھ اور ڈمپل ہوں گے۔ آج کل میں جو فلم امیتابھ کے ساتھ بنا رہا ہوں، اس کی ہیروئن شبانہ اعظمی ہے۔ خیال رہے کہ یہ فلم اینٹی پریس نہیں ہے، اگرچہ بعض جگہوں پر اس میں 'جان ڈو' کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس فلم کا نام ابھی طے نہیں ہوا ہے۔ پونے میں تین مہینے کی شوٹنگ طے ہوئی تھی۔ دو مہینے تو نکل ہی چکے ہیں۔ یہ فلم ۴۵ دن کی شوٹنگ کے بعد جنوری میں مکمل ہو جائے گی اور فروری یا مارچ میں اس کے ریلیز ہو جانے کی امید ہے۔ اصل میں اس فلم کا وہ رول سمیتا پاٹل کو کرنا تھا جو اب شبانہ اعظمی کر رہی ہے۔"

"تمہاری ایک اور فلم 'مٹھی بھر زمین' بھی تو ادھوری پڑی ہے۔ سنا ہے اس کے لئے خریدار نہیں مل رہے ہیں۔"

"جی ہاں، یہ صحیح ہے۔ جب 'مٹھی بھر زمین' شروع ہوئی تھی تو کمار گورو اپنی پوری فارم میں تھا۔ لیکن آدھی فلم ہی بنی تھی کہ وہ اسٹار کی بلندی سے پھسل گیا اور ڈسٹری بیوٹرز فوراً پیچھے ہٹ گئے۔ اب امیتابھ کے ساتھ میرے پروجیکٹ مکمل ہو جائیں تو میں یقیناً "مٹھی بھر زمین" کو مکمل کروں گا۔"

ٹنو آنند فلم میکر ہی نہیں، ایک اچھا اداکار بھی ہے۔ "نکسلائٹ"، "نروان"، "کون جیتا کون ہارا" وغیرہ میں وہ اپنی اداکاری کے جوہر دکھا چکا ہے۔ ان دنوں بھی پروڈیوسر، ڈائریکٹر کی حیثیت سے ششی کپور کی فلم "دی بلیک پرنس" میں وہ امریش پوری کے ساتھ ولین کا رول کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ "افسر" میں بھی اسے کسی اور کی نہیں، قادر خاں کی جگہ لیا گیا ہے۔ میں نے ٹنو سے پوچھا کہ کیا دو کشتیوں کی سواری اسے راس آرہی ہے؟ اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: "اس میں کوئی شک ہو ہی نہیں سکتا۔ دراصل میرا پہلا شوق تو اداکاری ہی تھا۔ اسکول کے دنوں میں بہت سے ڈراموں میں، اور خاص طور سے شیکسپیر کے ڈراموں میں حصّہ لے چکا تھا۔ اس لئے آج بھی اداکاری کرنے میں مزہ آتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بھرپور تخلیقی آسودگی، ڈائریکشن کے میدان میں ہی میسّر آتی ہے۔ ایکٹنگ نسبتاً آسان کام ہے۔ بس کیمرے کے سامنے آئے، اپنے ڈائیلاگ بولے اور پھر سب کچھ بھول کر گھر چلے گئے۔ لیکن ڈائریکٹر کو اپنے پروجیکٹ کے بارے میں ہر گھڑی سوچتے رہنا پڑتا ہے۔"

"سنگیتم سری نواسن کی خاموش فلم "پشپک" میں تمہارے کام کو ناقدوں نے بہت سراہا ہے۔ یہ رول تمہیں کیسے ملا تھا؟"

"اس فلم میں کمل ہاسن اور سمیر گگڑ کے ساتھ امریش پوری کو ولین کا رول کرنا تھا۔ ایک دن کمل ہاسن کا فون آیا کہ کیا میں قاتل کا رول کرنے کے لئے اگلے ہی روز پہنچ سکتا ہوں، کیوں کہ امریش نے یہ رول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ میرے پاس وقت تھا، اس لئے اڑان بھر کر بنگلور چلا گیا اور دو شیڈول میں یہ فلم پوری کر لی۔ سارِیکا کے ساتھ میں 'نروان' میں کام کر چکا تھا۔ اسی نے امریش کے پیچھے ہٹ جانے پر اس رول کے لئے میرا نام کمل کو سجھایا تھا۔ پھر 'پشپک' کے مکمل ہو جانے پر کمل نے مجھے ایک اور اچھا رول پروڈیوسر مکتا سری نواس کی تمل فلم "نیا گان" میں دلوایا۔ میں 'نیا گان' میں ایک ایسے پولیس افسر کا بیٹا بنا ہوں جسے کمل قتل کر دیتا ہے۔ میں ایک ذہنی طور پر پچھڑا ہوا نوجوان بن جاتا ہوں، جو آخر میں عدالت کے باہر کمل کو بڑی بے رحمی سے قتل کر دیتا ہے۔ کمل نے اس فلم میں جھونپڑپٹی کے مالک کا رول کیا ہے۔ اس رول میں وردا بھائی کی زندگی کی جھلک ہے تو اس طرح کمل ساؤتھ میں میرا گاڈ فادر ہے اور امیتابھ یہاں میرا بہت اچھا دوست۔ کمل بہت پہلے ان دنوں میرے ڈیڈی سے بہت قریب ہو چکا تھا جب انہوں نے "ایک دوجے کے لئے" کے مکالمے لکھے تھے۔ اس لئے بھی وہ میرا بہت خیال رکھتا ہے۔"

"کیا کبھی خود کو بھی ڈائریکٹ کرنے کا ارادہ ہے؟" میں نے رخصت ہونے کے لئے اٹھتے ہوئے ٹنو سے آخری سوال پوچھا۔

"جی نہیں۔" ٹنو نے جواب دیا۔ "میں ایک ہی وقت میں ایکٹر کے طور پر کیمرے کے سامنے اور ڈائریکٹر کی حیثیت سے کیمرے کے پیچھے کھڑا ہونا کبھی پسند نہیں کروں گا۔ البتہ میں دوسرے ڈائریکٹروں کی فلموں میں ضرور ایکٹنگ کرتا رہوں گا، کیوں کہ میں واقعی اچھا خاصا اداکار ہوں۔ اداکاری میرے خون میں رچی ہوئی ہے۔" یہ کہتے کہتے ٹنو کے ہونٹوں پر پھر ایک ایسی کھلی دلکش سی مسکراہٹ پھیل گئی کہ اس کے دانت بھی نظر آنے لگے، جو اتفاق سے زیادہ خوش نما نہیں ہیں۔

★ ششی کپور نے اپنی نئی فلم 'عجوبہ' کی شوٹنگ ۱۱ جنوری سے شروع کر دی ہے جس میں امیتابھ بچن، ڈمپل اور سعید جعفری حصّہ لے رہے ہیں۔

● موسیقار نوشاد (بائیں طرف) کے بیٹے مطیع الرحمان کی شادی شہناز سے ہوئی نئے جوڑے کو دعائیں دینے طلعت محمود بھی آئے

★ پروڈیوسر ٹیش جوہر کی نئی فلم جس میں امیتابھ بچن اور متھن چکرورتی ہیروز کے رول ادا کریں گے۔ ۳ فروری کو سیٹ پر جا رہی ہے۔ مکل ایس آنند اس فلم کا ہدایت کار ہے۔

★ پروڈیوسرز مشیر ریاض کی نئی فلم 'اکیلا' جو اس ماہ کے آخر میں سیٹ پر جا رہی ہے۔ امیتابھ بچن کے ساتھ جیتندر بھی کام کرے گا۔

★ مدراس میں بنی خاموش فلم 'پشپک' کے بارے میں ہر انڈسٹری والا بول رہا ہے، ہر ایک کی زبان پر کمل ہاسن کی تعریف ہے۔ راجندر کمار کو یہ فلم اتنی پسند آئی کہ اس نے بمبئی کے لئے اُسے خرید لیا۔ امیتابھ بچن نے اسے ایک بار نہیں پانچ چھ بار دیکھا اور ایک تعریفی خط بھی کمل ہاسن کو بھیجا۔

مگر کمل ہاسن کو اس فلم سے کچھ نہیں ملا۔ بمبئی کے پروڈیوسر اسے ابھی بھی ناکام ہیرو سمجھتے ہیں۔ بمبئی کا کوئی پروڈیوسر ابھی تک اُسے سائن کرنے کے لئے آگے نہیں بڑھا مگر اس کی فلم 'پشپک' کی ہیروئن آملہ کو کئی فلمیں مل گئی ہیں اور کئی ملنے والی ہیں۔ راجندر کمار نے اپنے بیٹے کمار گورو کے ساتھ اسے اپنی نئی فلم 'جرأت' میں لیا ہے۔ بوکاڈیہ نے بھی آملہ کو اپنی نئی فلم میں لیا ہے۔ آملہ ونود کھنہ اور فیروز خاں کے ساتھ 'دیاوان' میں بھی آ رہی ہے، سریندر موہن نے متھن چکرورتی کے ساتھ اپنی فلم 'تیری تلاش میں' میں لیا جس میں آملہ کا ڈبل رول ہے۔ مگر خاموش فلم 'پشپک' کے ہیرو کمل ہاسن کو بمبئی میں ایک فلم 'اکیلا' ضرور ملی ہے مگر اس میں وہ ویلن کا رول ادا کرے گا۔

★ گھر میں خالی بیٹھی ساریکا نے اپنے لئے مصروفیت ڈھونڈی ہے۔ اس نے پچھلے دنوں مدراس میں کیرل کے مشہور فلم میکر اَدور گوپال کرشنن کی فلموں کا میلہ منعقد کیا جو بے حد کامیاب رہا۔

★ ۲۸ نومبر کو پرتیک سمیت ببّر کی پہلی سال گرہ منائی گئی جس میں راج ببّر اپنی پہلی بیوی نادرہ ببّر کے دو بچوں گوری اور ردحی کے ساتھ سال گرہ منانے آیا۔ ہیما مالنی اپنی دو بچیوں ایشا اور آہنا کے ساتھ اس تقریب میں شریک ہوئی۔ ان کے علاوہ دپتی نول، نوشاد، گووند نہلانی، امریش پوری اور راج کھوسلہ نے پرتیک کو اپنی دعاؤں سے نوازا۔ اس موقع پر پرتیک کے نانا کی طرف سے اُسے ایک نئی فلیٹ کار سال گرہ کے تحفے پر پیش کی گئی۔ راج ببّر نے پرتیک کے گلے میں سونے کی زنجیر پہنائی۔

★ ایک نوٹس راج ببّر نے دیا تھا۔ پھر ممتاز نے دیا اور اب ایک نوٹس پدمنی کولہاپورے نے اپنے پروڈیوسرز کو دیا ہے کہ وہ اس کا کام اپریل تک مکمل کر لیں، اس کے بعد وہ کسی فلم کی شوٹنگ میں حصہ نہیں لے گی۔ بات اپریل کی ہے، اپریل فول کی نہیں۔ پدمنی نے شادی کر لی ہے اور چاہتی ہے جو بھی دو ایک پرانی فلمیں اٹکی ہوئی ہیں وہ مکمل ہو جائیں تا کہ وہ دوبارہ فلمی میک اپ نہ کرے۔ ویسے پدمنی پروڈیوسر بن گئی ہے۔ فلمیں پروڈیوس کرے گی اور شاید اس الٹی میٹم سے اس کا مطلب بچّے پروڈیوس کرنے کا بھی ہو۔

★ یکم رہ میں لارنس ڈی سوزا نے 'گھاؤ' کے ساتھ ڈائرکشن کے میدان میں قدم رکھا ہے۔ اس فلم کے ستارے ہیں ہیما مالنی، فرح، راج ببّر، گووندا، انوپم کھیر وغیرہ۔

'گھاؤ' کے مہورت پر دلچسپ بات یہ ہوئی کہ مہورت کے لئے ستاروں اور مہمانوں کے موجود ہونے پر بھی مہورت صبح ۹ بجے طے دیئے گئے وقت پر نہیں کیا گیا۔ وجہ یہ ہوئی کہ جیسے ہی مہورت ہونے لگا کسی نے نئے ہدایت کار لارنس ڈی سوزا کے کان میں کہا [illegible] کے حساب سے صبح ۹ بجے سے ساڑھے دس بجے تک کا وقت منحوس ہے۔ ظاہر ہے ایسی حالت میں مہورت کیسے ہوتا۔ مہورت منحوس وقت کے ٹل جانے کے بعد ہی فرح اور گووندا پر لیا گیا۔

★ اسی ماہ ایک [illegible] اہم فلم شروع ہوئی ہے۔ یہ اہم اس لئے ہے کہ کبیر بیدی کی کئی برسوں بعد اس فلم کے ذریعہ ہندوستانی فلموں میں واپسی ہوگی۔

آپ کو یاد ہوگا کہ ہندوستانی فلموں میں مسلسل ناکامی کے بعد کبیر بیدی ایک اطالوی ٹی وی فلم 'سندوکن' کے لئے اٹلی چلا گیا تھا۔ اس کی کامیابی کے بعد اس نے ہالی ووڈ کی کئی فلموں اور ٹی وی ڈراموں میں کام کیا اور اب اتنے عرصے بعد وہ ہندی فلموں میں واپس آ رہا ہے۔ دیکھئے اس بار قسمت کبیر بیدی کا کتنا ساتھ دیتی ہے۔

کبیر بیدی نے دہلی کے سینٹ اسٹیفن کالج میں تعلیم پائی تھی۔ ابھی چند دن پہلے کالج کے سالانہ فنکشن میں بہت سے پرانے طالب علم اکٹھا ہوئے۔ مسافر کی تعلیم بھی اسی کالج میں ہوئی ہے۔ لہٰذا برسوں بعد کبیر بیدی کو کالج میں دیکھ کر مسافر کو خوشی ہوئی۔

کالج کا ماحول تو ایسا نہیں تھا کہ مسافر یہ پوچھے کہ اس نے نئے سال کے لئے کیا ارادے باندھے ہیں، مگر بعد میں بمبئی میں راکیش روشن نے کبیر بیدی کو اپنی فلم میں لینے کے بارے میں بتایا۔

"مجھے اس رول کے لئے ایک ایسے پُرکشش مرد کی ضرورت تھی جسے دیکھتے ہی کوئی بھی عورت اس پر فریفتہ ہو جائے۔ اس کے لئے میں نے بمبئی میں بہت سے نئے لڑکوں کو دیکھا مگر وہ کم عمر تھے۔ مجھے ایک پختہ عمر مرد کی تلاش تھی۔ میں نے اس رول کے لئے ونود کھنہ، جیکی شروف کے بارے میں بھی سوچا مگر خیال آیا کہ شاید یہ اپنے کیریئر کے اس دور میں منفی رول نہ کر سکیں۔ میرے ذہن میں کئی ویلن بھی آئے مگر میں نے سوچا کہ فلم بینوں کو شاید یہ بات پسند نہ آئے کہ ریکھا جیسی اداکارہ کسی ویلن کے پیار میں مبتلا ہو جائے۔ جب ہر طرح سوچ لیا تو آخری فیصلہ کبیر بیدی کے حق میں ہوا۔"

★ ۲۵ دسمبر کو بمبئی کے ہالی ڈے ان ہوٹل میں پروڈیوسر ڈائرکٹر ساون کمار کے اعزاز میں ایک پارٹی ہوئی۔ ساون کمار اٹلی سے آئے ہیں جہاں ایک فلمی میلہ میں ان کی فلم 'پیار کی جیت' کو بہترین فلم اور انہیں بہترین ہدایت کار کا اعزاز ملا ہے۔

ساون کمار نے مسافر کو بتایا کہ اس میلہ میں دنیا بھر کی فلمیں آئی تھیں۔ مقابلہ بہت سخت تھا۔ آخری روز انعامات تقسیم ہونے لگے تو اپنا نام جب کہیں نہ آیا تو بہت مایوسی ہوئی۔ مگر آخر میں جیوری کے صدر سب سے اچھی فلم کا اعلان کرنے کے لئے کھڑے ہوئے تو انہوں نے کہا کہ اس اعزاز کے لئے دو فلموں میں مقابلہ تھا۔ ایک اٹلی کی فلم ہے اور دوسری ہندوستان کی۔ اٹلی کی فلم ہم جنس پرستی پر ہے اور ہندوستان کی فلم میں ایک نیا مسئلہ لیا گیا ہے جو ہندوستان کا نہیں ساری دنیا کا ہے۔ آج ہر ڈاکٹر زیادہ سے زیادہ پیسہ کمانا چاہتا ہے۔ ڈاکٹری کو خدمت کا جذبہ نہیں پیسہ کمانے کا ذریعہ بنا لیا گیا ہے۔ ڈاکٹر چھوٹے شہروں کی بجائے بڑے شہروں میں جانا چاہتے ہیں۔ 'پیار کی جیت' میں یہ مسئلہ بہت خوب صورتی سے لیا گیا ہے۔ یہ دنیا بھر کے ڈاکٹروں کے لئے ایک سبق ہے۔ اس لئے جیوری اتفاق رائے سے بہترین فلم کا اعزاز ہندوستان کی فلم 'پیار کی جیت' کو دینے میں خوشی محسوس کرتی ہے۔

ساون کمار نے مسافر کو بتایا "جب میں نے [illegible] تو مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا اور ایوارڈ لینے کے لئے جب اپنی کرسی سے اسٹیج کی طرف چلا تو ایک ایک قدم من من بھر کا ہو گیا۔ اسٹیج پر بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر خوشی سے الفاظ حلق میں ہی پھنس گئے اور شکریہ کے علاوہ کچھ اور نہ کہہ سکا۔"

ساون کمار نے مسافر کو بتایا کہ اٹلی میں مقیم ہندوستانیوں نے بھی اس خوشی کے اظہار کے لئے ایک پارٹی دی جس میں ہندوستان کے سفیر نے بھی شرکت کی اور ذاتی طور پر مبارک باد دی۔

★ ایک دودھ پیتی بچی جس کا انڈسٹری میں

www.taemeernews.com

● نصیر الدین شاہ اور سری دیوی فلم 'زمین' کی شوٹنگ میں حصہ لیا مگر صرف ایک وگ کی وجہ سے نصیر الدین شاہ نے یہ فلم چھوڑ دی۔

پوری طرح جنم بھی نہیں ہوا آج کل فلمی حلقوں میں مزے لے لے کر ایک سدا بہار ہیرو کے بارے میں کہتی پھر رہی ہے کہ وہ ہیرو اس پر مرمٹے ہیں اور وہ ان کی دوسری بیوی بننے کے لئے ہر دم تیار ہے۔ کوئی اس بچی کو بتائے کہ ایسے فرضی رومانی قصے سنا کر وہ اپنے محسن کے ساتھ زیادتی کر رہی ہے۔ جو ہیرو زاہدہ، زینت امان اور ثمینا نعیم جیسی لڑکیاں فلموں میں لایا، بھلا وہ اس لڑکی کو اتنا موہ بہ کیوں لگانے لگا کہ اس عمر میں شادی کر کے دنیا میں تماشا بنے۔ بچی پبلسٹی کے ایسے ڈھنگ اختیار نہ کرو کہ لوگ مذاق اڑائیں۔ ویسے یہ بچی سانیا ہے اور ہیرو ہے دیو آنند۔ یہ دونوں 'لشکر' میں ساتھ کام کر رہے ہیں۔

★ پچھلے دنوں ایک چھوٹی سی بات سے زمین ہل گئی۔ بات ہے پروڈیوسر سریش ملہوترا اور ہدایت کار رمیش سپی کی نئی فلم 'زمین' کی۔ یوں تو اس زمین میں فلمی زمین کے مشہور ستارے ونود کھنہ، سری دیوی سنجے دت، رجنی کانت کام کر رہے ہیں مگر نصیر الدین شاہ کا بھی اس میں ایک بہت اہم رول ہے۔ آپ جانئے جہاں 'شعلے' کا ڈائریکٹر رمیش سپی ہو اور نیچرل اداکاری کا شاہ نصیر الدین شاہ ہو وہاں عمدہ ہدایت کاری اور عمدہ اداکاری کی امید کی جا سکتی ہے مگر ہوا یہ کہ پچھلے دنوں زمین ہل گئی جب نصیر الدین شاہ نے اس فلم میں کام کرنے سے انکار کر دیا۔ بتایا گیا ہے کہ اس فلم کے لئے سری دیوی کے ساتھ تین چار دن شوٹنگ بھی کی مگر سر پر جو وگ لگائی گئی تھی وہ اختلاف کا باعث بن گئی۔ اداکار کو وگ پسند نہیں آئی اور ہدایت کار نے اسے تبدیل کرنے سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ کہ نصیر الدین نے اس وگ کے ساتھ کام کرنے سے انکار کر دیا۔ ہدایت کار رمیش سپی نے اسی وقت سروپ سمپت کے شوہر پریش راول ('بنتے بگڑتے' کے ہمت بھائی) کو بلایا اور انہیں وہ رول دے دیا۔ دیکھنا یہ ہے کہ پریش راول نصیر الدین شاہ کا نعم البدل ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ ویسے اپنے ہمت بھائی فلموں کے لئے نئے نہیں۔ آپ نے انہیں 'اتر دکھشن'، 'نام'، 'ڈکیت' اور 'ارجن' وغیرہ میں دیکھا ہی ہوگا اور یوں بھی پریش راول پہلے ہی سے اس فلم میں ایک رول کر رہا تھا جو اب دوسرے اداکار پردیپ چودھری کو دیا گیا ہے۔

★ دو مشہور فلم رائٹرز کے بچوں نے فلم ایکٹنگ کے میدان میں قدم رکھا ہے۔ یہ ہیں رائٹر سلیم خاں کا بیٹا سلمان خاں اور جاوید صدیقی کی بیٹی لبنیٰ۔ سلمان خاں کو فلم 'بیوی ہو تو ایسی' میں جوہی چاولہ کے مقابل ہیرو کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ ریکھا، فاروق شیخ، بندو، اسرانی، ستین کپو اور قادر خاں اس فلم کے دیگر اہم ستارے ہیں۔ فلم کی باقاعدہ شوٹنگ ۹ جنوری سے شروع ہو گئی ہے۔ فلم کے ہدایت کار جے بہاری ہیں۔

پروڈیوسر آنند پرکاش کی فلم "پربت کے اُس پار" میں لبنیٰ مشہور ٹی وی سیریل ہم لوگ کے ننھے (ابھینو چترویدی) کے مقابل ہیروئن کا رول ادا کر رہی ہے۔ حال ہی میں اس فلم کی چالیس روزہ شوٹنگ کشمیر کی لولاب وادی میں مکمل کی گئی ہے۔ راکیش بیدی، یونس پرویز، افتار گل اور بھرت کپور اس فلم کے دیگر اہم ستارے ہیں۔ رمن کمار اس فلم کے ہدایت کار ہیں۔

★ محسن خاں کی سالی برکھا رائے کی نئی فلم میں سنی دیول، چنکی پانڈے اور محسن خاں ہیروز کے رول ادا کریں گے۔ ہدایت مکل ایس آنند کی ہوگی۔

● ۱۴ جنوری کو ونود مہرہ نے کرن گرلیوال سے شادی کر لی اور ایک پارٹی دی پہلی تصویر میں ونود مہرہ، کرن، شترو گھن سنہا اور ونود کی ساس اور سسر ہیں اور دوسری تصویر میں ونود مہرہ، کرن مہرہ ونود کھنہ سے مبارک باد وصول کر رہے ہیں۔

www.taemeernews.com

★ اداکارہ دیویا رانا راج کپور کی بہو نہ بن سکی تو کیا ہوا۔ اسے بہو بنانے والوں کی کمی نہیں — وہ خوب صورت ہے، کم سن ہے، پڑھی لکھی ہے اور بہت ہی مالدار باپ کی بیٹی ہے۔ ۲۲ دسمبر کو دیویا رانا کی منگنی ایک امیر نوجوان محمد فضل سے ہوگئی۔ شادی جلد ہی ہونے والی ہے۔

★ سنجے دت اور رچا دت جلد ہی والدین بننے والے ہیں۔

★ سدھارتھ کاک نے حال ہی میں فلم ڈویژن کے لئے راج کپور کے فن اور زندگی پر، منٹ کی ایک ڈاکومینٹری فلم تیار کی ہے۔

★ امریکہ کی فیڈریشن آف انڈین ایسوسی ایشن نے اس سال امریکہ میں یوم جمہوریہ کی تقریبات میں مہمان خصوصی کے طور پر دیو آنند کو مدعو کیا ہے۔

★ 'انصاف' والے نیتن من موہن جس نے کچھ دن پہلے ونود کھنہ کے ساتھ اپنی نئی فلم 'فیصلہ' شروع کی تھی اب شتروگھن سنہا، سنجے دت، انیتا راج، ہریش دگرا، اسرانی اور شکتی کپور کے ساتھ دوسری فلم بنا رہا ہے جس کے ہدایت کار عزیز سیجوال ہیں۔

★ ۱۴ جنوری کو اداکار ونود مہرہ نے کرن گرلوال سے شادی کرلی۔ ونود مہرہ کی یہ چوتھی شادی ہے۔

سابقہ اداکارہ بیگم پارہ ان دنوں سخت بیمار ہیں اور ہسپتال میں ہیں۔

● موسیقار این دتّہ کا ۳۰ دسمبر کو بمبئی میں انتقال ہوگیا۔ این دتّہ نے جن کا پورا نام دتّہ رام بابو راؤ نائیک تھا نے اپنا فلمی کیریئر موسیقار غلام حیدر اور بعد میں ایس ڈی برمن کے اسسٹنٹ کے طور پر شروع کیا تھا بحیثیت جی پی سپی کی فلم 'میرین ڈرائیو' این دتّہ کی پہلی فلم تھی۔ 'ملاپ'، 'دھرم پتر'، 'دھول کا پھول'، 'سادھنا'، 'چندر کانتا'، 'شری منجی ۴۲۰'، 'مسٹر ایکس'، 'لائٹ ہاؤس'، اور 'بھائی بہن' این دتّہ کی چند کامیاب ترین فلمیں ہیں۔ این دتّہ نے تقریباً ۷۰ ہندی اور مراٹھی فلموں میں موسیقی دی تھی۔

● مشہور کریکٹر ایکٹر اور نرگس مرحومہ کے بڑے بھائی انور حسین کا ۲ جنوری کو بمبئی میں طویل بیماری کے بعد انتقال ہوگیا۔ انور حسین ۲۰ مارچ ۱۹۲۰ میں بنارس میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کا فلم کریئر چائلڈ آرٹسٹ کے طور پر شروع ہوا تھا بعد میں یہ فلموں کے مشہور ولین ثابت ہوئے۔ مرحوم انور حسین نے اپنے بڑے بھائی اختر حسین کے اشتراک سے دو فلمیں بھی پروڈیوس کی تھیں۔ پہلی فلم 'دروغہ جی' تھی جس میں ان کی بہن نرگس اور اجے راج نے کام کیا تھا دوسری فلم 'بے وفا' تھی جس میں نرگس کے ساتھ راج کپور اور اشوک کمار نے ہیروز کے رول ادا کئے تھے۔

'ہم لوگ'، 'سنجوگ'، 'بیٹھے آپ'، 'اب دلی دور نہیں'، 'نیا آدمی'، 'گنگا جمنا'، 'ننھا فرشتہ'، 'رات اور دن' اور 'ہیرا' انور حسین کی چند کامیاب ترین فلمیں ہیں۔ ان کی آخری ریلیز ہونے والی فلم 'راکی' تھی جس میں ان کے بھانجے سنجے دت کو ہیرو کے طور پر پہلی بار متعارف کرایا گیا تھا اور پہلی بار انور حسین نے اپنے بہنوئی سنیل دت کی ڈائرکشن میں کام کیا تھا۔

● مزاحیہ اداکار پولسن کا ۴ جنوری کو انتقال ہوگیا

● اداکارہ لیلا مصرا کا ۱۸ جنوری کو انتقال ہوگیا۔ ●●

پیغامات

آپ کو اپنے بیٹے یا بیٹی کے لئے دلہن کی تلاش ہو یا دولہا کی یا اپنے لئے خود شریک زندگی تلاش کرنا ہو "شمع" کے ذریعے اپنا پیغام دنیا بھر میں پہنچائیے اور بہترین رشتہ تلاش کر لیجئے۔ اس خدمت کے لئے ہم آپ کے مختصر پیغام کی اجرت "شمع" کے ایک کالم کی دس سطروں کے لئے صرف دو سو پچاس روپے لیں گے۔ اس سے زیادہ مضمون ہوا تو فی سطر پچیس روپے زائد۔ رازداری اور سہولت کے خیال سے آپ چاہیں تو ایسے تمام خطوط ماہنامہ شمع آصف علی روڈ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲ کی معرفت بھی منگا سکتے ہیں۔ ہر اشتہار دینے والے کو ہم اپنے خرچ پر ایک بکس الاٹ کریں گے۔ جس میں اُن کی تمام ڈاک رکھی جائے گی اور پیغام کی اشاعت کے دو ماہ بعد تک ہر ہفتہ جتنے خط اس بکس میں جمع ہو جائیں گے وہ اکٹھا کرکے اپنے خرچ پر رجسٹری ڈاک سے پیغام شائع کرانے والوں کو بھجوا دیں گے۔ غیر ملکی پروانوں سے اجرت چار سو روپے لی جائے گی۔ کیوں کہ ڈاک خرچ وغیرہ زیادہ صرف ہوتا ہے۔ پیغام کے ساتھ فوٹو بھی چھپوانا ہو تو مزید ایک سو روپے بھجوائیں۔

آج ہی پیغام کے مضمون کے ساتھ پوری اجرت کے منی آرڈر کی ڈاک خانہ سے ملنے والی رسید یا بینک ڈرافٹ بھجوائیں۔ غیر ملکی پروانے ڈرافٹ کسی بینک سے لیں۔ ایکسچینج کمپنیوں یا دوسری ایکسچینج کمپنیوں کے ڈرافٹ تجارتی مقاصد کے لئے قبول نہیں کئے جاتے۔ اشاعت کے لئے پیغامات اور اجرت بھیجنے کا پتہ: SHAMA MAGAZINE, ASAF ALI ROAD, NEW DELHI-110 002

★ ۳۶ سالہ خوب صورت، اسمارٹ، سنّی مسلم کشمیری (پاکستانی شہریت) تیئیس ہزار (۲۳۰۰۰) روپے ماہانہ تنخواہ، اعلیٰ ملازمت، سعودی عرب میں خوب صورت اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکی سے شادی کا خواہش مند ہے۔ لڑکی اگر لیڈی ڈاکٹر یا فارماسسٹ ہو تو زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہاں سروس کے بھی مواقع ہیں۔ عقیدہ یا مذہب کی کوئی قید نہیں۔ سرپرست یا خود مختار لڑکیاں پہلے ہی مکمل کوائف تصویر کے ساتھ لکھیں۔ انڈین مسلم / غیر مسلم غریب فیملی سے بھی قابل قبول۔

MRS. HAYAT
P.O. BOX NO. 40172, RIYADH-11499 (K.S.A.)

★ فرقہ اور ذات پات کے بندھنوں سے آزاد، روشن خیال مسلمان گریجویٹ، عمر بیالیس سال، عرصہ سولہ سال سے ناروے میں مقیم، نارویجین نیشنلٹی کے حامل، طلاق یافتہ کے لئے کنواری، بیوہ یا خلع یافتہ قبول صورت اور پڑھی لکھی لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ لین دین اور جہیز بالکل نہیں۔ حالیہ فوٹو کے ساتھ اردو یا انگلش میں خط و کتابت کریں۔

BOX 836 C/o SHAMA MAGAZINE, ASAF ALI ROAD, NEW DELHI-110 002

★ تیس سالہ خوب رو، قد پانچ فٹ ۹ انچ، سید سنّی، تعلیم یافتہ اکاؤنٹنٹ (کامرس ڈپلوما ہولڈر بمبئی) جس کا ذاتی کاروبار ابوظہبی (امارات) میں ہے اور فلیٹ بمبئی میں ہے، کے لئے ایک نہایت حسین و جمیل اور صاف رنگ کی حامل نیک سیرت اور امور خانہ داری سے واقف دوشیزہ سے رشتہ مطلوب ہے۔ سید خاندان اور دیگر باوقار مہذب گھرانوں کو فوقیت دی جائے گی۔ جہیز میں فرسودہ باتوں کا قطعی طالب نہیں۔ لڑکی کا از حد خوب صورت ہونا شرط ہے۔ فوری شادی کے خواہاں سرپرست لڑکی کی فل سائز تصویر (رنگین) مع دیگر کوائف کے ساتھ بھیجیں۔

BOX 837 C/o SHAMA MAGAZINE, ASAF ALI ROAD, NEW DELHI-110 002

ضروری اطلاع: شمع میں شائع ہونے والے پیغامات کے وہ جواب جو بکس نمبر کے پتہ پر ہمیں ملتے ہیں، کھولے بغیر ہی پیغام شائع کرانے والوں کو بھیج دیئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد خط و کتابت براہ راست کرنا چاہئے۔ بکس نمبر کے پتہ پر رجسٹری نہ بھیجئے۔ ہم اس خدمت میں رجسٹری خطوط قبول نہیں کرتے۔ پیغام شائع کرانے والوں یا اُن کے جواب بھیجنے والوں کے سلسلے میں ہم کوئی ذمہ داری قبول نہیں کر سکتے۔ رشتہ طے کرتے وقت طرفین ایک دوسرے کے بارے میں خود ہی معلومات حاصل کرکے اطمینان کر لیں۔
——— مدیران

www.taemeernews.com

پڑوس کی بارش

فلم ساز و ہدایت کار
علی سفیان آفاقی
لاہور سے
لکھتے ہیں

پاکستان میں غیر ملکی اداکاروں کو کاسٹ کرنے کا رواج اس وقت شروع ہوا تھا جب دوسرے ملکوں کے ساتھ مشترکہ فلم سازی کا سلسلہ شروع ہوا۔ سری لنکا، بنگلہ دیش اور نیپال کے فن کاروں نے پاکستانی فلموں میں کام کیا اور اس طرح انہیں اُردو زبان اور پاکستانی فلمی صنعت کے کارکنوں سے واقفیت ہوئی۔ بعض فن کاروں کو اُردو کے استعمال میں ذرا بھی مشکل پیش نہیں آئی کیوں کہ نیپال اور بنگلہ دیش میں نہ صرف ایک بہت بڑا طبقہ اُردو جانتا ہے بلکہ وہاں بھارتی فلموں کی طرز اور بھارت کے شہروں میں ان کی آمد ورفت کی وجہ سے ہندی (جو اُردو ہی کی طرح ہوتی ہے) وہاں عام طور پر بولی اور سمجھی جاتی ہے اس لئے نیپال اور بنگلہ دیش کے بعض فن کار فر فر اردو بولتے ہوئے آئے اور بہت جلد مقامی فلمی کارکنوں اور اداکاروں کے ساتھ گھل مل گئے۔ مثلاً دو سال قبل جب نیپال کی فن کارہ سُشما شاہی ایک مشترکہ فلم سازی کے تحت بننے والی فلم کی شوٹنگ کے لئے لاہور آئیں اور میں نے ان سے انگریزی میں بات کی تو انہوں نے نہایت شستہ اُردو میں جواب دے کر مجھے حیران کر دیا۔ اس کا سبب انہوں نے بتایا کہ وہ بھارتی فلمیں دیکھتی رہتی ہیں اور ان کے رشتے دار بھی دارجلنگ میں رہتے ہیں جن سے ملنے کے لئے وہ اکثر چھٹیاں گزارنے کے لئے دارجلنگ جاتی رہیں اور ان کی بہنیں دارجلنگ میں پڑھتی ہیں۔ سشما کا لب و لہجہ بھی نہایت عمدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈانسنگ کرداروں سے ترقی کر کے وہ بہت جلد اداکاری کرنے لگیں۔ یہاں تک کہ فلموں کی ہیروئین بن گئیں نہ صرف اردو بلکہ اب تو وہ پنجابی فلموں میں بھی کام کر رہی ہیں اور ان کی شمولیت محض مشترکہ فلم سازی کے تحت بننے والی فلموں تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ وہ پاکستان میں بننے والی خالص پاکستانی فلموں میں بھی کاسٹ کی جا رہی ہیں۔ ایک کام یاب پاکستانی ہدایت کار سے ان کی شادی کے بارے میں افواہیں بھی گرم ہوئیں جن کی فریقین نے پُرزور تردید کر دی۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ فلم والوں کی تو وہی بات ہے کہ ؎

میری ہاں کو ہاں نہ سمجھو
میری ناں کو ناں نہ جانو

کہتے کچھ ہیں کرتے کچھ ہیں۔ نتیجہ کچھ برآمد ہوتا ہے بہرحال فی الحال ان کی شادی نہیں ہوئی ہے۔ ہو جائے تو کوئی حیرانی کی بات نہ ہوگی۔ البتہ یہ ضرور ہوا ہے کہ پاکستانی فلموں میں اپنی بے انتہا مصروفیت کی بنا پر اب وہ نیپال چھوڑ کر مستقل طور پر لاہور میں رہائش پذیر ہو رہی ہیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے اب ہوٹلوں میں قیام ترک کر دیا ہے اور ایک بنگلے میں منتقل ہو گئی ہیں۔ سشما کے علاوہ ایک اور مقبول غیر ملکی اداکارہ سری لنکا کی سبیتا ہیں۔ جو کئی پاکستانی فلموں میں بھی کام کر چکی ہیں لیکن انہوں نے پاکستان میں رہنے کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔ تیسرے نمبر پر ترکی کی نازان سانچی ہیں۔ وہ اب تک نصف درجن سے زائد پاکستانی فلموں میں کام کر چکی ہیں اور ان دنوں بھی ہدایت کار عزیز الحسن اور فلم ساز ظفر اللہ خاں کی فلم "خون کی بارش" میں کام کرنے کے لئے لاہور آئی ہوئی ہیں۔ بنگلہ دیش کی شبانہ، ببیتا، شبنما، روزی، انجنا، نوتن بھی کئی کئی فلموں میں کام کر چکی ہیں مگر وہ اپنے ملک کی فلموں میں بھی بہت زیادہ مصروف ہیں۔

اس لئے پاکستان میں مستقل طور پر رہنے کے بارے میں نہیں سوچتیں نیپالی اداکار شیوا کا بھی یہی حال ہے۔ وہ کوریو ڈگشنز کے علاوہ مقامی فلموں میں بھی کام کر رہے ہیں یہاں تک کہ پنجابی فلموں میں بھی جلوہ گر ہو رہے ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے پاکستان کا شہری بننے کا فیصلہ نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کچھ عرصے بعد وہ بھی یہیں کے باسی ہو جائیں۔

ایک طرف غیر ملکی فن کار پاکستان میں آشیانے بنا رہے ہیں اور دوسری طرف بعض پاکستانی فن کار بھارت پرواز کرنے کے لئے پر تول رہے ہیں۔ سلمیٰ آغا تو خیر برٹش نیشنل ہیں۔ وہ دونوں ملکوں میں کام کرنے کے لئے آزاد ہیں۔ مگر ان کے شوہر جاوید شیخ بھی بھارتی فلموں میں کام کرنے کے خواہش مند ہیں اور اکثر اخباری انٹرویوز میں بھارتی فلموں میں کام کرنے کے فوائد بیان کر چکے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ پاکستان پہنچ کر وہ اور سلمیٰ دونوں بھارتی انٹرویوز اور بیانات سے مکر جاتے ہیں۔ محسن خاں پہلے ہی بھارت کو پیارے ہو چکے ہیں لیکن پچھلے دنوں بابرہ شریف نے بھی ایک بھارتی فلم ساز اروڑہ کی فلم "راستہ" کے لئے بھارت جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ وہ اس فلم میں ایک اہم اداکار کے مقابل کردار کرنے والی تھیں لیکن حکومت پاکستان سے بھارت کے لئے اجازت نامہ حاصل کئے بغیر جب پچھلے دنوں انہوں نے فلم ساز و ہدایت کارہ شمیم آرا کی فلم "لیڈی کمانڈو" کی شوٹنگ سے فارغ ہونے کے بعد منیلا سے بمبئی جانے کا پروگرام بنایا تو اس کی بھنک حکومت کے کانوں میں بھی پڑ گئی اور انہیں عین وقت پر امیگریشن کے حکام نے کراچی ایرپورٹ پر روک لیا۔ یونٹ منیلا میں منتظر تھا اور وہ کراچی اور اسلام آباد میں حکام کو یقین دلا رہی تھیں کہ اجازت نامہ کے حصول کے بغیر وہ بمبئی جا کر بھارتی فلم میں کام کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتیں اور وہ بھارت محض اجمیر شریف کی زیارت کی غرض سے جا رہی تھیں۔ بہرحال قریب ایک ہفتے کی تاخیر سے وہ منیلا روانہ ہو گئیں اور شمیم آرا کی جان میں جان آئی۔ اب منیلا میں "لیڈی کمانڈو" کی فلم بندی پورے زور شور سے جاری ہے اور شمیم آرا یہ فلم مکمل ہونے کے بعد ہی جنوری ۱۹۸۸ میں واپس آئیں گی۔

کمال ایک زمانے میں پاکستان کے مقبول اور شوخ و شریر ہیرو سمجھے جاتے تھے زیبا، رانی، شمیم آرا، دیبا، مسرت نذیر، صبیحہ سب ہی کے ساتھ ہیرو کے طور پر کام کر چکے ہیں۔ بعد میں فلم ساز اور ہدایت کار بن گئے، لیکن اب کافی عرصے سے فلموں سے دُور ہیں۔ گزشتہ سال انہوں نے سیاسی لیڈروں اور سیاسی حالات سے متاثر ہو کر ایک فلم "سیاست" بنائی تھی یہ ایک اچھی موضوعاتی فلم تھی لیکن کام یاب نہ ہو سکی۔ کمال وہی اداکار ہیں جو ۱۹۵۶ میں پہلی بار انڈیا سے ایک فلم "ٹھنڈی سڑک" میں کام کرنے آئے تھے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ میرٹھ میں تعلیم حاصل کی۔ فلموں کا شوق بلکہ جنون تھا۔ بی اے پاس کرتے ہی بمبئی پہنچ گئے ان کی شکل و شباہت راج کپور کی طرح تھی۔ چنانچہ شری ۴۲۰ والے راج کپور کے گیٹ اپ میں ایک تصویر بنوائی اور فلم فیئر میں چھپوا دی۔ ان کا بیان ہے کہ ایک اسٹوڈیو میں نرگس بھی انہیں دیکھ کر دھوکہ کھا گئی تھیں۔ ہدایت کار محبوب صاحب سے بھی ملے اور بمبئی میں نگار خانوں کی خاصی خاک چھانی مگر کام یابی نصیب نہ ہوئی مگر پاکستان میں وہ بہت مقبول و محبوب ہوئے۔ کمال سے پچھلے دنوں ملاقات ہوئی تو پوچھا کہ بھئی آپ ماشاء اللہ خوب رو، صحت مند اور چاق و چوبند ہیں۔ فلموں میں کیوں کام نہیں کرتے؟ بولے "پاکستانی فلموں میں اب ہیرو کی ضرورت نہیں رہی ہے کیوں کہ اب تمام فلموں میں مرکزی کردار ہیرو کی بجائے ہیروئن ہی ادا کر رہی ہیں۔ پہلے فلموں میں ہیروئن گانے گاتی تھی یا گھر میں بیٹھ کر ہیرو کا انتظار کیا کرتی تھیں مگر اب وہ کلاشنکوف اور سٹین گن لئے میدانوں اور گلی کا پیڑوں میں گھومتی نظر آتی ہے۔ اس لئے میں نے تو دوبارہ فلمی دنیا میں واپس آنے کا خیال دل سے نکال ہی دیا ہے۔" پوچھا "آپ نے اتنی شہرت، عزت اور کام یابی حاصل کی۔ کیا اپنی اولاد کو فلمی صنعت سے وابستہ ہونے کی اجازت دیں گے۔" کہنے لگے "آج کل کی اولاد اجازت کی محتاج نہیں ہوتی اور اگر ان کی خواہش ہوئی تو میں ہرگز راستے میں حائل نہیں ہوں گا۔"

www.taemeernews.com

کمال کی بات کسی حد تک درست بھی ہے۔

پاکستان میں پچھلے ایک ڈیڑھ سال سے نئی رو آئی ہے اور ہیروئنیں انتہائی دیرانہ اور مردانہ جان جوکھوں کے کام کرتی نظر آتی ہیں۔ ہر وہ کام جو ہیرو کرتا تھا اب ہیروئن کر رہی ہے۔ بندوقیں چلا رہی ہے۔ ہوائی جہاز اُڑا رہی ہے۔ بیلی کاپٹروں سے لٹکی ہوئی ہے۔ قتل و غارت میں بھی کم نہیں ہیں۔ شمیم آرا کی پچھلی فلم "لیڈی سمگلر" میں بابرہ شریف، ببیتا، اور سبیتا نے مل کر اتنے آدمی مارے تھے کہ کسی چھوٹی موٹی جنگ میں بھی اتنے لوگ ہلاک نہیں ہوتے۔ اس ضمن میں بھارتی ہیروئین بے چاری قابلِ رحم ہے۔ اس کا کام فلموں میں برائے نام ہی ہوتا ہے۔ محض ڈیکوریشن پیس ہے اور گانوں اور ناچ کے سلسلے میں اس کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔ دیکھئے اب بھارتی ہیروئن کے ہاتھ میں کب کلاشنکوف آتی ہے؟ اس سلسلے میں پاکستانی ہیروئن اپنی ہمسایہ بہن پر فوقیت لے گئی ہے۔ یہ ماننا پڑے گا۔

لاہور میں آئندہ چند ہفتوں میں چار اور سینما گھر مسمار کر دئے جائیں گے۔ کراچی اور ملک کے دوسرے شہروں میں بھی سینما گھروں کے ساتھ یہی سلوک کیا جا رہا ہے اور ان کی جگہ شاپنگ سینٹر اور پلازا تعمیر کئے جا رہے ہیں۔ فلم سازوں اور تقسیم کاروں کو اس رجحان پر تشویش ہے اور ان کا کہنا ہے کہ جس جگہ سینما مسمار کیا جائے وہاں کم از کم ایک 'منی سینما' بنانے کی پابندی ضرور عائد کی جائے۔ بعض لوگوں نے ایک ایک کنال زمین پر چھوٹے سینما بنانے کی تجویز بھی پیش کی ہے۔ مغرب کے ملکوں میں یہی ہو رہا ہے۔ بھارت اور پاکستان میں بھی اس مسئلے کا یہی حل ہے۔ ایک طرف ویڈیو نے آفت ڈھائی ہوئی ہے۔ تو دوسری طرف سینما گھر بے موت مر رہے ہیں۔ دونوں ملکوں کی حکومتوں کو اس بارے میں کوئی پریشانی نہیں ہے اور اتنی بڑی صنعت کو تباہی سے بچانے کے لئے کوئی مثبت اور موثر اقدام نہیں کیا جا رہا۔ اس رفتار سے تو آئندہ چند سالوں میں سینما گھروں کی تعداد ایک چوتھائی سے بھی کم رہ جائے گی۔

لاہور کے فلمی نگار خانے ان دنوں زیادہ پُر رونق نہیں ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ بیشتر ممتاز فن کار شوٹنگ کے سلسلے میں ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ لاہور میں یوں تو ہر نگار خانہ اوور ٹائم کرتا ہے لیکن دو موسم ایسے ہوتے ہیں جب فلم بندی کی رفتار کم ہو جاتی ہے۔ ایک وہ جب مختلف فلم یونٹوں کے ساتھ فن کار پاکستان سے باہر چلے جاتے ہیں اور دوسرا موسم گرما۔ اس موسم میں یہ تو حقیقت ہے کہ آسمان سے آگ برستی ہے اور پنجابی فلموں میں کام کرنے والے سخت جان اور مشکل پسند فن کار بھی مسلسل شوٹنگ کے بعد ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور دو ماہ کے لئے کسی شوٹنگ کے سلسلے میں یا پھر چھٹی منانے کی غرض سے یورپ امریکہ کی راہ لیتے ہیں۔ اگر وہ پاکستان میں مقیم رہیں تو فلم ساز انہیں چین سے نہ بیٹھنے دیں۔ ہزار ناں ناں کرنے پر بھی کوئی لالچ، کوئی لحاظ، کوئی مروّت سامنے آ جاتا ہے اور انہیں آرام کرنے کا موقعہ نہیں ملتا۔ لاہور پاکستان میں فلمی سرگرمیوں کا مرکز ہے اور یہاں کی گرمی قیامت خیز سمجھی جاتی ہے۔ ایک زمانہ تھا جب بیرونی ملکوں میں شوٹنگ کرنے کا اتنا رجحان نہیں تھا تو فلم ساز کراچی اور مری اور ایبٹ آباد میں آوٹ ڈور شوٹنگ کے پروگرام مرتب کر لیا کرتے تھے۔

اب معلوم ہوا ہے کہ نیفڈیک (نیشنل فلم ڈیولپمینٹ کارپوریشن) اپنے ایک پرانے منصوبے کو جھاڑ پونچھ کر نکال رہا ہے اور بہت جلد اس پر عمل درآمد شروع ہو جائے گا۔ منصوبہ یہ ہے کہ اسلام آباد کے آس پاس ایک بہت اچھا فلم اسٹوڈیو بنایا جائے۔ یہ اسٹوڈیو گرمیوں میں آوٹ ڈور شوٹنگ کی سہولتیں فراہم کرے گا اور موسم سرما میں اِن ڈور شوٹنگ ممکن ہو سکے گی۔ اس طرح فلم سازوں میں موسم کی سختیوں کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ پیدا ہو جائے گا اور بہت سے فلم یونٹ اور اداکار اسلام آباد کے آس پاس ہی اپنا بیشتر کام مکمل کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ اس طرح فلم سازوں کو ممتاز فن کاروں کی ڈیٹس کے سلسلے میں بھی آسانی ہو جائے گی۔ نیفڈیک کا ایک عمدہ منصوبہ ایک اعلیٰ پیمانے کی فلم اکیڈمی کا قیام بھی ہے۔ کچھ عرصہ قبل فرانس اور چیکوسلواکیہ کے تعاون سے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے سلسلے میں ابتدائی انتظامات کئے گئے تھے اور ان دونوں ملکوں کے فلمی وفود پاکستان کے دورے پر بھی آئے تھے۔ لیکن بعد میں بوجوہ اس سلسلے میں پیش رفت نہ ہو سکی۔ اب حکومت ایک بار پھر سنجیدگی سے اس اہم منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے سلسلے میں غور کر رہی ہے۔ یہ فلم اکیڈمی بھی اسلام آباد کے گرد و نواح میں قائم کی جائے گی۔

اداکارہ رانی نے کرکٹر سرفراز نواز کے ساتھ شادی کرنے کے بعد فلمی دنیا چھوڑنے کا اعلان کیا تھا اور رفتہ رفتہ انہوں نے اپنی زیرِ تکمیل فلموں کے ختم ہونے کے بعد واقعی فلموں کی رنگین اور خواب آلود دنیا چھوڑ کر گھریلو خاتون کا کردار اپنا لیا۔ ان کے شوہر پنجاب صوبائی انتخابات میں کھڑے ہوئے تو رانی نے بھی زور شور سے انتخابی مہم میں حصہ لیا اور سرفراز نواز کی کامیابی میں رانی کی سحر انگیز شخصیت اور کاوشوں کا بھی نمایاں حصہ ہے جس کا اعتراف ان کے شوہر کو بھی ہے۔ رانی کو فلموں میں دوبارہ لانے کے لئے بہت سی ترغیب انگیز کوششیں کی گئیں مگر انہوں نے رغبت کا اظہار نہیں کیا۔ ہاں پچھلے دنوں انہوں نے ایک مقصدی فلم بنانے کا اعلان ضرور کیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ اگر کوئی فلم ساز آرٹ فلم بنائے گا تو وہ اس کے ساتھ تعاون کریں گی۔ انہوں نے فلاحی ادارے قائم کرنے کا ارادہ بھی ظاہر کیا تھا لیکن اب تک ان میں سے کسی منصوبے پر عمل شروع نہیں کیا۔ پچھلے دنوں ایک محفل میں انہیں دیکھا تو یقین نہیں آیا۔ گزرے ہوئے ماہ و سال نے ان کو ذرا بھی متاثر نہیں کیا ہے اور وہ پہلے ہی طرح شگفتہ، شاداب اور دلکش ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ایک ٹی وی سیریل میں انہیں 'رضیہ سلطانہ' کا تاریخی کردار ادا کرنے کی پیش کش کی گئی ہے اور وہ اس بارے میں سنجیدگی سے سوچ رہی ہیں۔

اگر یہ 'بیل منڈھے' چڑھ گئی تو ناظرین ایک طویل عرصے کے بعد اپنی مقبول فن کارہ کو ایک نامور تاریخی ہیروئن کے کردار میں دیکھ سکیں گے۔ رانی کے لئے یہ کردار انگوٹھی میں نگینے کی طرح عین مناسب ہے۔

فلمی فن کاروں کی شادی، طلاق، علیحدگی، منگنی، بچوں کی پیدائش، رومانس غرضیکہ سبھی باتیں پردۂ راز میں رہتی ہیں۔ جس بات کی تردید کرتے ہیں وہی بعد میں درست ثابت ہوتی ہیں۔ جن کا اعلان کرتے ہیں وہ کبھی پروان نہیں چڑھتیں۔ عموماً اکثر خبریں بعد میں صحیح نکلتی ہیں مثلاً ہدایت کار و فلم ساز شمیم آرا پہلے دبیر الحسن کے ساتھ اپنی شادی کے بارے میں تردید کر رہی تھیں۔ لیکن بعد میں یہ شادی ہو گئی۔ اب یہ جوڑا فلم سازی اور تقسیم کاری میں دوش بدوش ہے۔ پنجابی فلموں کی مقبول ہیروئن انجمن شادی کے بارے میں انکار کرتی رہیں لیکن پھر بڑی دھوم دھام سے ان کی شادی ہوئی اور پھر کافی عرصے تک مختلف خبریں آتی رہیں۔ وہ ہنی مون منانے گئیں مگر اسے نامکمل چھوڑ کر ہی واپس آ گئیں کیوں کہ خیر سے ان کا پیر بھاری ہو گیا تھا۔ پھر سنا کہ بچے کی پیدائش اکتوبر، نومبر میں ہو گی۔ اس کے بعد انجمن کے شوہر مبین ملک کے حوالے سے تو بہت خبریں آئیں۔ مگر بچے کی پیدائش کے سلسلے میں کوئی اطلاع نہیں مل سکی۔ انجمن بذاتِ خود آج کل روپوش ہیں اس لئے افواہوں کے سوا ان کے بارے میں کوئی مصدقہ خبر نہیں مل سکتی۔ گھر والے بھی ان کے بارے میں پُراسرار قسم کے بیانات دیتے رہتے ہیں۔ پچھلے دنوں سنا ہے کہ نومبر میں انہوں نے ایک بچی کو جنم دیا ہے اس خبر کی تصدیق نہیں ہو سکی ہے۔ گھر والوں نے اس کی تردید کر دی۔ ہسپتالوں سے رجوع کیا گیا مگر یہ راز فاش نہ ہو سکا۔ کوئی کہتا ہے کہ انہوں نے فرضی نام سے بچی کو جنم دیا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو چھپانے کی کیا ضرورت ہے؟ یا ہو سکتا ہے اس میں بھی کوئی فن کارانہ مصلحت ہو!؟؟!

www.taemeernews.com

ایک خط
باتیں راز کی

ماضی اور حال کے جھروکوں سے فلم انڈسٹری کی ایک ماہانہ جھلک

راز داں، ایم اے

شمع کے عزیز پروانو!

زندگی کے کئی رنگ ہیں اور وقت کی کتنی ہی شکلیں! - زندگی کے خوب صورت لمحوں میں وقت، آدمی کو خوب نوازتا ہے....... اور یہی وقت، آدمی کے برے ایام میں سنگدل بن جاتا ہے۔ وقت رحم دل بھی ہے اور ظالم بھی۔ ساحر لدھیانوی نے اس فلسفے کو بہت سوچ سمجھ کر ایک فلمی گیت میں کہا تھا:

آدمی کو چاہئے وقت سے ڈر کر رہے
کون جانے کس گھڑی وقت کا بدلے مزاج

راجیش کھنہ کے عروج کا زمانہ سب کو یاد ہوگا۔ سات سال کی لڑکی سے لے کر ستر سال کی بڑھیا تک نے اس سے پیار کیا، اس کی فلموں کو سراہا۔ لوگوں کو اس کی ہر ادا اچھی لگی۔ اس کی ہر نقل و حرکت، شہرت کے میدان میں اسے کہیں سے کہیں لے گئی۔ اس کے نیک کاموں کی تعریف کی گئی۔ وہ آگے بڑھتا گیا۔ خوش قسمتی اس کے ساتھ تھی اور وقت اس کا ساتھ دے رہا تھا لوگوں نے اس کے گناہ تک بھی معاف کر دئے تھے مگر وقت کسی کو نہیں بخشتا۔ وہ آدمی کو صرف تھوڑی سی ڈھیل دیتا ہے...... یہ دیکھنے کے لئے کہ دیکھیں، بدمزاجی اور بدمستی میں بندہ کہاں تک بہکتا ہے؟

یہ ایک حقیقت ہے کہ راجیش کھنہ جہاں کامیابی کے ساتھ ساتھ بہتوں کے کام آیا، وہاں وہ بہکا بھی اس حد تک کہ ایک دن وقت نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس کی فلمیں فیل ہونے لگیں۔ لوگ جن دل رُبا اداؤں پر جان دیتے تھے، انھیں بھونڈا اقرار دیا گیا۔ پروڈیوسر اسے چھوڑتے گئے اور شام کے ساتھی بھی اس سے دُور ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ ایک روز اس کی بیگم ڈمپل بھی بچوں سمیت الگ ہو گئی۔ راجیش کھنہ نے تقدیر کے اس سارے الٹ پھیر کا کیا تجزیہ کیا، یہ تو میں نہیں جانتا مگر مجھے معلوم ہے کہ دوسروں کے اصلی رنگ کی پہچان اسے ہو نہ ہو لیکن اپنی ذاتی اصلیت کی پہچان اسے زندگی کے ہر دور میں رہی ہے۔ اس زوالی دور میں، مجھے یقین ہے، اس نے جب جب اکیلے میں خود سے کچھ سوال پوچھے ہوں گے، ان کا جواب اسے ان سوالوں ہی میں مل گیا ہوگا!

کئی فلمی اتار چڑھاؤ سے گزر کر، راجیش کھنہ ایک پروڈیوسر اور ایکٹر کے طور پر ایک نئی زندگی شروع کر رہا ہے۔ اس کی ذاتی فلم "جے شو شنکر" کی شوٹنگ شروع ہو چکی ہے۔ ڈمپل اس فلم کی کاسٹ میں تو شامل ہے لیکن اس کی زندگی میں شامل ہوگی یا نہیں، یہ صرف وہ دونوں ہی جانتے ہیں۔ باندرہ کے کارٹر روڈ پر واقع، راجیش کھنہ کا بنگلہ آشیرواد جہاں برسوں جام کھنکے، دل لوٹے، محفلیں سجیں، قدم اکھڑے........ آج کل پھر ایک نئی ترتیب لے رہا ہے۔ آؤ دیکھیں کہ خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کو اپنی ایک ذاتی فتح سمجھنے والا، یہ بھٹکا ہوا فنکار، اس بنگلے کی نئی کروٹ میں وقت کے رحم دل ہاتھوں سے کہاں تک آشیرواد حاصل کرتا ہے۔

کئی سال کے بعد رُوپ تارا اسٹوڈیو جانے کا اتفاق ہوا۔ دادر کا یہ اسٹوڈیو، ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ نرگس کی ماں جدّن بائی کی ذاتی فلم کمپنی کی فلمیں پیار کی راہیں وغیرہ، سب اسی اسٹوڈیو میں بنیں۔ کے آصف کی فلم ہلچل (ڈائرکٹر ایس، کے، اوجھا) کی شوٹنگ بھی یہیں ہوا کرتی تھی۔ ہلچل میں بلراج ساہنی، ایک جیلر کا رول کر رہے تھے مگر بمبئی پولیس کی ایک لاری شوٹنگ کے لئے انہیں اسٹوڈیو چھوڑنے کے لئے آتی تھی اور شام کو جیل واپس لے جایا کرتی تھی — اس لئے کہ سرکار نے انہیں غالباً کمیونسٹ سرگرمیوں کے جرم میں گرفتار کر رکھا تھا۔ اختر حسین کی فلم بے وفا (جس میں سرشار سیلانی کے لکھے ہوئے مکالمے شاید آج تک لوگوں کو یاد ہوں گے) بھی اسی اسٹوڈیو میں تیار ہوئی۔ ایم، وی، رمن نے فلم آشا سے، اپنی بمبئی کی فلمی سرگرمیوں کا آغاز اسی اسٹوڈیو سے کیا۔ نوشاد صاحب نے اسی اسٹوڈیو کے ایک ٹوٹے پھوٹے ریکارڈنگ روم میں، فلم مغل اعظم کا ایک ہٹ گیت ریکارڈ کیا — اور اوم پرکاش کی ذاتی فلم جہاں آرا (ڈائرکٹر ونود کمار) کے شاندار سیٹ (آرٹ ڈائرکٹر سنت سنگھ) اسی اسٹوڈیو میں لگے۔ ایک مدت کے بعد، اسی اسٹوڈیو میں قدم رکھتے ہی کتنے ہی پرانے دوستوں کے چہرے (جو اب اس دنیا میں نہیں ہیں) میرے ذہن میں گھوم گئے...... جدّن بائی، نرگس، کے آصف، بلراج ساہنی، ایس، کے، اوجھا، سرشار سیلانی، ایم، وی، رمن، ونود کمار، سنت سنگھ.... ایسے کتنے ہی ذہین لوگوں نے اس اسٹوڈیو میں کتنے ہی کارہائے نمایاں، ادا کئے اور اپنی یادیں چھوڑ کر چلے گئے۔ اب اس اسٹوڈیو میں ارجن ہنگورانی (کرشمہ قدرت کا) اور ہرگوبند (ڈولی، جوار بھاٹا) کے دفتر ہیں۔ اسٹوڈیوز کی ایک ایسوسی ایشن کا بھی دفتر ہے اور چترپٹ شاکھا (فلم ورکروں کی ایک ایسوسی ایشن) کا دفتر بھی! اسٹوڈیو میں شوٹنگ بالکل نہیں ہوتی اور اسٹوڈیو کے وسیع فلورز نے گوداموں کی شکل اختیار کر رکھی ہے۔ عمارت کے پچھلی طرف، اداکار اوم پرکاش کا ایک دفتر ہے جسے وہ "جہاں آرا کے مزار" کے نام سے پکارتے ہیں...... اس لئے کہ جہاں آرا (مالا سنہا

بھپی سونی

اوم پرکاش

بی آر اشارا

● کے سی بوکاڈیہ اور اشوک کمار

بھارت بھوشن) کے فلاپ ہونے کے بعد، اسی دفتر میں اوم پرکاش کی ذاتی فلم کمپنی کی موت واقع ہوئی تھی اور انہوں نے فلم پروڈکشن ہمیشہ کے لئے چھوڑ دی تھی جس روز اوم پرکاش کی کوئی شوٹنگ نہیں ہوتی، اُس روز وہ آج بھی باقاعدگی سے اِس دفتر میں آتے ہیں اور ہر گوبند، راجن ہاکسر، جگی رام پال، سبھی دوستوں سے ملتے ہیں۔ کھانا ایک ساتھ کھاتے ہیں، گپ بازی ہوتی ہے اور شام کو سب ہی لوگ اپنے اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔ اوم پرکاش خوش و خرّم ہیں، قناعت پسند ہیں۔ شہرت اور دولت، آج بھی اُن کے پاس ہیں، کسی چیز کی کمی نہیں۔ وہ پہلے ہی کی طرح، عزّت پیار سے ملے۔ کہنے لگے "فلم کے نئے لوگوں کے نام میرا پیغام صرف یہی ہے کہ یہاں ہر شخص ہیں، وقت کے حملے کو برداشت کرنے کی ہمّت ہونی چاہیے۔"

انور حسین جنہیں ہم انور بھائی کہا کرتے تھے، پچھلے دنوں چل بسے۔ وہ ایک عرصے سے بیمار تھے اور فالج کا شکار ہو چکے تھے۔ ہم لوگ، ایک نمایاں رول میں ان کی پہلی فلم تھی اور را کی آخری! ہم لوگ ضیا سرحدی نے ڈائرکٹ کی تھی اور بمبئی کے لبرٹی سنیما میں ریلیز ہوئی تھی۔ اس فلم میں اپنی فطری اداکاری سے انور بھائی نے تماشائیوں کے دل موہ لئے تھے۔

ایک سین مجھے اب تک یاد ہے۔ وہ ایک ایسے غریب آدمی کا رول کر رہے تھے جو زندگی سے لڑتے لڑتے تھک چکا ہے۔ قطب مینار قسم کا ایک لمبا سا کھنڈر تھا جہاں وہ اکثر پانچویں منزل پر بیٹھا کرتے تھے۔ ایک سین میں یعنی اپنے رول کے آخری سین میں، ڈائیلاگ بولتے بولتے ایک خاص مقام پر رُک کر انہوں نے پانچویں منزل سے زمین پر چھلانگ لگا دی تھی اور اُکتاہٹ کی زندگی سے گھبرا کر خودکشی کرنے والے کی موت دیکھ کر، دیکھنے والوں کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ انور بھائی کی افسوسناک موت کی کیفیت، برسوں پہلے کی اِس "چھلانگ" کی شدّت سے کم نہیں ہے۔

کے سی، بوکاڈیہ، ایک پروڈیوسر یا دوست یار رہنما کی حیثیت سے کن کن فلموں سے وابستہ ہیں، ان کی فہرست تو کوئی فلمی مورّخ ہی بنا سکتا ہے۔ مجھے تو اب یہ یاد بھی نہیں رہتا کہ وہ کتنی فلمیں بنا چکے ہیں، کتنی فلمیں بنا رہے ہیں اور کتنی فلمیں شروع کر رہے ہیں۔ میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ وہ آج کے ایک سرگرم ترین، کام یاب پروڈیوسر ہیں اور خوش قسمتی کی دیوی آج تک اُن پر نچھاور ہے۔ میں اُنہیں اس وقت سے جانتا ہوں جب وہ برسوں پہلے رواج نام کی ایک فلم بنا رہے تھے اور اس فلم کے لئے بے بی گوری (جو اب گوری کھورانہ بن چکی ہے) کی شوٹنگ کی تاریخیں لینے کے لئے اُس کے گھر واقع کولابا جایا کرتی تھی اور اُسی کے گھر بوکاڈیا صاحب سے ملاقات ہو جایا کرتی تھی۔ رواج مکمّل ہوئی مگر چلی نہیں۔ بوکاڈیا مدراس چلے گئے اور اپنے خاندانی بیوپار میں حصّہ لینے لگے۔ وہاں سے انہوں نے اپنے خاندان سے چوری چوری، ایک فلم شروع کی شاید بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ اِس فلم کے پہلے اشتہار میں بوکاڈیہ صاحب نے اپنا نام تک نہیں دیا تھا۔ فلم کا نام تھا "پیار جھکتا نہیں" اس کی کہانی ایک پاکستانی فلم سے لی گئی تھی۔ روپیہ لگتا گیا، فلم بنتی گئی مگر ڈسٹری بیوٹر فلم کے نزدیک تک نہیں آئے۔ فلم کے آغاز میں، ایک حضرت نے دو لاکھ روپے لگائے تھے، ان حضرت نے مایوس ہو کر اپنا روپیہ واپس مانگ لیا اور فلم پر غیر اعتمادی کی ایک مہر لگا دی۔ بوکاڈیہ صاحب نے یہ روپیہ واپس کر دیا مگر مایوس ہرگز نہیں ہوئے۔ ریلیز ہونے پر فلم بے حد کامیاب ہوئی اور اسی کامیابی سے پروڈیوسر بوکاڈیہ اور ڈائرکٹر وجے سدّانہ کی قابلِ فخر زندگی کا آغاز ہوا۔ کے آصف کی نامکمل فلم "لو اینڈ گوڈ" کو مکمل کر کے ریلیز کرانے کا سہرا بھی بوکاڈیہ صاحب کے سر پر ہے۔ فلم ناکام رہی لیکن کے آصف کے ایک ادھورے خواب پر لاکھوں روپیہ خرچ کرنا ——— اور اسے پردے تک پہنچانا، کوئی معمولی کام نہیں تھا۔ پچھلے مہینے، ایک فلمی دفتر میں بوکاڈیہ صاحب سے ملاقات ہوئی تو یہ پتہ چلا کہ وہ بمبئی میں اپنے قیام کے دوران، ہر دوسرے دن ایک نئے ہوٹل میں شفٹ ہو جاتے ہیں...... اس لئے کہ ان سے ملنے کے لئے پروڈیوسروں، آرٹسٹوں اور ڈسٹری بیوٹروں کی ایک بھیڑ لگی رہتی ہے۔ جس سے کئی بار اُن کے اصلی ذاتی اور بیوپاری کاموں میں دخل اندازی ہوتی ہے۔

کیریکٹر آرٹسٹ کیشو رانا کے جنم دن (یکم جنوری) کی دعوت میں اشوک کمار سے ملاقات ہوئی جنہیں سب ہی عزّت سے "دادا مُنی" کہتے ہیں۔ ۱۹۵۹ میں انہوں نے میری شادی کے استقبالیہ میں مجھے ایک نصیحت کی تھی کہ "شادی کے بعد ہر روز باقاعدگی سے شام کو آٹھ بجے تک گھر آ جایا کرنا" ——— اور میں نے اگلے روز ڈرتے ڈرتے، اُن سے پوچھا تھا "دادا مُنی، آپ آٹھ بجے گھر آ جایا کرتے تھے؟" ——— انہوں نے جواب دیا تھا "ہرگز نہیں...... اور پھر دیکھ لو، ہماری شادی شدہ زندگی کا کیا حشر ہوا؟" اُس روز، کئی مہینوں بعد ملے تو راز کی ایک اور بات کہہ گئے۔ کہنے لگے "زیادہ دنوں تک زندہ رہنا چاہتے ہو تو کام یابی اور کمائی کے بعد، امیروں کی سی زندگی بسر کرو مگر کھانا غریبوں کا سا کھاؤ...... چٹنی اور روٹی"

ایک ملاقات میں رائیٹر، ڈائرکٹر بی، آر، اشارا کہنے لگے "فلموں میں ہوش مندی اب اپنا آخری سانس لے رہی ہے۔" اُن کی بات چیت سے ایسا لگا کہ وہ اب موجودہ فلموں کی روش اور فلم والوں کے تجارتی رشتوں سے مایوس ہیں۔ اُن کے نظریے کے مطابق، فلم سے وابستہ لوگوں کی اکثریت پاگل ہو چکی ہے۔

پچھلے دنوں پاکستان کے مشہور گلوکار پرویز مہدی بمبئی تشریف لائے۔ اُن کے اعزاز میں کئی دعوتیں ہوئیں۔ پروڈیوسر بی، ایس، گرو (جو کی آواز اور بات بے پیار کی) نے اُن کی آواز میں پنجاب کے مشہور شاعر شیو بٹالوی مرحوم کی پنجابی غزلیں ریکارڈ کیں جن کی دھنیں گرو صاحب کی فلموں کے میوزک۔ ڈائرکٹر وجے بٹالوی نے تیار کیں۔ پرویز مہدی سے بات چیت کے دوران پتہ چلا کہ وہ خود بھی بٹالہ کے رہنے والے ہیں تین بٹالویوں کا یہ سنگیتی سنگم بہت میٹھا اور مزے دار رہا۔

کبھی آپ بمبئی میں ہوں تو ایک اور جگہ کا بھی مزا چکھئے ——— اور وہ ہے باندرہ کا ایک ریسٹورنٹ "توا" جہاں ہر قسم کا مرغن کھانا ملتا ہے۔ یہاں کا کھانا اتنا لذیذ ہے کہ بڑے بڑے فلم پروڈیوسر، ایکٹر اور فلم جرنلسٹ دُور دُور سے نہ صرف کھانے کے لئے آتے ہیں بلکہ گھر والوں کے لئے بھی پیکٹ میں بندھوا کر لے جاتے ہیں۔ "توا" کے فاروق بھائی گاہکوں کی ذاتی دیکھ بھال میں بھی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے۔ اسی ریسٹورنٹ کے مالکوں کا ایک تعلق فلم لائن سے بھی ہے اور وہ ہے اُن کی میگنم اور بمبینو ویڈیو کمپنیاں جنہوں نے مختلف ہندی فلموں کے ویڈیو حقوق لے کر فلمی دنیا میں دھوم مچا رکھی ہے۔

ہاں، ڈائرکٹر بھیّی سونی (جانور، جواں محبت، خون کا قرض کے ساتھ پھر فلمی دنیا میں قدم رکھ رہے ہیں وہ اس نئی فلم کے صرف پروڈیوسر ہیں اور اس کی ڈائرکشن انہوں نے مکمل ایس آنند (انصاف کے شہرت یافتہ) کو سونپی ہے۔ خود اچھا ڈائرکٹر ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو فلم کی ڈائرکشن دینا، ایک حادثے سے کم نہیں ہے لیکن آج کے بدلے ہوئے حالات میں بیوپاری اعتبار سے خود کی شناخت کو بھیّی سونی کی ایک اچھی سوجھ بوجھ قرار دینا چاہیے۔

باقی باتیں، اگلے مہینے!

آپ کا
رازداں

www.taemeernews.com

بازگشت

فلم

محترم ادریس صاحب:
آپ کی طرف سے محبت کے پھول میری سالگرہ پر ملے۔ بہت بہت شکریہ۔ آپ نے ہمیشہ مجھ ناچیز کو عزت بخشی ہے۔

۲۵ دسمبر ۱۹۸۷ کو میرے بڑے لڑکے مطیع الرحمٰن نوشاد کی شادی تھی۔ شادی اچانک طے پائی اور خدا کے کرم سے بخیر و خوبی ہو گئی۔

میری سالگرہ کے سلسلے میں مبارک باد کے بہت سے خط آئے۔ میری طرف سے اُن تمام حضرات و خواتین کا شکریہ ادا کر دیجئے۔ ویسے میں نے کافی لوگوں کو خود بھی شکریہ کے خط لکھے ہیں۔
(موسیقار) نوشاد

ادریس صاحب:
والد محترم جناب انور حسین کی وفات پر ہمدردی اور تعزیت کے بہت سے خطوط ملے ہیں۔ ہمارے لئے اس محرومی کی تلافی کسی طور نہیں ہو سکتی، تاہم اتنے بہت سے غم گساروں کی وجہ سے ہماری ڈھارس ضرور بندھی ہے۔ ہم ان سب کرم فرماؤں کے ممنون ہیں اور معذرت خواہ ہیں کہ صدمے کے باعث سب کو الگ الگ جواب نہ دے سکیں گے۔
سرور حسین

ادریس صاحب:
اپنے ماہنامہ شمع میں یہ خبر بڑے دُکھ کے ساتھ دے رہا ہوں کہ زوجہ کے ساتھ میرے تعلقات خراب ہونے کی وجہ سے گھر میں اور خوشبو سے بھی کشیدگی ہو گئی ہے۔ یوں تو یہ خالص ہمارے خاندان کا معاملہ ہے۔ مگر مجھے اندیشہ ہے کہ اس بات کو لے کر کچھ فلمی لوگ تماشا بنانا چاہیں گے۔ اس لئے ساری حقیقت زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کے لئے اپنے شمع کا سہارا لے رہا ہوں۔

صحیح حقائق یہ ہیں کہ میرے اور میری زوجہ کے درمیان مختلف امور پر اختلافات پیدا ہوئے، جس کے نتیجے میں میری شریکِ حیات نے میرے بچوں (جن میں خوشبو بھی شامل ہے) کو مجھ سے بدظن اور دور کر دیا۔ خوشبو بہت اچھی لڑکی ہے مگر اس کی ماں نے اس کے ایسے کان بھرے کہ وہ بھی ماں کے بہکائے میں آ گئی۔

میری بیگم نے مجھ پر الزام لگایا ہے کہ میں نے خوشبو کا کمایا ہوا پیسہ خرد برد کر لیا ہے۔ جب کہ اصلیت یہ ہے کہ میں ایک ایک پیسہ کا حساب دے چکا ہوں۔ اس سلسلے میں کچھ غلط فہمیاں ضرور پیدا ہوئی تھیں، مگر تمام بچوں کے سامنے میں نے حسابات رکھے تو معاملات کسی حد تک سدھر گئے۔ مگر میری زوجہ پھر بھی الزام تراشی سے باز نہیں آئیں۔ وہ کہتی ہیں کہ خوشبو کے تمام اکاؤنٹس میں نے اپنے نام کیوں رکھے تھے۔ میں نے اس کی وضاحت کی تھی کہ جب تک خوشبو نابالغ تھی، مجھے ایسا ہی کرنا تھا۔ خوشبو نے گھر کے استعمال کی جو جو اشیا اپنے نام سے خریدیں، وہ اُسی کے نام پر ہیں۔ رہا گھر اور کار کا معاملہ تو گھر میری ملکیت ہے اور کار ایک فنانسر کے سرمائے سے خریدی گئی تھی۔ میں نے ہی یہ سارا سرمایہ قسطوں میں اس رقم میں سے ادا کیا تھا جو مجھے خوشبو کے ذریعے ڈیزائنر کی حیثیت سے ملتی تھی۔ میں نے گھر کی آرائش پر ۱۵۰۰۰ روپے خرچ کئے، جو میری اپنی آمدنی تھی۔ اگر خوشبو اپنا سکریٹری رکھتی تو کیا اُسے اپنی آمدنی کا دس فی صد اُسے نہ دینا پڑتا۔ میں بھی خوشبو کے لئے اُس کا سکریٹری بنا رہا، جس کے لئے مجھے اپنا پیشہ تک ترک کرنا پڑا۔ اگر خوشبو نے مجھے سکریٹری کے طور پر وہی معاوضہ دیا جو فلم انڈسٹری میں عموماً دوسرے سکریٹریوں کو ملتا ہے تو اس میں احسان یا لوٹ کھسوٹ والی بات کون سی ہو گئی؟

میری خواہش تھی کہ خوشبو بھی ہیما مالنی کے نقشِ قدم پر چلے۔ جیسا کہ دنیا جانتی ہے کہ ہیما جی کے تمام کیریر میں اُن کی ماں گائیڈ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ میں بھی یہی چاہتا تھا۔ مگر میری بیوی نے خوشبو کے معاملات سدھارنے کی بجائے بگاڑ دئے اور اُسے مجھ سے بیزار کر دیا۔

میں نے تمام واقعات اسی اُمید میں تحریر کر دئے ہیں کہ شمع کے لاکھوں قارئین دوسرے رسالوں میں بے تکی اور بے بنیاد باتیں پڑھ کر انہیں نظر انداز کر دیں گے۔
سعید خاں، بمبئی

ٹی وی

بھیا ادریس:
"بازگشت" (شمع: جنوری) میں سیریل "بہادر شاہ ظفر" کے بارے میں چار اور خطوط پڑھنے کو ملے۔ ڈاکٹر نا پال نے خواہ مخواہ یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ مجھ سے بہتر انگریزی جانتے ہیں۔ چوپڑا صاحب کو جو خط لکھا، اس کا تو مجھے علم نہیں، لیکن وزیرِ اطلاعات کے دفتر سے ان کے خط کی جو نقل آئی تھی وہ میں نے پڑھی۔ اس میں انہوں نے گرامر اور اسپیلنگ SPELLING کی غلطیوں کا ذکر کیا ہے۔ اگر مطلب تلفظ بھی ہے تو میں گردن زدنی! ستم یہ کہ اس مختصر سے خط میں انگریزی کی اتنی غلطیاں ہیں کہ انگریزی داں لوگوں کو پتہ چلے تو خودکشی کر لیں۔ انہیں "بہادر شاہ ظفر" پسند نہیں آیا تو یہ کہنے کا انہیں حق ہے۔ جہاں تک سستی شہرت کی طلب کا سوال ہے۔ میں "بہادر شاہ" لکھنے سے پہلے بھی اچھا خاصا مشہور ہوں۔ شاہ عالم کے جس مکالمے کو وہ غازی میاں کے جھنڈے کی طرح اُٹھائے گھوم رہے ہیں۔ اس کے سلسلے میں یہ عرض کرنا ہے کہ اگر میں نے پوتے کا مکالمہ دادا سے بلوا دیا ہوتا تو یقیناً نامناسب ہوتا، لیکن اگر دادا نے کوئی بات کبھی ہو جو پوتے کے حالات پر چسپاں ہوتی ہو تو پوتا وہ بات کیوں نہیں کہہ سکتا؟

حیدر آباد کے بایزید علی خاں کا اعتراض سر آنکھوں پر۔ لیکن اگر انہوں نے سیریل کے ٹائٹلوں پر بھی دھیان دیا ہوتا تو وہ یقیناً دیکھ لیتے کہ ذوق، غالب اور بہادر شاہ ظفر کے ساتھ مضطر خیر آبادی مرحوم کا نام بھی دیا گیا ہے۔ ان کا یہ فرمانا بجا کہ مغل بادشاہ عام طور پر فیل نشین تھے۔ لیکن کسی تاریخ میں یہ نہیں لکھا کہ انہوں نے گھوڑوں کی سواری یکسر ترک کر دی تھی۔

رشید الدین خاں نے غزل بگاڑنے کا جو سوال اُٹھایا ہے، وہ مجھے ذرا نامناسب لگ رہا ہے۔ سُنا ہے جب کسی کی غزل بہت اچھی لگتی تھی تو ہمارے بزرگ شعراء اپنی غزلیں بگاڑ ڈالا کرتے تھے۔ میں نے اس روایت کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی۔

اب رہے جے پور کے بشارت علی خاں صاحب۔ اُن کی خدمت میں یہ عرض کرنا ہے کہ کسی کو زہر دینا ہوگا تو کسی چیز میں ملا کر ہی دیا جائے گا۔ وہ تو صرف سقراط تھا جسے زہر کہہ کر زہر دیا گیا۔ اور وہ پی بھی گیا۔ دلّی کے شہزادوں میں اتنا کس بل کہاں تھا۔ ان کی اطلاع سراسر غلط ہے کہ مرزا فخرو نے ۱۸۵۷ کی جنگِ آزادی میں حصّہ لیا تھا۔ وہ اس بغاوت کے شروع ہونے کے کافی پہلے مر چکے تھے۔

اور اب آئی اُس مشاعرے کی بات جس پر بشارت علی خاں چراغ پا ہیں۔ قبلہ محترم فرحت اللہ بیگ نے دلی کی آخری شمع" میں جو مشاعرہ جمایا ہے، اس کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں ہے۔ آپ اس کتابچے کا مقدمہ تو پڑھ لیتے!

رہی یہ بات کہ بہادر شاہ نے اس سیریل میں اُردو کی غزل ہندی میں پڑھی۔ کیوں "پھول" کو "فول" کہا۔ آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ہندی میں 'ف' کی آواز ہی نہیں ہے۔ آپ کو اُردو زبان سے پیار کرنے کا حق ہے، لیکن آپ کا یہ حق آپ کو یہ اختیار نہیں دیتا کہ آپ ہماری قومی زبان کا مذاق اُڑائیں۔ ہندوستان میں آپ کتنے ایسے مسلمانوں کو جانتے ہیں جو قرآنِ حکیم صحیح پڑھ سکتے ہوں۔ کتنے لوگ ایسے ہیں جو 'ز'، 'ذ'، 'ض' اور 'ظ' میں فرق کر سکتے ہوں۔ کتنے لوگ ایسے ہیں جو 'ح' اور 'ہ' کا فرق جانتے ہوں؟ کتنے لوگ ایسے ہیں جنہیں یہ احساس تک ہو کہ "ث" "س" اور "ص" کی آوازوں میں فرق ہے؟ کتنے لوگ ایسے ہیں کہ "الف" اور "ع" میں تمیز کر سکتے ہیں۔ اس لئے قبلہ تلفظ کی بات نہ کیجئے کیوں کہ

www.taemeernews.com

یہ پانی سب سے زیادہ اُردو میں مر رہا ہے۔

(ڈاکٹر) راہی معصوم رضا، ممبئی ۵۰

●● ٹی وی سیریل "بہادر شاہ ظفر" ختم ہوگیا ہے۔ اس لئے راہی معصوم رضا کے اس خط کے ساتھ اس سیریل سے متعلق بحث کا دور بھی ختم ہوتا ہے۔ مدیران

★ دیکھنا ہے، نئے سال میں ٹی وی کے پروگراموں میں کیا کیا تبدیلیاں آتی ہیں۔ پرانے سال میں تو تفریحی پروگرام سے زیادہ تو ڈاکومنٹریاں تھیں۔ بور کرنے والی آرٹ فلمیں تھیں۔ بار بار دکھائے گئے گیت چترہار میں شامل تھے۔ بچوں کے لئے ہندی اردو میں کوئی پروگرام نہ تھا۔ 'بنیاد' اور 'نکڑ' جیسے دل چسپ سیریل ختم ہوتے ہی دوسرے کئی سیریل شروع ہوگئے۔ کلاسیکل پروگراموں کے نام پر واہیات قسم کے آئیٹم دکھائے جا رہے ہیں، جن سے رہی سہی کشش بھی باقی نہیں رہی ہے۔ مہینے میں ایک بار دکھائی جانے والی پرانی فلمیں بھی پابندی سے نہیں دکھائی جارہی ہیں۔ گزشتہ سال دُوردرشن نے لوگوں کو کافی بور کیا ہے۔ گویا دُوردرشن اب بوردرشن بن گیا ہے۔

ضیا جعفر، بنگلور

شمع گولڈن جوبلی سال میں

★ شمع کا گولڈن جوبلی سال مبارک ہو — یہ کہہ دینا بہت آسان ہے، مگر اس کامیابی کے پیچھے جو اَن تھک محنت اور کوششیں کارفرما ہیں، ان کا ٹھیک ٹھیک احساس آپ کے سوا شاید کسی کو نہیں ہو سکتا۔ آپ کی کاوشیں یقینی طور پر قابلِ تعریف ہیں اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ ہندوستان میں جب تک شمع زندہ ہے، اُردو زندہ ہے۔ خدا شمع کو ہمیشہ روشن رکھے۔

لُطا آفندی، بحرین (خلیج العرب)

★ شمع کی گولڈن جوبلی کے موقع پر مبارکباد قبول فرمائیے۔ بہت سی ایسی تقریبیں پچیس یا پچاس برس کی تکمیل کے سلسلے میں صرف ایک روایت کے طور پر منائی جاتی ہیں، مگر شمع کے لئے یہ جشنِ طلائی ایسا ہے کہ ان پچاس منازل کی تاریخ کو سونے کے حروف سے لکھا جا سکتا ہے۔ یہ صرف فلم اور ادب سے متعلق ایک رسالے کے پچاس برس کا سفر نہیں ہے جو کسی نہ کسی طرح طے ہوجاتا ہے، بلکہ فلم اور ادب کے معیار کو بہتر سے بہتر بنانے کی ایک تاریخ بھی ہے۔ شمع نے ہندوستانی فلموں کے تعلق سے جو اقدامات اداریوں، مضامین اور تنقیدوں کی صورت میں پیش کئے ہیں، ان سے بہت سارے فلم سازوں، ہدایت کاروں، موسیقاروں، مکالمہ نگاروں، گیت کاروں اور اداکاروں نے استفادہ کیا ہے۔ اس تعلق سے شمع نے کبھی اہانت آمیز رویّہ اختیار نہیں کیا، مگر سچ بات کو پیش کرنے میں کسی مصلحت سے بھی کام نہیں لیا۔

فلم کے ساتھ شمع نے ادب کی بھی بہت خدمت کی ہے۔ یہ شمع کی انفرادیت رہی ہے کہ جہاں شمع کے صفحات پر ادب۔ نمائندہ نثر نگاروں اور شاعروں کی تخلیقات ملتی رہیں۔ وہیں ان کے پچاس برسوں کے دوران کئی نام بھی شمع کے ذریعے ہی روشناس ہوئے۔ شمع کی گولڈن جوبلی کے ساتھ شمع ادبی معمے بھی تین سو منزلیں طے کرکے آگے بڑھیں گے۔ ان ادبی معموں نے شمع کی دیانت داری، جو معمہ سازی اور انعام نوازی میں یکساں رہی ہے، کی ایک شاندار روایت قائم کی ہے۔ ان کی وجہ سے لاکھوں شائقین میں اچھے ادب کو پڑھنے کا ذوق پیدا ہوا ہے۔ بہت سے ایسے قارئین بھی ملیں گے، جنہوں نے صرف شمع ادبی معموں کے حل کرنے کی خاطر اردو زبان سیکھی۔ یہ ایک ایسی خدمت ہے جسے اردو والے کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ دُعا ہے کہ ترقی کی اسی رفتار کے ساتھ آپ سب مدیرانِ شمع کو شمع کی ڈائمنڈ اور پلاٹینم جوبلی اور شمع ادبی معموں کی اور بھی کئی 'صدیاں' منانا نصیب ہو۔

قمر کلثوم، حیدرآباد ۷

بلاعنوان

جنوری کے شمع میں خالدہ امروہوی کی ایک "بلاعنوان" کہانی شائع ہوئی تھی، جس کا عنوان پروانوں کو تجویز کرنا تھا۔ جاوید یہ خبر سنتے ہی پریشان ہوا تھا کہ جب وہ آفس میں ہوتا ہے تو اس کی بیوی گھر میں کسی اور کے ساتھ رنگ رلیاں مناتی ہے۔ پھر جب اسے للکارا گیا کہ اس کڑوی حقیقت کو وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے تو اس نے اپنی بیوی کو رنگے ہاتھوں پکڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ اگلے دن وہ دفتر جانے کی بجائے اِدھر اُدھر گھومتا رہا۔ ٹھیک ایک بجے وہ لرزتی ٹانگوں اور دھڑکتے دل کے ساتھ اپنے گھر کے دروازے پر کھڑا تھا۔ اسی لمحہ اسے اپنے مرحوم باپ کی بات یاد آئی۔ انہوں نے کہا تھا "میں اس لئے چیک اپ نہیں کراتا کہ چیک اپ کرانے پر مجھے یقین ہوجائے گا کہ مجھے کینسر ہے اور اس کی دہشت میں میرا دم نکل جائے گا۔ اب تو یہ بھی سوچتا ہوں کہ شاید مجھے کینسر نہ ہو۔ اس خیال کے ساتھ میں کچھ دن اور بھی زندہ رہ سکتا ہوں"! باپ کی بات یاد آتے ہی جاوید گھر میں داخل ہونے کی جگہ تھکے تھکے قدموں سے پانچ بجے تک کا وقت کہیں اور گزارنے کے لئے چلا گیا۔

کچھ عنوانات جو بہت سے پروانوں نے بھیجے ہیں یہ ہیں: خود فریبی، بند دروازے، ہاتھوں سانپ اور کچھ میلی چاندنی، داغ داغ اُجالا، اگلا قدم، تل اوٹ پہاڑ، ٹھنڈی آگ، چور دروازہ، آخری راستہ، کردہ ناکردہ، پھانس، تنکے کا سہارا، ناسور، سمجھوتا۔ خود مصنفہ نے اس کہانی کا عنوان "چیک اپ" تجویز کیا تھا۔ یہ عنوان ۱۶۲ پروانوں نے بھیجا ہے۔

سب عنوانات غور سے پڑھنے کے بعد ججوں نے غلام کبریا (کلکتہ ۲۰) کے بھیجے ہوئے عنوان "اُجالے کا ڈر" کو پہلے انعام کا حق دار قرار دیا۔ انہیں پچاس روپے کی کتابیں انعام میں دی جائیں گی۔ عبدالقیوم ریشی (اننت ناگ کشمیر) کے بھیجے ہوئے عنوان "پردہ اُٹھنے تک" کو دوسرے انعام کا اور تمنا شمسی (کلکتہ ۳) کے بھیجے ہوئے عنوان "آنکھوں دیکھی مکھی" کو تیسرے انعام کا مستحق ٹھہرایا گیا۔ ان کو بیس بیس روپے کی کتابیں ارسال کی جائیں گی۔

ججوں کا پسند کرنے والے کچھ اور عنوانات یہ ہیں: فریب کا سائبان (ابراہیم انعام دار، کلیان)، مبارک زخم اور بھیا (احمد محی الدین قدیر، حیدرآباد)، چشم پوشی کا مزہ (محمد محی الدین، آسنسول)، بارود کا گھر (محمد شکیل الرحمٰن، بھاگلپور)، برداشت کا طوق (رشید ہاشمی، کلو اکرتی، محبوب نگر)، ذہن گزیدہ (جنید اقبال، کلکتہ ۱)

●●

ادب:

★ شمع کے افسانہ نگار جناب ستیش بترہ آج کل بوجہ PANCREAS (لبلبہ) کے کینسر کے باعث شدید بیمار ہیں۔ ہم سب خداوند تعالیٰ سے ان کے جلد شفایاب ہونے کی دعا مانگتے ہیں۔

گوپال کرشن، فریدآباد

★ میری غزل (شمع: دسمبر ۱۹۸۷) کے تیسرے شعر کو کتابت کی نظر لگ گئی۔ وہ شعر اس طرح ہے:

میں نے سنورنا چھوڑ دیا ہے، خود کو نیا اِک موڑ دیا ہے
آکے اپنے ہاتھوں سے ہی مجھے سجانا سردی میں

نازاں جمشید پوری، جمشید پور

★ خالدہ امروہوی کی "بلاعنوان" کہانی (شمع: جنوری) اُردو افسانے کا ایک نیا موضوعاتی ارتقا ہے۔ نت نئے موضوعات پر نوطرز مرقع افسانوں کو پیش کرنا شمع کی روایت رہی ہے۔ نئے سال کا یہ دل نشین تحفہ پڑھنے والوں کے ذہنوں کو جھنجوڑ کر گھریلو اُلجھن میں سمجھنے کی ایک نئی راہ ہموار کرے گا۔

ایم۔ اے۔ ودود جاوید، نظام آباد

★ سہیل اعجاز صدیقی نے اپنے افسانے "دیمک" میں ان بے ایمان افسروں کی پول کھول کر رکھ دی ہے، جو رشوت کو اپنا پیدائشی حق سمجھ کر دوسروں کے آگے اپنا ہاتھ پھیلاتے ہیں اور دیمک کی طرح ملک کو کھوکھلا کرتے جارہے ہیں۔ اپنی خوش حالی کے لئے یہ دوسروں کے گھروں میں اندھیرا کردیتے ہیں۔ ان بے ایمان لوگوں کے درمیان ناتھ باد جیسے ایمان داروں کی ایمان داری بھی ڈگمگا جاتی ہے۔ خصوصاً افسانہ کا کلائمکس بہت دردبھرا ہے۔

ضیا جعفر، بنگلور ۵۱

●●

www.taemeernews.com

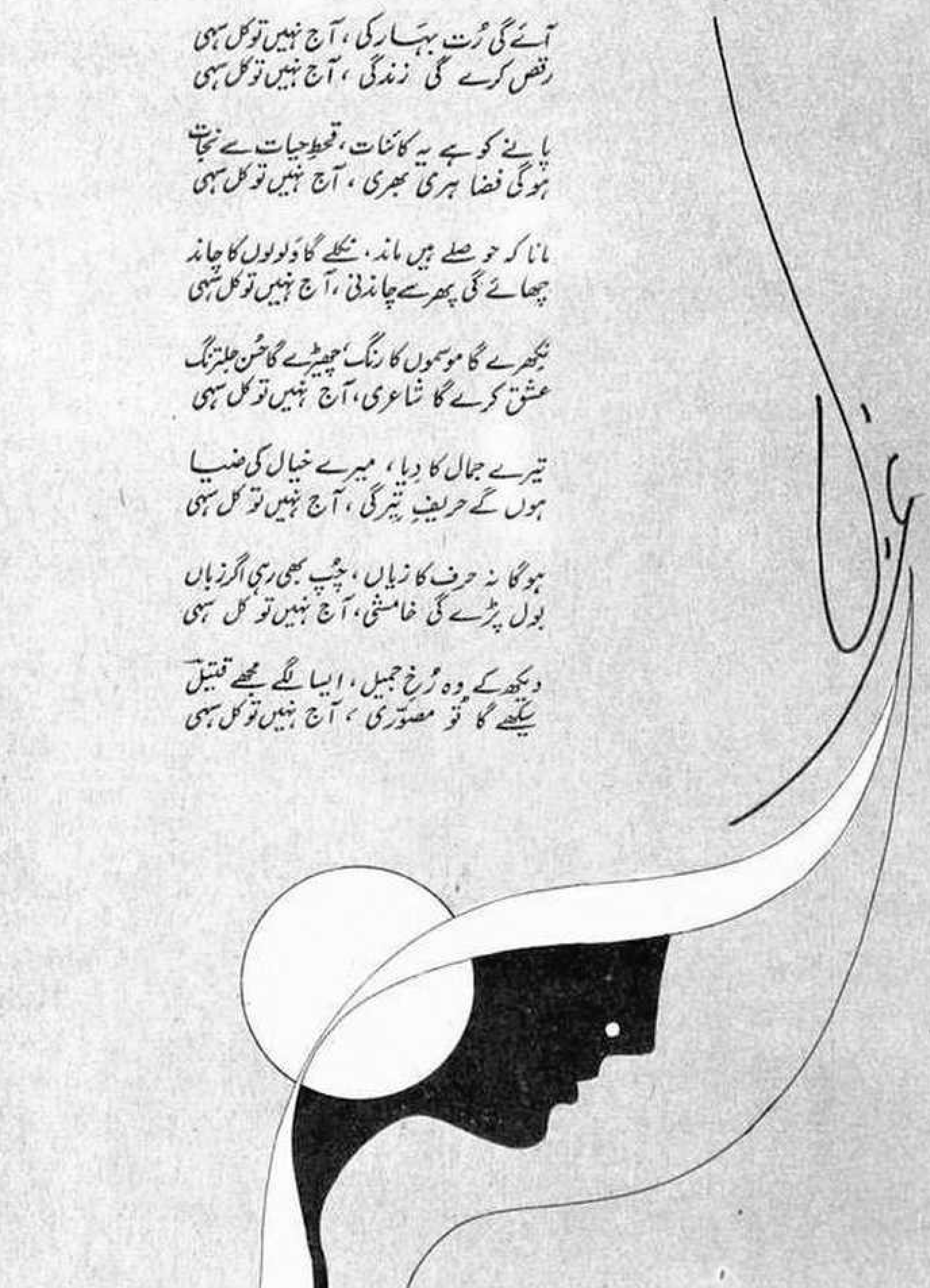

آئے گی رُت بہار کی، آج نہیں تو کل سہی
رقص کرے گی زندگی، آج نہیں تو کل سہی

پانے کو ہے یہ کائنات، قحطِ حیات سے نجات
ہوگی فضا ہری بھری، آج نہیں تو کل سہی

مانا کہ حوصلے ہیں ماند، نکلے گا ولولوں کا چاند
چھائے گی پھر سے چاندنی، آج نہیں تو کل سہی

نکھرے گا موسموں کا رنگ، چھیڑے گا حُسن جلترنگ
عشق کرے گا شاعری، آج نہیں تو کل سہی

تیرے جمال کا دِیا، میرے خیال کی ضیا
ہوں گے حریفِ تیرگی، آج نہیں تو کل سہی

ہوگا نہ حرف کا زیاں، چُپ بھی رہی اگر زباں
بول پڑے گی خامشی، آج نہیں تو کل سہی

دیکھ کے وہ رُخِ جمیل، ایسا لگے مجھے قتیلؔ
سیکھے گا تو مصوّری، آج نہیں تو کل سہی

قتیلؔ شفائی
(لاہور، پاکستان)

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

جلیس عابدی

کافی دیر سے ٹینس کا کھیل چل رہا تھا اور اب دونوں بُری طرح ہانپ رہے تھے۔ دونوں کے چہرے گلنار ہو رہے تھے۔ آسمان کی شفق کا رنگ ان کے گالوں پر بھی اُتر آیا تھا۔

ریکٹ کو ایک طرف پھینک کر ثریا نے ایک نظر گریش کی طرف دیکھا تو اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔ بے اختیار ہو کر وہ گریش سے لپٹ گئی اور شوخی سے بولی "تم تو بالکل بندر لگ رہے ہو اس وقت!"

"اور تم؟" گریش نے نیلی جینز اور گلابی خانہ دار شرٹ میں ملبوس ثریا کو اپنے قوی بازوؤں میں سمیٹے ہوئے کہا: "بالکل میری پیاری بندریا!"

ہنستے ہنستے بندر اور بندریا، دونوں ٹینس کورٹ کے فرش پر بیٹھ گئے۔ معمول وہی تھا جو آئے دن دہرایا جاتا تھا۔ پہلے محبت بھری سرگوشیاں پھر ادھر اُدھر کی باتیں، اس کے بعد خاموشی کے بحرِ ظلمات میں خیالوں کے گھوڑے دوڑانا۔ ثریا کو اپنے کالج کے دنوں کے قصے دہرانا بہت پسند تھا جب پرستار آنکھیں اور چاہت بھرے دل اس کے قدموں تلے روندے جانے پر اپنی قسمت پر ناز کرتے تھے۔ جب ٹینس میں اس کا نام ریاستی چیمپئن کے طور پر دھوم مچانے لگا تھا، جب ٹینس کورٹ میں ہی اس پری کو گودتے تھرکتے دیکھ کر ایک دیو نے اپنا سنہرا جال پھینکا تھا اور اسے ہمیشہ کے لئے قید کر لیا تھا۔ مگر یہ زور زبردستی کا سودا نہ تھا۔ پری خود ہی جال کی طرف بڑھی تھی۔ ثریا کے باپ فوجداری کے وکیل تھے اور ڈسٹرکٹ کورٹ میں پریکٹس کرتے تھے۔ خاصی آمدنی ہو جاتی تھی۔ مگر جب ماں باپ کی لاڈلی ہونہار ثریا کے لئے رام کرشن مہیشوری کا رشتہ آیا تو دیر تک دونوں اپنے بازو پر چٹکی لیتے رہے کہ کہیں وہ خواب تو نہیں دیکھ رہے ہیں۔ کہاں راجہ بھوج کہاں گنگو تیلی۔ مگر راجہ بھوج سچ مچ گنگو تیلی کے در پر دستک دے رہے تھے۔ اور اس طرح جواں سال

www.taemeernews.com

● متھن چکرورتی، منداکنی، ہیمنت برجے اور کم فلم ساز مشیر ریاض کی فلم 'کمانڈو' میں

ملک التجار کنول نین مہیشوری نے ترپتا کو مہیشوری خاندان کی کاروباری سلطنت کی ملکہ بنا کر ہی دم لیا۔

اپنے سُبک ہاتھ پر گریش کے مضبوط ہاتھوں کا حرارت بھرا لمس محسوس کرتے ہوئے ترپتا سوچ رہی تھی: اُمنگوں کے پروں پر اُڑتی ہوئی میں تو خود ہی اُمیدوں کے چشمے کی طرف بڑھی تھی، پھر وہ چشمہ سراب میں بدل گیا تو اس میں کسی کا کیا دوش؟ میری سہیلیاں تو میری قسمت پر رشک کرتی ہیں۔ ایک متوسط طبقے کی لڑکی کے لئے جنت کا تصور اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے کہ مہیشوری گھرانے کی بہو بن جائے جس کا شمار ملک کے تیس مالدار ترین گھرانوں میں ہوتا ہے؟ مجھ پر بھی تو اس جنت کی حقیقت شادی کے بعد ہی کھلی تھی۔ اس جنت کے فریب میں آکر ہی تو میں نے کنول نین مہیشوری کے چھوٹے قد، بے ہنگم جسم اور ریچھ جیسی چال کو بھی نظر انداز کر دیا تھا۔ مگر چند دن میں ہی یہ بھید مجھ پر کھل گیا کہ میری خوب صورتی کا پرستار مہیشوری صرف اس حد تک تھا کہ اپنے محل کے قیمتی سجاوٹی سامان میں ایک اور شے کا اضافہ کرنا چاہتا تھا۔ پھر اُسے میرا ایک اور مفید استعمال سُوجھ گیا۔ میری ذہانت کو دیکھ کر اس نے میرا تعلیمی سلسلہ دوبارہ شروع کرا دیا۔ مالیات، کاروباری انتظام، سرمایہ کاری کے رموز، سب کچھ میں سیکھتی گئی اور کنول نین مہیشوری کی جیون ساتھی سے زیادہ کاروباری ساتھی بن گئی۔ اب میں اس کی بزنس ایمپائر کو بڑھانے پھیلانے میں لگی ہوئی ہوں اور ہمارا ساتھ اسی میدان تک محدود رہتا ہے۔ اس کی ذاتی زندگی کی راہیں الگ ہیں، میری راہیں الگ۔ کٹھ پتلی جانتی ہے کہ بازی گر ہر لمحہ اس کی ڈور سنبھالنے کے لئے موجود نہیں رہتا۔ کھیل کے وقت کو چھوڑ کر باقی وقت میں کٹھ پتلی کیا کرتی ہے، بازی گر کو کیا معلوم؟ دیو کی قید میں پھنسی پری نے من مانی کرنے کا راستہ آخر ڈھونڈ ہی لیا ہے۔ جب سانسوں میں سانسیں اُلجھی ہوئی ہوں تو زندگی کی ہر کڑواہٹ ایک نشہ آور مٹھاس میں بدل جاتی ہے۔ گریش! پیارے گریش! مجھے چوم لو۔

ترپتا کے ہونٹوں کو مزید گلنار بنا کر گریش کو خیال آیا: بڑے سے قصباتی مکان کی کھلی چھت پر مدھو نے وہ چار پائیاں کھڑی کر دی ہوں گی جو دن میں دھوپ کھانے کے لئے بچھائی گئی تھیں۔ اور اب وہ اکیلی کھڑی آسمان پر چاند کی تھالی کو اُبھرتے دیکھ کر شاید میرے ہی بارے میں سوچ رہی ہو گی۔

گریش کے باپ بلاس پور کے ایک اسکول میں پڑھاتے تھے۔ اپنے اکلوتے بیٹے کو اعلیٰ تعلیم دلانے کا انہیں بڑا ارمان تھا، اس لئے خود تنگی ترشی بسر کر کے انہوں نے گریش کی پڑھائی کے اخراجات کا بندوبست کیا اور اسے بھوپال بھیج دیا۔ انٹر پاس کر کے اُسے انجینیرنگ کے ڈگری کورس میں داخلہ نہ مل سکا تو اس نے اگلے برس دوبارہ قسمت آزمانے کی ٹھانی اور اس درمیان بی ایس سی کے پہلے سال میں داخلہ لے لیا۔ ترپتا بھی اسی کالج میں پڑھتی تھی۔ مگر اُن دنوں گریش کے حصے میں ترپتا کا دُور کا جلوہ ہی آتا تھا۔ ہوتے ہوتے دونوں ایک دوسرے کو پہچاننے بھی لگے تھے، ایک دوسرے کا نام بھی جان گئے تھے، مگر بھوپال میں اپنے ماما کے سر جا پڑنے والے گریش پر مالی کم تری کا آسیب ایسا سوار تھا کہ اس کے دل میں کبھی ترپتا سے رسم و راہ بڑھانے کی اُمنگ تک نہیں جاگی۔ پھر اگلے سال ہی اس کی تقدیر ساتھ دے گئی اور اسے انجینیرنگ کے ڈگری کورس میں داخلہ مل گیا۔ دو برس بعد اسے اپنے ایک دوست کی زبانی معلوم ہوا کہ ترپتا کی شادی ایک بڑے صنعت کار سے ہو گئی ہے۔ یہ خبر سُن کر اس کے دل میں کوئی ہلچل نہ مچی اور وہ یک سوئی کے ساتھ پڑھائی میں لگا رہا — ڈگری کورس مکمل کرنے کے بعد کئی مہینے تک اُسے ملازمت کی تلاش میں دھکے کھانے پڑے۔ میہور کی ایک شکر مل میں اسے نوکری ملی بھی تو تنخواہ اس کی اُمید سے کم، اتنی کم تھی کہ اس کا جی اُچاٹ ہو گیا۔

ایک دن اس نے مہیشوری صنعتی گروپ کے لئے انجینیر کی ضرورت کا اشتہار اخبار میں دیکھا تو وہاں بھی اپنی درخواست بھیج دی۔ بلائے جانے پر وہ انٹرویو کے لئے پہنچا تو اس کی مڈبھیڑ ترپتا سے ہوئی۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ نوکری تو گریش کو ملنا ہی تھی، تنخواہ بھی تیزی سے بڑھتی گئی۔ بدلے میں گریش کو تھوڑی سی 'درباری' کرنا ہوتی تھی، تھوڑا سا پیار کا ناٹک رچانا پڑتا تھا۔ مگر اس میں حرج ہی کیا تھا؟ مرد بے چارہ اپنے مالی تحفظ کو عزیز نہ رکھے تو کیا کرے؟ گریش کو ترپتا جتنا بڑھاوا دیتی گئی، گریش اتنا ہی اس کی طرف بڑھتا گیا۔ پہلے وہ مہیشوری ٹیکسٹائل ملز میں کام کرتا رہا تھا۔ اب پانچ سال بعد اسے مہیشوری پیپر ملز میں تعینات کیا گیا تھا۔ پانچ سال میں تو دنیا بدل جاتی ہے۔

ٹینس کورٹ آفس بلاک کے دائیں طرف تھا۔ فیکٹری کی عمارت آفس بلاک کے پیچھے تھی۔ کاغذ کی فیکٹری کے لئے مشینیں جرمنی سے آچکی تھیں اور انہیں نصب کرنے کا کام چل رہا تھا۔ جرمن انجینیر کئی بار گریش کا حوصلہ بڑھا چکا تھا کہ وہ پلانٹ کو آسانی سے سنبھال لے گا۔ ترقی — مادی ترقی — پتہ نہیں بڑے سے قصباتی مکان کی کھلی چھت پر مدھو اکیلی کھڑی چاند کی تھالی کو آسمان پر اُبھرتے دیکھ کر اُس وقت کیا سوچ رہی ہو گی؟

سارے کمپاؤنڈ میں مہوے کے گھنے پیڑوں کے جھنڈ چاندنی میں نہلائے کھڑے تھے۔ ان کے نیچے چاندنی گُل بوٹے بناتی ہوئی چھدرائی ہوئی تھی۔ ترپتا نے اَدھ کھلی آنکھوں سے منظر کا جائزہ لیا اور سوچا: یہ اٹھارہ سالہ شوخیاں اور گرما گرم آرزوئیں اور مچلتی، بپھرتی سیمابی خواہشیں میرے بتیس سالہ جسم میں کہاں سے آگئی ہیں؟ کیا یہ صرف ایک گُل گوتھنے سے، پیارے سے بچے کے لئے

میں اُردو ہوں مرا چرچا ہے مشرق اور مغرب میں
مرے ہر لفظ میں پیغام ہے امن و محبت کا

جی ہاں! — میرا نام غزل بھی ہے گیت بھی، نغمہ، خوشبو اور ترنم بھی۔ دانشگاہوں میں مجھے علم کے نام سے پکارا گیا۔ وطن کی آزادی اور اقدارِ انسانی کے تحفظ کے لیے میرے نعرے دشمن پر تلوار کی طرح برسے، مگر میرے نغموں کی پھواروں نے امن، صلح و آشتی کے پھول کھلائے۔

آج میں نے جنگ، تشدد اور دہشت پسندی کے خلاف پرچم امن و اتحاد بلند کیا ہے۔ اس کرۂ ارض پر میرے کروڑوں پرستار ہیں جو یقیناً اپنے معصوم بچوں کی مسکراہٹ کی خاطر، کائناتِ انسانی کے حُسن و خوبصورتی کے لیے، گلوں کی نکہت اور بلبلوں کے حیات آفریں نغموں کی بقاء کے واسطے امنِ عالم کے حصول کی جد و جہد میں میرا ساتھ دیں گے۔

اُردو ادب کی تاریخ کی اوّلین سہ روزہ

عالمی اُردو کانفرنس

عالمی مشاعرہ و سیمنار

۱۲ / ۱۳ / ۱۴ فروری ۱۹۸۸ء ، فکّی آڈیٹوریم ، نئی دہلی

ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، برما، سعودی عربیہ، عمان، کویت، دُبئی، ماریشس، برطانیہ، امریکہ، کناڈا، ناروے، سویڈن اور سوویت روس کے علاوہ دیگر ممالک کے ۱۰۰ سے زیادہ عالمی شہرت یافتہ شعراء کرام، دانشور، گلوکار و موسیقار حصہ لے رہے ہیں۔

پروگرام

- ۱۲ فروری ۱۹۸۸ء صبح ۱۰ بجے: افتتاح۔ (دانشوروں، شعراء، گلوکاروں و موسیقاروں کو عالمی اُردو ایوارڈز کی تقسیم)
  شام ۶ بجے: دوسرا عالمی مشاعرہ۔
- ۱۳ فروری ۱۹۸۸ء صبح ۱۰ بجے بزمِ مقالات و منظومات۔ شام ۶ بجے: شبِ اُردو (عالمی شہرت یافتہ گلوکاروں کی غزل سرائی)
- ۱۴ فروری ۱۹۸۸ء صبح ۱۰ بجے: بزمِ مقالات و منظومات۔ شام ۶ بجے: بزمِ غزل و رقص۔

- شرکت کے خواہشمند اصحاب مبلغ ۲۰۰ روپے ڈیلیگیٹ فیس ارسال کر کے ڈیلیگیٹ بنیں۔ صرف ڈیلیگیٹس کو ہی داخلہ کی اجازت ہوگی۔
- فری پاس کا کوئی اہتمام نہیں ہوگا
- ڈیلیگیٹ بننے کے لئے آخری تاریخ ۱۵ جنوری ہے۔
- شریک ہونے والے ڈیلیگیٹ تمام پروگراموں میں شامل رہیں گے
- سفر خرچ و قیام وغیرہ کے مصارف کے وہ خود ذمہ دار ہوں گے۔

جاری کردہ:

عالمی اُردو کانفرنس سکریٹریٹ

۱۶۴ راؤز ایونیو، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

فون: ۳۳۱۱۲۴۰ - ۳۳۱۹۶۷۵ - ۳۳۱۸۶۹۳ ٹیلکس: ۶۵۹۸۹-۳۱، اُردو اِن

www.taemeernews.com

سری دیوی فلم 'فرشتے' میں

عورت کی ازلی تمنا ہے ؟ یکایک وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے لگاوٹ بھری نظروں سے گریش کو دیکھتے ہوئے للکارا : ہمت ہے تو مجھے پکڑ کر دکھاؤ"
یہ کہتے ہی وہ کسی مست ہرنی کی طرح چھلانگیں مارتی ہوئی مہوے کے پیڑوں کے جھنڈ کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ جہاں چاندنی اور سائے آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔

گریش اور ترپتا ہرنوں کے جوڑے کی طرح چوکڑیاں بھرتے رہے۔ ترپتا کبھی گریش کے سامنے آجاتی ، کبھی کسی پیڑ کی آڑ میں چھپ جاتی۔ کافی دیر تک وہ گریش کی پکڑ سے دُور رہی۔ پھر ہانپتے ہوئے گریش نے ترپتا کو ایک چھتنار درخت کے نیچے جا ہی لیا۔

ترپتا بھی ہانپ رہی تھی۔ اس کا چاندنی جیسا سراپا چاندنی ہی کے گل بوٹوں سے سجا ہوا تھا۔ پُرشوق نگاہیں گریش کے چہرے پر جمائے وہ اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے چپ چاپ کھڑی رہی بالکل بے لباس۔ نیلی جینز اور گلابی شرٹ گڈمڈ ہوئے اس کے قدموں میں پڑے تھے۔

جگ دل پور کے نواح میں نوابی ٹھاٹ سے آراستہ بنگلے کے پیچھے بنے ہوئے باغیچے میں کنول نین مہیشوری فوارے کے پاس کرسی ڈالے سوچ کے بھنور میں ڈوب رہا تھا ، اُبھر رہا تھا۔ رات دبے پاؤں آگے سرک رہی تھی۔ مرکزی ہال میں پارٹی کا ہنگامہ سرد ہو چکا تھا اور وہاں نوکر چاکر گلاسوں پلیٹوں وغیرہ کے انبار ہٹانے میں مصروف تھے۔

کنول نین کی (نام کے برعکس) چھوٹی اور مچی ہوئی سی آنکھوں میں زمانے بھر کی تھکن سما گئی تھی۔ امپورٹیڈ اسکاچ نے معمول کی طرح اُسے سُرور نہیں بخشا تھا ، بلکہ اس کے حواس پر اُداسی کی اور بھی دبیز تہہ چڑھا دی تھی۔ ساری شام ایک سے ایک وحشت خیز افواہ اور خبر کانوں کے راستے سے اتر کر اُس کے دل کو دہشت سے دوچار کرتی رہی تھی۔ نڈھال تو وہ پہلے سے ہی تھا۔ جنگلات کے ایک اور ٹھیکے دار کے ساتھ مل کر اس نے بے تحاشا نفع کی اُمید میں بڑے بجٹ کی دو فلموں میں سرمایہ لگایا تھا اور دونوں ہی فلمیں فلاپ ہو گئی تھیں۔ اور اب شام کو ہر زبان ڈراؤنی باتیں اُگلنے میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی تاک میں رہی تھی۔

کنول نین نے یہ پارٹی ریاستی وزیر کے اعزاز میں دی تھی ، جو اپنے پورے تام جھام کے ساتھ بستر کے قبائلی علاقوں کا دورہ کرنے نکلے تھے —— قبائلیوں کی پریشانیوں اور تکلیفوں کی گونج ریاستی اسمبلی میں ہی نہیں ، مرکزی پارلیمنٹ میں بھی لہریں پیدا کر رہی تھی۔ اس لئے ریاستی وزیر خود اپنی آنکھوں سے جائزہ لینا چاہتے تھے۔ لیکن کنول نین کی نظر میں ریاستی وزیر کی آمد کا منشا صرف ایک تھا : قبائلیوں کو بہلا پھسلا کر آنے والے الیکشن میں اپنی پارٹی کے لئے قبائلی ووٹ کو یقینی بنانا۔ کنول نین قبائلیوں کی ساری شکایتوں کو بے معنی اور ساری مانگوں کو ناروا اور بے بنیاد سمجھتا تھا۔ یہ لوگ اگر صدیوں سے پچھڑے ہوئے تھے تو اس میں اس کا اور اس جیسے دوسرے سرمایہ داروں کا کیا قصور تھا ؟ انہوں نے اس علاقے میں روزگار کے مواقع پیدا کئے تھے ، قدرتی دولت کو کام میں لا کر ملک کو خوش حالی کی راہ پر ڈالا تھا ، اپنا سرمایہ ، اپنی محنت ، اپنی مہارت جھونک کر بھوکوں ننگوں کو روزی روٹی فراہم کی تھی۔ اس پر بھی قبائلی فریاد کرتے تھے کہ انہیں لُوٹا کھسوٹا جا رہا ہے ، جنگلات کے محکمے کے عملے اور ٹھیکے داروں کی ملی بھگت سے جنگلوں کا صفایا کیا جا رہا ہے اور انہیں

www.taemeernews.com

● جوہی چاولہ اور آلوک ناتھ (فلم: جان پہ کھیل کر)

پیچھے دھکیلا جا رہا ہے، سرکاری عملہ ان پر ظلم کرتا ہے، پولیس ان پر ستم توڑتی ہے۔ فاریسٹ گارڈ ان پر حملے کرتے ہیں، ان کی بہوؤں، بیٹیوں کی عزت لوٹتے ہیں۔ سراسر بکواس! یہ لوگ خود ہی کھیتی باڑی کے لئے جنگل کے ایک حصے کو درختوں سے محروم کر دیتے ہیں اور اگلے برس زراعت کے لئے کسی اور علاقے کے پیڑ کاٹ کر جلا دیتے ہیں۔

بے چارے فاریسٹ گارڈ انہیں روکیں تو یہ ظلم ہے زیادتی ہے۔ سیاست، بیوروکریسی اور سرمائے کا گٹھ جوڑ ہے! یہ صحیح ہے (کنول نین نے سوچا) کہ ہم لوگ کنٹریکٹ میں درج تعداد سے کچھ زیادہ پیڑ کٹوا لیتے ہیں، لیکن یہ تو ہماری مجبوری ہے۔ آخر ہمیں بھی الیکشن کے لئے چندہ دینا پڑتا ہے۔ ہر سطح پر سرکاری عہدہ داروں کو خوش رکھنا ہوتا ہے۔ یہ ساری رقمیں کہاں سے آئیں؟

کنول نین کو قبائلیوں پر بے تحاشا غصہ آ رہا تھا بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ خود تو کچھ کام دھام کریں گے نہیں اور نعرے یہ لگاتے پھریں گے کہ سارے جنگل ہمارے ہیں۔ یہاں پیڑ نہ کاٹو۔ کانیں نہ کھودو، صنعتیں نہ قائم کرو۔ بس بوریا بستر سمیٹ کر یہاں سے رفو چکر ہو جاؤ کمال ہے! پہلے تو ان کی کھال تک اُدھیڑ دی جاتی تھی تو بھی یہ مونہہ سے اُف تک نہ کرتے تھے اور اب یہ مجال! ستم یہ ہے کہ بھانت بھانت کے بازی گر ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگے ہیں۔ اپوزیشن پارٹیاں، سماج سیوا کرنے والے، ماحولی توازن کی دُہائی دینے والے ایکشن گروپ اور سب سے بڑھ کر مشنری! انہوں نے ہی قبائلیوں کی بیداری کے نام پر ان کے دماغوں میں بھوسا بھرا ہے۔ جیسے ہم یہاں سے رخصت ہو جائیں تو یہاں ہر طرف خوش حالی کا دور دورہ ہو جائے گا۔ ارے، اگر ہمارا سرمایہ، ہماری سوجھ بوجھ، ہماری تکنیکی مہارت یہاں نہ رہی تو قبائلیوں کی مالی حالت سُدھرے گی کیسے؟ یہ مشنری بھی عجب خرد ماغ لوگ ہیں! چلے آتے ہیں سات سمندر پار سے لوگوں کو بھڑکانے کے لئے۔ تعلیم اور عوامی خدمت کی آڑ میں اپنے دھرم کا پرچار کرتے ہیں۔ چلو، دھرم کا پرچار بھی کر لو قبائلیوں کے ذہنوں میں ایسی خرافات تو نہ ٹھونسو کہ وہ نہ دین کے رہیں نہ دنیا کے۔

پارٹی میں کنول نین نے سب ہی بڑے بڑے لوگوں کو بلایا تھا۔ سیاست، کاروبار، صنعت، سماج سیوا اور دوسرے تمام آسمانوں کے جگمگاتے چاند تارے موجود تھے۔ یہاں تک کہ وہ شعلہ نوا شاعر بھی آیا تھا جو رائج نظام کی مخالفت میں آگ اُگلتا رہتا تھا اور رائج نظام کی محفلوں میں اس لئے پہنچ جاتا تھا کہ کہیں وہ عمدہ شراب کے ساتھ ریاستی اور مرکزی ساہتیہ اکیڈیمی کی اعزاز بخشی کے امکان سے بھی محروم نہ ہو جائے۔ مگر آج کی محفل کنول نین کے لئے سُرور انگیز کم اور وحشت خیز زیادہ ثابت ہوئی تھی۔ لگ بھگ سب ہی مہمان مختلف سُروں میں ایک ہی راگ الاپ رہے: گیا دورِ سرمایہ داری گیا! ہونہہ! قبائلیوں کی حالت سدھارنے کی راہ ترقیاتی اسکیمیں ہیں، ان کو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینے کے کھوکھلے نعرے نہیں۔ یہاں جو کچھ بھی رونق ہے، ہمارے دَم سے ہے۔ یہ کم بخت مشنری ہماری دین کو کیا سمجھیں گے۔ یہ تو اپنے فائدے کے لئے قبائلیوں کو ورغلاتے رہیں گے کہ منظم ہو جاؤ اور باہر سے آنے والے اپنے محسنوں کو دُور بھگا دو۔ سب جانتے ہیں کہ ان قبائلیوں کی حالت کبھی نہیں سُدھر سکتی۔ ہندوستان میں آریوں کے آنے سے پہلے بھی یہ جنگلی تھے، اب اتنی صدیاں بیت جانے پر بھی جنگلی ہیں۔ پچھلے جنم کے کرموں کا پھل تو سب کو بھگتنا ہی ہوگا۔ اب مشنریوں اور ان کی سرگرمیوں کو بڑھاوا دینے والے غیر ملکی سرمائے کے خلاف اسی لئے آواز اُٹھ رہی ہے۔ یہ تو دھرم کو بچانے کا سنگھرش ہے۔ کنول نین جیسے دولت مند لوگ اس کے لئے دھارمک سنستھاؤں کو مدد کیوں نہ دیں؟ فضا میں پھر خون کی بُو پھیلنے لگی ہے۔ کچھ مشنریوں پر مختلف الزامات لگا کر انہیں یہاں سے نکالا بھی جا چکا ہے۔ مگر قبائلیوں کو شہ دینے والے یہ اپنے ہی ملک کے گروپ ــــ ان کا مقابلہ کس طرح کیا جائے؟

پتہ نہیں ریاستی اسمبلی اور خود پارلیمنٹ میں جنگلوں کے ٹھیکے داروں کی لابی کہاں سوئی پڑی ہے۔ ان لوگوں کو کتنا ہی کھلاؤ پلاؤ، وقت پڑنے پر سب کو سانپ سونگھ جاتا ہے۔ کم بخت علاقے کا ایم ایل اے جو اس لابی کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہے، آج کی پارٹی میں آیا ہی نہیں۔ بس یہ بہانہ بنا کر بیٹھ رہا کہ اسے ایک جگہ نمائش کا افتتاح کرنا ہے اور وہاں اسے کافی دیر ہو جائے گی۔ اور یہاں وزیر صاحب بڑی صفائی کے ساتھ یہ اشارہ کر گئے کہ حکومت بانس ماری (بانسوں کی وادی) میں جنگل اور کانوں سے حاصل ہونے والے خام مال سے چلنے والی صنعتوں کو پھیلانے کی پالیسی پر نظر ثانی کرے گی۔ نظر ثانی کی ایسی تیسی۔ اگر کوئی گڑبڑ ہو گئی تو مہیشوری پیپر ملز کا کیا بنے گا، نین کنول؟ اس پروجیکٹ میں تم پہلے ہی کروڑوں لگا چکے ہو۔ اگلے مہینے ہی پلانٹ میں کام شروع ہو جانا ہے۔ ترپتا نے اسی سلسلے میں آج شام جرمن انجینئراور گریش کے ساتھ میٹنگ طے کر رکھی تھی ــــ یہ ترپتا ابھی تک کیوں نہیں آئی؟

نین کنول کے غصے کا لاوا کئی رُخوں پر بہنے لگا۔ باہر کی دنیا میں ہی نہیں، اندر کی دُنیا میں بھی کتنی طوفانی ہلچل، کتنا ہلاکت خیز انتشار ہے! ایسے میں جنگلی بلی سے دھینگا مشتی ہی اس کے اعصاب کو سکون بخش سکتی ہے۔

اسی لمحے جنگلی بلی ــــ کسے کسائے آبنوسی جسم والی قبائلی لڑکی نین کنول کو برآمدے سے گزر کر ملازموں کے کوارٹروں کی طرف بڑھتی دکھائی دی۔ نین کنول کا جی چاہا کہ لپک کر اسے دبوچ لے۔

کہیں دُور کوئی کوئل کُوکی۔ نین کنول چونک اٹھا۔ جاتے جاڑوں کی رُت میں کوئل کے کُوکنے کا کیا کام؟ شاید وقت واقعی بدل رہا ہے۔ شاید

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

● کمی کاٹکر (فلم: 'شیر دل')

سب کچھ بدلنے لگا ہے۔

کوئل کی کوک سن کر جنگلی بلی پل بھر کو ٹھٹکی۔ پھر آگے بڑھ گئی۔ اسی درمیان نین کنول نے بھی اپنی بھڑکتی ہوئی خواہش پر قابو پالیا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اسے ابھی اسی وقت جاکر علاقے کے ایم ایل اے سے ملنا ہوگا، تاکہ باڑھ کے آنے سے پہلے ہی پشتے کو خوب مضبوط کرلیا جائے۔ برآمدے میں اسٹول پر بیٹھے ہوئے نوکر کو اس نے آواز دے کر بلایا اور اسے ہدایت کی: "فوراً جاکر ڈرائیور سے کہو کہ جیپ نکال کر لے آئے۔"

جنگلی بلی کسی سے کچھ نہیں بولتی تھی۔ اس کے چہرے سے بھی کوئی تاثر نہیں جھلکتا تھا۔ صرف اس کی آنکھوں میں چنگاریاں سی لپکتی نظر آتی تھیں۔ دن بھر وہ مشینی انداز سے بنگلے کی صفائی اور دوسرے چھوٹے موٹے کاموں میں لگی رہتی۔ مگر ہر دوسری تیسری رات کو، جب سیٹھ پر ہوس کا بھوت سوار ہوتا، جیسے اس کے ناخن ملائم پنجوں سے باہر آجاتے۔ ہاتھا پائی میں اس کے کپڑے تار تار ہوجاتے، مگر پھر اس کا سنولایا ہوا سراپا، کسی چٹان سے تراشا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ کمرے کے اندھیرے میں چھلاوے کی طرح سیٹھ کے قریب اور دور مچلتا پھرتا۔ سیٹھ کے چہرے اور بے لباس جسم پر خراشیں ہی خراشیں پڑجاتیں۔ پھر ہانپتے ہانپتے اسے اپنے آپ آسودگی سی میسر آجاتی اور وہ دروازے کی چٹخنی کھول دیتا۔ اگلے ہی پل 'بانس ٹاری' کی آزاد ہوا کمرے سے باہر نکل جاتی۔

نین کنول کو یاد نہیں تھا کہ 'بانس ٹاری' کی نمکین ہوا کی عادت اسے کب پڑی تھی۔ لیکن اس کا ایک اثر یہ ہوا تھا کہ نرم لمس سے اسے کراہت سی ہونے لگی تھی۔ ترپتا کو اس نے شادی سے پہلے چھوا نہیں تھا، لیکن اس کا اندازہ تھا کہ ٹینس کورٹ میں تھرکتی ہوئی یہ پری عام شہری لڑکیوں کی طرح نرم اور لجلجی نہ ہوگی۔ تاہم اس کا اندازہ غلط نکلا اور سہاگ رات کو ہی اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی جان دار سرکش جوانی نہیں، ایک ربڑ کی گڑیا اس کے پہلو میں ہے۔ چنانچہ وہ پھر 'بانس ٹاری' کے سانولے، ٹھوس، آسانی سے قابو میں نہ آنے والے حسن کے مزے لوٹنے لگا۔

پہلے غریبی کی ماری قبائلی لڑکیاں بڑی آسانی سے (اور بہت کم قیمت پر) باہر سے آنے ہوئے لوگوں (سرکاری کارکنوں، ٹھیکے داروں، جنگلات کے محکمے کے افسروں اور کارندوں) کے ہاتھ لگ جاتی تھیں۔ لیکن اب ماڑیا قبیلے کی غیرت جاگنے لگی تھی۔ پچھلے مہینے بڑی مشکل سے کنول نین کے گرگے

فاریسٹ گارڈ بیلاڈلا کے جنگلوں سے سولہ سالہ پاری کو اٹھا لائے تھے۔ مگر یہ وحشی ہرنی ابھی تک رام نہیں ہوئی تھی۔ کنول نین بھی اسے 'جنگلی بلی' کا نام دے کر اس کے حملوں سے پیدا ہونے والی ایک طرح کی مساکی لذت پر قناعت کرنے لگا تھا۔

پاری ہر وقت گم صم رہتی تھی۔ ایک قیامت جیسا منظر اس کے ذہن پر نقش ہوگیا تھا۔ وہ ایک بھیانک خواب تھا اور پاری تڑپ رہی تھی کہ کب اسے ڈراؤنے سپنے سے چھٹکارا پانے کے لئے اس کی آنکھ کھلتی ہے۔

بیلاڈلا کے اندرونی جنگلوں میں ماڑیا قبیلے کے لوگوں نے ایک قطعہ کو پیڑوں سے صاف کرکے عارضی بستی بسا رکھی تھی۔ وہ پورے چاند کی رات تھی اور پورن ماشی کا جشن منانے کے لئے سارے قبائلی درختوں سے گھرے ہوئے کھلے میدان میں اُمڈ آئے تھے۔ ڈھول کی تھاپ اور اکتاروں کی رُوں رُوں گونج رہی تھی۔ تاڑی کے نشے میں بدمست قبائلی عورتیں اور مرد ناچنے گانے میں مگن تھے۔ پاری اپنے اٹھارہ سالہ محبوب سوما سے لگی بیٹھی تھی۔ اس رات اس نے پہلی بار تاڑی پی تھی اور کچھ ہی دیر پہلے بانسوں کے جھنڈ میں پہلی بار ملن کا لطف اٹھایا تھا۔ دونوں نشے اور کیف کی لہروں میں تیرائے ہوئے تھے۔ اگلی پورن ماشی کو اس کی شادی سوما سے ہونے والی تھی اور شرور اس کی رگ رگ میں رچا ہوا تھا۔

یکایک گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز آئی۔ پھر ہوائی فائر ہوئے۔ بھگدڑ مچی۔ پاری کو کچھ فولادی ہاتھوں نے اٹھاکر گھوڑے پر ڈال دیا۔ وہ بے جان سی ہوگئی۔ دھند اس کے حواس پر چھاگئی۔

ماڑیا قبیلے کے لئے یہ کوئی انہونی واردات نہ تھی۔ وقفے وقفے سے وہ ایسے حملوں کا نشانہ بنتے ہی رہتے تھے۔ مقصد انہیں جنگلوں میں پیچھے، بہت پیچھے دھکیلنا ہوتا تھا۔ سرکاری کاغذات، پولیس ریکارڈ اور مقامی اخباروں میں ایک سرسری سی 'خبر' محفوظ ہوجاتی تھی کہ قبائلی کھیتی باڑی کے لئے درختوں کا صفایا کررہے تھے۔ فاریسٹ گارڈ انہیں روکنے لگے تو انہوں نے ان پر حملہ کردیا۔ تاہم فاریسٹ گارڈ انہیں بھگانے میں کامیاب ہوگئے۔

اس بار اگلے دن ہی بھالوں اور کلہاڑیوں سے لیس ماڑیا قبائلی فاریسٹ رینجر کے بنگلے پر مظاہرہ کرنے کے لئے پہنچ گئے۔ پھر انہوں نے دورے پر آئے ہوئے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے بھی فریاد کی۔ انہیں انصاف کا وعدہ تو ملا، لیکن انصاف نہیں ملا۔ ملتا بھی کیسے؟ مجرم خود ہی منصف تھا۔

پاری کو بہلانے پھسلانے کے لئے کنول نین نے پہلے سے آئی ہوئی ایک گونڈ لڑکی بلاسی کو مامور کیا۔ بلاسی کو بھوک کنول نین کے در تک کھینچ لائی تھی۔ اس نے پاری کو لاکھ سمجھایا، مگر پاری کسی طرح نہیں مانی۔ وہ تو کوئی جواب تک نہیں دیتی تھی۔ بس اس

کی آنکھیں چنگاریاں برساتی رہتی تھیں۔ پھر ہوتے ہوتے کنول نین اس جنگلی بلی کی خراشوں سے ہی لذت کے نقطۂ عروج پر پہنچنے لگا۔

آج پھر چودھویں کی رات تھی۔ برآمدے سے نوکروں کے کوارٹروں کی طرف بڑھتے بڑھتے پاری نے کوئل کی کوک سنی تو بھیانک خواب کا منظر جھٹک کر اس کے ذہن سے دُور جا گرا۔ اس نے فوارے کے پاس بیٹھے ہوئے کنول نین پر ایک نظر ڈال کر سوچا کہ آج بھی شاید بھیڑیا اُسے اندھیرے میں گھیرنے کے لئے آئے گا۔ پھر وہ بے نیازی سے آگے بڑھ گئی، جیسے کوئل کی کوک نے اُس تک کوئی ڈھکا چھپا پیغام پہنچایا ہو۔

بیلاڈلا کے جنگلوں میں پیچھے، بہت پیچھے ماڑیا قبیلے نے ایک نئی بستی بسائی تھی اور پورن ماشی کے جشن کی دھما چوکڑی پھر مچی ہوئی تھی — وہی ڈھول اور اکتاروں کی گونج، وہی تاڑی کے نشے میں بدمست ماڑیا عورتوں، مردوں کا ناچنا گانا۔

پاری پھر تاڑی اور ملن، دونوں نشوں سے سرشار سوما سے لگی بیٹھی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد ان کی شادی ہونے والی تھی۔ پاری کی لڑکھڑاتی زبان رُکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ چہکتے لہجے میں اس نے سوما سے کہا "سچ، تم بالکل کوئل کی طرح کُوکتے ہو!" اور سوما نے اسے (شاید ہزارویں بار) لپٹا لیا۔

الاؤ کی روشنی میں پارو اور سوما، دونوں کی سیاہ آنکھوں میں تارے جھلملا رہے تھے۔ الاؤ سے کچھ فاصلے پر ایک بڑا سا لوہے کا تھال رکھا تھا، جسے پہلے الاؤ پر تپا لیا گیا تھا اور اس تھال پر ایک انسانی سر رکھا تھا، جو تھال کے تپے ہوئے ہونے کے باعث دیوانہ وار اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر ناچتا پھر رہا تھا۔ نشے میں چُور قبائلی اس ناچ کو دیکھ دیکھ کر بار بار نعرے لگا رہے تھے۔ اور ان نعروں میں پارو اور سوما کی آواز سب سے اونچی سنائی دیتی تھی۔

صبح کے وقت شعلہ نوا شاعر نے چائے پیتے پیتے جگ دل پور کے مقامی ہندی اخبار میں ایک خبر شاید دسویں بار پڑھی اور شاید بیسیوں بار آہ بھری، کیوں کہ خبر جتنی سنسنی خیز تھی، اتنی ہی پریشان کن بھی تھی۔ علاقے کے مشہور ٹھیکے دار اور صنعت کار کنول نین مہیشوری کا قتل —— کل رات کنول نین جیپ میں بیٹھے کہیں جا رہے تھے تو ان کے ڈرائیور نے ایک کٹے ہوئے پیڑ کے سڑک پر پڑے ہوئے ہونے کے باعث جیپ روک دی۔ اسی لمحے کلہاڑیوں سے لیس قبائلیوں نے دونوں پر حملہ کر دیا۔ ڈرائیور زخموں کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گیا اور قبائلی کنول نین مہیشوری کا سر کاٹ کر اپنے ساتھ لے گئے۔ ۔ ۔ ۔"

اب کیا ہوگا؟ (شعلہ نوا شاعر نے سوچا) تشدد صرف مزید تشدد کو دعوت دیتا ہے۔ پولیس اصل مجرموں کو شاید نہ پکڑ سکے، مگر وہ ماڑیا قبیلے پر بربریت کی قیامت ضرور نازل کر دے گی۔ لیکن میں اس ظلم اور جوابی ظلم کے ہیبت ناک دَور کو کیسے ختم کر سکتا ہوں؟ میں تو صرف ایک شاعر ہوں اور وہ بھی ایسی زبان کا شاعر جسے وہ لوگ سمجھتے بھی نہیں جن کے لئے میں لکھتا ہوں۔ میں قبائلیوں کا جو نوحہ لکھتا ہوں، وہ قبائلیوں کے دلوں تک پہنچتا ہی کہاں ہے؟ لیکن اس دنیا میں ہر شخص کے لئے جو کام مقدر ہے، وہ تو اسے کرنا ہی ہے۔ میں آج پھر قبائلیوں کے المیہ کے دل دوز اور اس کے ساتھ ہی للکار بھرے لفظوں کے آبشار میں ڈھالوں گا۔ شاید یہی شہ پارہ مجھے ریاستی یا ملکی سطح کا کوئی بڑا اعزاز دلا دے۔

شعلہ نوا شاعر کاغذ، قلم سنبھالے الہامی انداز کے الفاظ نقش کرنے لگا اور تاریخ کا چہرہ کبھی تہذیب کے روشن دریچوں سے جھانکتا رہا اور کبھی (زیادہ تواتر کے ساتھ) آج کے نئے دورِ وحشت ڈراؤنی جادوگری سے۔ ●●

کیا کبھی آپ نے سوچا ہے

آپ کا نام کیا ہے؟
آپ کے بچے کا نام کیا ہوگا؟

ہر ماں باپ کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ایک حسین اور شیریں نام دیں۔ لیکن ناموں کے معنی اُن کی تواریخ، ان کے اثرات سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ انسان کی زندگی پر اُس کے نام اور نام کے اعداد کا اثر ہوتا ہے۔ بامعنی اور پُرکشش نام بچے کی عادت، ذہن، **اعمال**، کردار اور خیالات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

مختار صاحب نے بڑی کاوش و تحقیق کے ساتھ ہزاروں اسلامی ناموں کے معنی اور ان کی مختلف شکلوں کو یک جا کیا ہے۔ ناموں کے صحیح مطلب جاننے کے لئے اور بچوں کے صحیح اسلامی نام رکھنے کے لئے **"اسلامی نام"** جیسی مفید کتاب آج تک شائع نہیں ہوئی۔

قیمت فی کاپی = ۱۰ تولہ روپے (ڈاک خرچ علیحدہ)

آج ہی ایک پوسٹ کارڈ لکھ کر گھر بیٹھے وی پی ڈاک سے منگوا لیجئے، یا اپنے اخبار فروش سے طلب کیجئے!

شمع بک ڈپو، آصف علی روڈ، نئی دہلی ۲ —

غیر ملکی حضرات "اسلامی نام" منگانے کے لئے پچاس روپے کا بینک ڈرافٹ شمع بک ڈپو کے نام بنوا کر بھیجیں۔ ڈرافٹ بینک سے ہی بنوائیں۔ کسی پرائیویٹ ایکسچینج کمپنی سے نہ لیں۔

آپ کو ہندوستان کے کسی گوشے میں یا دنیا کے کسی بھی ملک میں اردو، انگریزی، ہندی، پنجابی کتابیں یا رسائل منگوانے ہوں تو شمع کے ادارے کو خدمت کا موقع دیجئے۔ غیر ممالک میں شہر شہر نئے ایجنٹ بنائے جا رہے ہیں!

www.taemeernews.com

بمبئی

کندن سنگھ اختر ہرےواسیہ

میں نے سوچا تھا ترے شہر کے بازاروں میں
جلوے ہی جلوے ہر اک سمت بکھرتے ہوں گے
کیف برساتے ہوئے بادِ صبا کے جھونکے
تیرے زرکار دریچوں سے گزرتے ہوں گے
مہ و انجم کے شبستاں سے چرا کر تنویر
نکہت و نور کی دوشیزہ سنورتی ہوگی
نشۂ حسن میں سرشار پری کی صورت
زندگی شیشۂ مستی میں اترتی ہوگی

میں نے سوچا تھا تری زلفوں پہ رکھ کر پلکیں
تیرے مہکے ہوئے آغوش میں سو جاؤں گا
ڈال کر تیری حسیں باہوں میں اپنی باہیں
رامش و رنگ کی دنیاؤں میں کھو جاؤں گا
لیکن اے غیرتِ ناہید، یہ احساسِ جمیل
ایک موہوم سا افسانۂ باطل نکلا
میں نے سمجھا تھا جسے تیری سنہری کاکل
وہ ہی اک حلقۂ زنجیر و سلاسل نکلا

ان دمکتے ہوئے بازاروں کے ایوانوں میں
یوں تو سب کچھ ہے مگر جذبۂ ایثار نہیں
نغمۂ ساز بھی ہے رقص و شبو بھی لیکن
ایک اخلاص کے پازیب کی جھنکار نہیں
میرے ملبوسِ گدایانہ سے اے رشکِ پری
تیری نظریں بھی بدل جائیں گی معلوم نہ تھا
مخمل و نیلم و الماس میں بل کھا کھا کر
جسم کی قوسیں بھی لہرائیں گی معلوم نہ تھا

اپنے زرکار دریچوں سے ہٹا کر چلمن
عالمِ یاس میں جذبات کے شہزادے کو دیکھ
اپنے چوراہے کے فٹ پاتھ کے اک گوشے میں
گرد میں لپٹے ہوئے رات کے شہزادے کو دیکھ
رقص کرتی نہ تمناؤں کی پائل دل میں
زیست بے کیف نہ یوں ہو گئی ہوتی اے کاش!
سوچتا ہوں مری مشتاق نظر کا مرکز
تیرا پیکر نہ تری بمبئی ہوتی اے کاش

اجنبی نظرو، مرے فن کی حسیں گرمی سے
خلوتِ ناز میں قندیلیں بھی جل سکتی ہیں
میری تاروں بھری آغوش میں بنتے بنتے
ایک کیا سیکڑوں سلطانیں مچل سکتی ہیں
آخری رات مری آج ترے شہر میں ہے

اے بمبئی!

مجھ کو یہ دھڑکا تھا تجھے شاید نہیں ہوں یاد میں
آیا ہوں تیرے شہر میں، کتنے ہی برسوں بعد میں
لیکن یہ عالم دیکھ کر پھر ہو گیا دل شاد میں
اپنی غزل کے ساتھ ہوں چاروں طرف آباد میں
واقف ہیں میرے نام سے نسلیں پرانی اور نئی
اے بمبئی، اے بمبئی!

آیا تھا میں اس شہر میں دو چار دن کی سیر کو
تو نے لگایا ہے گلے چھ ماہ تک اک غیر کو
میں ڈھونڈتا ہی رہ گیا آپس کے پچھلے بیر کو
اک دوستی کی آرزو تھی اس "حرم" سے "دیر" کو
وہم و یقیں کے درمیاں میں نے بُنے سپنے کئی
اے بمبئی، اے بمبئی!

پھر یوں ہوا کہ پیار نے ایسی پذیرائی میری
تنہائیوں میں کھو گئی ایک ایک تنہائی میری
منظور تھی دل کو مگر تھوڑی سی رسوائی میری
جذبات نے بھولی ہوئی تاریخ دہرائی میری
چھائی میرے احساس پر، پھر ایک بدلی شرمئی
اے بمبئی، اے بمبئی!

یہ جگمگاتی، جھومتی راتوں میں اپنے رت جگے
اچھے سے اچھے خواب بھی جن سے مجھے کم تر لگے
پھر ساتھ میرے جاگتے، گاتے وہ مجھ سے ست رنگے
جن کی دمکتی دل کشی اب تک مرے دل کو ٹھگے
دل میں ہمیشہ کے لئے اک بے کلی سی رہ گئی
اے بمبئی، اے بمبئی!

اب تک مری پلکوں پہ ہے شبنم کسی کے پیار کی
اب تک کھلی ہے چاندنی مجھ میں جمالِ یار کی
اے شہرِ خوباں خیر ہو تیرے در و دیوار کی
پھر کب دکھائے گا جھلک تو ان لب و رخسار کی
پھر کب لگائے گا گلے، اے شہرِ خوباں بمبئی
اے بمبئی، اے بمبئی!

حشمت نعیم

www.taemeernews.com

ایک منحوس دن

قیصر تمکین
(کمبران، ویلز، یوکے)

کچھ کھٹ پٹ ہوئی۔ کوئی کمرے میں آیا اور چلا گیا۔

عشیر صاحب نے کروٹ بدلی اور ذرا خوابناک کاہلی سے دیکھا تو بستر کے پاس چھوٹی میز پہ چائے کا سامان رکھا تھا اور ساتھ ہی کشتی میں دو چار خط اور صبح کا اخبار بھی تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا بیگم صاحبہ آئی تھیں۔

جب سے عشیر صاحب بے روزگار ہوئے تھے، ان کی بیگم ان کا بہت خیال کرنے لگی تھیں۔ کہاں تو شوہر کو مُونہہ بھی نہیں لگاتی تھیں اور کہاں اب یہ حال تھا کہ سویرے خود ہی چائے بنا کر لاتیں۔ ان کے خطوط بغیر کھولے اور پڑھے ہوئے ان کے کمرے میں قاعدے سے رکھ کر چلی جاتیں۔ اور اس خدمت اور وفا شعاری کے حیلے میں گھر کی ضروریات کی کوئی لمبی چوڑی فہرست کبھی نہ پیش کرتیں۔

عشیر صاحب بیگم صاحبہ کی مہربانیوں کا خیال کر کے بہت دل شاد ہوئے اور خوش دلی کے ساتھ بستر سے ہی ہاتھ بڑھا کر اخبار اُٹھایا: لاحول ولاقوۃ' — پہلے صفحہ پر نظر پڑتے ہی ان کی طبیعت بدمزہ ہو گئی، کیوں کہ اس پر شاہی خاندان کے سب سے مکروہ اور سب سے زیادہ منحوس رُکن کا بڑا سا فوٹو چھپا ہوا تھا۔ عشیر صاحب کو ہر طرح کی شاہی سے ازلی بغض تھا، خواہ وہ بیگم شاہی ہو، نوکر شاہی ہو یا دفتر شاہی، یہ تو شاہی شاہی تھی۔ چنانچہ اس منحوس فرد کی تصویر دیکھتے ہی وہ جل بھُن کر کباب ہو گئے۔ وجہ یہ تھی ان کے دوست احباب شاہی گھرانے میں جتنی زیادہ دل چسپی لیتے اور آپ ہی آپ "کوئین مدر" قسم کے آثارِ قدیمہ سے عقیدت ظاہر کرتے، ان کی بیزاری اتنی ہی زیادہ بڑھتی۔ ان کا قول تھا کہ جس میں جتنا کم 'آئی کیو' ہوتا ہے وہ اتنا ہی زیادہ شاہی گھرانے کا معتقد ہوتا ہے۔

چنانچہ سویرے یہ منحوس چہرہ اخبار کے پہلے صفحے پر دیکھ کر وہ ڈر سے گئے اور دل ہی دل میں کہا: "اللہ ہی خیر کرے۔ دیکھئے آج کا دن کیسا گزرتا ہے۔"

بہت برداشتہ خاطر ہو کر وہ غسل خانے میں گئے۔ برش اُٹھایا ہی تھا کہ طبیعت جھلّا گئی۔ ان کو یاد آیا کہ پیسٹ نہیں تھا۔ خود اپنی یادداشت پر جھنجھلاتے ہوئے انہوں نے کوڑے کی ٹوکری سے پرانا مروڑا ہوا ٹیوب نکالا، جو انہوں نے پچھلے دن یہ سوچ کر پھینک دیا تھا کہ اب نیا تو آ ہی جائے گا۔ پُرانے ٹیوب کو انہوں نے پھر ایک بار اچھی طرح دبایا اور طرح طرح مروڑا اور آخر میں اس کو نل کی ٹونٹی کے ساتھ لگا کر جو زور لگایا تو شرماشرمی تھوڑی سی مقدار برآمد ہو ہی گئی۔ اس کو انہوں نے برش پہ سمیٹا۔

دانتوں پہ برش کرتے ہوئے وہ سوچ رہے تھے کہ دیکھئے، آج کی ڈاک سے کیا آتا ہے۔ ان کا خیال بھٹک گیا اور کچھ اس طرح کہ برش کے ایک سرے پر ناروا اور غیر ضروری دباؤ پڑا اور وہ بیچ سے کھٹ سے ٹوٹ گیا۔

"ہٹ کم بخت!" کہہ کر انہوں نے برش کے دونوں ٹکڑے کوڑے کی ٹوکری میں پٹخ دیے۔ ("کم بخت" یہاں "ضرورتِ شعری" کے طور پر لکھا گیا ہے، ورنہ برہمی میں انہوں نے کچھ اس طرح کا حکم استعمال کیا تھا جس سے برش کی کسی عزیزہ سے ان کے کسی غیر شرعی رشتے کا اظہار ہوتا تھا)

جیسے تیسے کر کے انہوں نے مُونہہ دھویا اور چائے سے انصاف کرنے پہنچے۔ صبح کو جب تک ایک گیلن، دو گیلن چائے نہ پی لیتے تھے، دنیا اور دنیا والوں کی طرف ان کا رویّہ دشمنی سے بھرا رہتا تھا۔ چائے گرما گرم تھی اور اچھی بھی۔ اس لئے انہوں نے اخبار کو پڑھے بغیر ہی کوڑے میں ڈال دیا اور صبح کی ڈاک پر نظر ڈالی۔ کئی خط تو بادامی رنگ کے "جھروکے دار" لفافوں میں تھے۔ جن کو پڑھنا ہی وقت کو برباد کرنا تھا۔ ان سب میں عام طور پہ اس طرح کے ڈراونے جملے ہوتے تھے کہ ہمارا آدمی جلدی بجلی کاٹنے آنے والا ہے یا یہ کہ گاڑی کی قسط کئی مہینوں سے ادا نہیں ہوئی ہے، لہٰذا جلدی کمپنی آپ کی کار ضبط کرنے والی ہے یا پھر یہ کہ عدالت کا ہرکارہ آپ کے گھر کا سامان ضبط کر کے نیلام کرنے کے لئے جلد ہی بھیجا جانے والا ہے، وغیرہ۔ قصہ مختصر یہ کہ سب ہی خطوط "آخری انتباہ" کی جلی سُرخی کے تحت سُرخ رنگ کے فیتے سے ٹائپ کئے ہوئے ہوتے تھے۔

دو ایک سفید لفافے بھی تھے۔ چائے پیتے ہوئے انہوں نے سوچا، ان کو بھی کھولنا بے کار ہی ہے

www.taemeernews.com

● رشی کپور اور جیہ پردا فلم "پرایا گھر"

بعد میں دیکھا جائے گا۔ ہوگا کیا ان میں بھی بس قرض خواہوں کے جواب میں رسمی معذرت نامے ہوں گے۔ ان کو پڑھنے اور چائے کا لطف برباد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہاں، بینک کا خط انہوں نے فطری تجسس کے تحت کھول کر پڑھا، محض یہ دیکھنے کے لئے کہ اس بار

● ڈمپل کپاڈیہ فلم "میرا شکار"

مینجر صاحب نے کس پہلو سے خطاب فرمایا ہے۔

بنک مینجر نے لکھا تھا: "آپ کے مالی امور کے بارے میں ہم لوگوں کو سخت تشویش ہے۔ بہتر یہی ہے کہ آپ کس وقت روبرو گفتگو کے لئے تشریف لائیں۔ پھر دیکھا جائے کہ ہم کس طرح آپ کی مدد کر سکتے ہیں۔"

عشیر صاحب نے بنک مینجر کو اچھی خاصی ادبی قسم کی گالی سے نوازا، خط کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ٹوکری میں ڈال دئے اور ایک زوردار جماہی لے کر شیو کرنے اور نہانے کی تیاری کرنے لگے۔ مگر اس جماہی نے پتہ نہیں کون سا زاویہ اختیار کیا کہ ان کے گاؤن کا پھندنا کرسی کی ایک ٹانگ میں پھنس گیا۔ وہ ذرا ایک طرف ہٹے ہی تھے کہ کرسی زور سے ہلی۔ اس کا اثر میز پر بھی پڑا اور اس نے بھی کوئی ایسا پہلو احتجاج کا اختیار کیا کہ چائے کے برتن مع لطیف اور فرحت انگیز چائے کے ان کی قدم بوسی کے لئے جھک پڑے۔

"لاحول ولاقوۃ!" حسب معمول انہوں نے پھر کہا۔ اب چونکہ فرش اور قالین کا ستیاناس ہو ہی چکا تھا۔ اس لئے وہ بے نیازی سے شیو کرنے اور پھر نہانے میں مصروف ہو گئے۔ پانی ٹھنڈا تھا، کیوں کہ بجلی کا خرچ کم کرنے کے لئے صرف تھوڑی ہی دیر کے لئے "آب گرما" (گیزر) کا استعمال کیا جاتا تھا۔ ان کے جی میں تو آیا کہ ٹھنڈے پانی کی ذمہ داری بیگم کے سر ڈال کر کچھ گرجیں، کچھ برسیں۔ پھر اس خیال کو کمینگی تصور کرتے ہوئے وہ تھر تھر کانپتے ہوئے باہر نکلے اور اچھی طرح بن ٹھن کر باہر جانے کو تیار ہو گئے۔ ان کا قول تھا کہ مالی تنگی اور مفلسی کے دنوں میں آدمی کو زیادہ ٹھاٹ باٹ سے رہنا چاہئے، کیوں کہ ظاہری ٹیپ ٹاپ، عمدہ لباس، مونہہ میں سگار اور چہرے پر شاشش مسکراہٹ دیکھتے ہی قرض خواہوں کی نے مدھم پڑ جاتی ہے۔ عشیر صاحب کے ایک ہاتھ میں دیا سلائی اور دوسرے میں سگار ہمیشہ رہتا تھا۔ اگر کوئی تقاضا کرنے والا مل جاتا تو وہ سگار مونہہ سے لگا کر فوراً دیا سلائی جلا کر اس کو سلگانے کی اداکاری کرنے لگتے۔ کوشش ان کی یہی ہوتی تھی کہ سگار واقعی جلانے کی نوبت نہ آئے یا اگر جلائیں بھی تو دو ایک کش کے بعد بجھا دیں، تاکہ کبھی اگلی منزل پر یہ عمل پھر آسانی سے شروع کیا جا سکے۔

جیسے ہی عشیر صاحب نے باہر نکلنے کے ارادے سے دروازہ کھولا، پرانے زمانے کے پٹھان سود خوروں جیسے دو بھاری بھرکم اور اونچے اونچے آدمیوں سے ان کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ عشیر صاحب نے ان کو نظر انداز کر کے آگے بڑھنا چاہا مگر وہ دونوں کسی بدمعاشوں کے کلب کے دربانوں کی طرح راستے کی دیوار بن گئے۔

"مسٹر کاظمی؟"

"جی ہاں۔ فرمائیے، کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

عشیر صاحب نے کھاتے پیتے طبقے والی رعونت کے ساتھ تندی سے جواب دیا۔

"ہم لوگ منڈگلیا رگن کاؤنٹی کونسل کی طرف سے آئے ہیں۔ آپ نے گھر دارہ پچھلے سال کا بھی ابھی تک ادا نہیں کیا ہے۔"

"کیا! گھر دارہ کیسا؟" عشیر صاحب نے پوری حاضر دماغی سے ڈپٹتے ہوئے الٹا سوال کیا۔ وہ دونوں ذرا ٹھٹکے گئے۔ عشیر صاحب نے مزید خشونت سے فرمایا: "جمعہ کی شام کو جو چیک بھیجا گیا تھا، وہ کیا کوئی صدقے خیرات کی مد میں تھا؟"

وہ دونوں آدمی آئے تو تھے رعب جھاڑنے، عشیر صاحب نے ان کو الٹا پھٹکار دیا۔ دونوں چکرا گئے اور دھیمے پڑ کر بولے: "مطلب یہ کہ....."

"کہنا کیا ہے آپ کو؟ آپ کی پالیسی کیا خواہ مخواہ پُرامن شہریوں کو پریشان کرنا ہے؟ یہ دیکھئے چیک بک۔ یہ نمبر ہے۔ اس نمبر کا چیک جمعہ کو آپ کو بھیجا گیا۔ آج دوشنبہ ہے۔ اب تک آپ کو مل جانا چاہئے۔"

وہ دونوں اپنے اخلاقی بچاؤ کے لئے کوئی حربہ سوچنے لگے۔ یہ محسوس کرتے ہی عشیر صاحب اور بھی چڑھ بیٹھنے کے انداز میں ڈپٹ کر بولے: "صبح کی ڈاک آپ نے دیکھی تھی؟"

اب ان دونوں کو مونہہ چھپا کر بھاگنے اور ٹوکروں بھر معافی مانگنے کے سوا کچھ اور نہیں سوجھا۔

عشیر صاحب پرانے قرض خور تھے۔ اس سلسلے میں قدرت نے ان کو بڑے زرخیز تخیل سے نوازا تھا اور بڑے بڑے قرض خوران کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ عشیر صاحب کا قول تھا کہ قرض لینا ایک مثبت فعل اور معاشیات کا بنیادی جز تھا، جب کہ قرض دینا حماقت اور احساس کم تری کا اظہار تھا۔ ہر بڑا آدمی قرض کھاتا ہے اور مونچھوں پر تاؤ دے کر کھاتا ہے۔ اس وقت انہوں نے کاؤنٹی کے "گرگوں" کو جس طرح ڈپٹا، وہ کسی معمولی دل گردے کے آدمی کے بس کی بات نہیں تھی۔ ساڑھے تیرہ سو پونڈ اور اکسٹھ پینی کا ہاؤس ٹیکس کا چیک انہوں نے واقعی جمعے کی شام کو بیرنگ ڈاک میں ڈالا تھا۔ ہاں چیک کے نیچے دستخط کرنا وہ قصداً بھول گئے تھے۔ (اس طرح خط و کتابت میں پھر دس بارہ دن ٹل سکتے تھے)۔

کاؤنٹی ملازمین کو ڈپٹنے کے بعد چہرے سے غصے اور ناراضگی کا کچھ اس طرح اظہار کرتے ہوئے وہ آگے بڑھے گویا وہ کوئی واقعی نواب تھے اور کسی کم حیثیت شخص نے ان سے برابری کی سطح پر گفتگو کرنے کی

www.taemeernews.com

● کمی کاٹکر، اَمیتا راج، گووندا اور شترو گھن سنہا فلم: "شِو شکتی"

جرأت کی تھی۔

عشیر صاحب نے دوپہر کا تھوڑا وقت مقامی دارالمطالعے میں گزارا، جہاں ایسے اخباروں اور رسالوں کی بھرمار رہتی تھی جن میں ملازمتوں کے اشتہار چھپتے تھے۔ وہ جہاں کہیں کسی ملازمت کا اشتہار دیکھتے، وہیں بیٹھے بیٹھے درخواست لکھ کر ڈاک میں ڈال دیتے۔ پچھلے چند مہینوں میں انہوں نے اتنی درخواستیں لکھی تھیں کہ اگر اتنے ہی صفحات میں انہوں نے اپنی ناکام زندگی کی روداد ستم فرمائی ہوتی تو اب تک ایک اچھا خاصا ضخیم ناول مرتب ہو چکا ہوتا۔

وہ دن کچھ ایسا منحوس ثابت ہو رہا تھا کہ کہیں کسی رسالے میں ان کو کوئی ایسا اشتہار ہی نہیں ملا جس کے جواب میں وہ کوئی درخواست داغ دیتے۔

عشیر صاحب نے کچھ پڑھا بھی نہیں، بس بیزار بیزار سے گھومتے پھرتے رہے۔ کچھ خیال آیا تو ریڈیو اسٹیشن اور ٹیلی ویژن کے مرکز میں گھس گئے۔ ایک بار ان کے ایک ساتھی نے باتوں باتوں میں ان سے سرسری طور پر کہا تھا کہ وہ ایچ بی سی کے مرکز پر بھی آئیں اور ایک تصویری فیچر کے بارے میں تبادلہ خیال کریں۔ جب عشیر صاحب مختلف دربانوں اور سکریٹریوں کو "ڈانٹتے" یا نظر انداز کرتے ہوئے پروڈیوسر کے کمرے میں داخل ہوئے تو ان کے پرانے ساتھی متاخن سوشور نے "اخاہ!" کہہ کر ان کا استقبال کیا۔

"ہاں تو یار تم یہ کرو۔۔۔۔۔" مِنک نے کہنا شروع کیا۔ وہ ایک زیورات کے نمونے بنانے والی لڑکی کے بارے میں فیچر تیار کرنا چاہتا تھا۔ اس لڑکی کا نام آئلین تھا۔ وہ پہلے اسی مقامی اخبار میں رپورٹر تھی جس میں متاخن اور عشیر صاحب تھے۔ پھر وہ نوکری چھوڑ کر ڈزائن سینٹر چلی گئی، جہاں وہ طرح طرح کے زیوروں کے نمونے بناتی۔ مغل، عرب اور مغربی وضع کے زیورات کو ملا کر وہ کچھ ایسی ندرت سے کام لیتی کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ اس کو ایک طرف تو مقامی کونسل نے مالی امداد دی تھی اور دوسری طرف وہ اپنے کامیاب اور واقعی خوب صورت نمونے آس پاس کے زیورات بنانے والی کمپنیوں کے ہاتھ بیچ دیتی اور اس سے بھی خوب کمائی۔

مِنک کو آئلین میں جو دل چسپی تھی، اس کی اصل وجہیں عشیر صاحب کے سوا شاید ہی ایک آدھ اور کسی قریبی دوست کو معلوم ہوں۔ آئلین نے اخبار کی نوکری مِنک کے لئے چھوڑی تھی اور مِنک نے اپنی اچھی خاصی قبول صورت بیوی کو آئلین کے لئے چھوڑا تھا۔ اخبار میں دونوں کے رہتے ہوئے اسکینڈل پھیلنے کا ڈر تھا اس لئے دونوں الگ الگ ملازم ہو گئے تھے۔

عشیر صاحب کچھ سوچ رہے تھے۔ وہ اس وقت چونکے جب مِنک کہہ رہا تھا!۔۔۔ "تو پھر یہ ٹھیک رہا۔ اب تم بس یہ کرو۔۔۔۔"

اچانک ایک خوف ناک "ہیں" کی آواز بلند ہوئی اور ایک منحوس اور وحشت انگیز یکسانیت کے ساتھ گونجنے لگی۔ چاروں طرف سراسیمگی پھیل گئی اور لوگ جلدی جلدی سے باہر جانے لگے۔ مِنک بھی

معذرت کر کے اپنے شعبے کے ممبروں کو باہر نکالنے کی نگرانی میں لگ گیا۔ عشیر صاحب پھر حسب معمول "لاحول" پڑھ کر باہر نکل گئے۔

تھوڑی ہی دیر میں پوری عمارت خالی ہو گئی۔ انتظامیہ کے لوگ پولیس اور آگ بجھانے والوں کو عمارت کے نقشے سمجھا رہے تھے۔ ہر طرف آگ بجھانے والے انجنوں اور پولیس کی گاڑیوں پر لگے ہوئے لال لال سگنل تیزی سے جل بجھ رہے تھے۔ محلے کے لوگوں کے لئے اچھی دل چسپی ہاتھ آئی تھی۔ سب لوگ سبزے پر سرگشت یا ہنسی مذاق کرنے یا محض 'موج' کرنے میں مصروف تھے۔ یہ ہنگامہ جتنی دیر جاری رہتا، اچھا تھا، کیوں کہ ظاہر ہے کہ ملازمین کی گرہ سے کچھ خرچ نہیں ہو رہا تھا۔

عشیر صاحب نے سوچا کہ یہ سلسلہ تو معلوم نہیں کب تک چلے اور پتہ نہیں کب "سب خیریت ہے" کا بگل بجے، اس لئے نتیجے کے بارے میں دل ہی دل میں اناللہ پڑھتے ہوئے وہ شہر کے مشہور پنج تارہ ہوٹل کی طرف چل دئے، جہاں کے سیلون میں آس پاس کے تمام لاخیرے ادیب اور صحافی جمع ہو کر وقت گنواتے۔ کبھی کبھی یہ لوگ اپنی افواہیں اور بکواس نشر بھی کرتے اور عوام الناس اُنس کو "میڈیا ودینین" اظہار کے عوامی وسیلوں کی رائے سمجھ کر اس پر آمنا و صدقنا بھی کہتے۔

ہوٹل کی نفیس اور آرام دہ راہ داری سے ہوتے ہوئے جب وہ مرکزی لاؤنج میں پہنچے تو پتہ چلا کہ سیلون کسی کانفرنس کے سلسلے میں بند تھا۔ اب عشیر صاحب کو اس پورے دن کی نحوست پر اتنا کامل یقین ہو گیا کہ انہوں نے کلب جانے کا خیال ہی چھوڑ دیا۔ انہوں نے سوچا کہ کیا پتہ آج ہی اس کلب میں کوئی بم وغیرہ پھٹے، کیوں کہ کلب شہر کے اس حصے میں تھا جہاں مقامی تشدد پسند دولتی ایک جماعت کا بڑا زور تھا۔ انہوں نے گھر جانے کے بارے میں سوچا۔ یہ ایک اور اہم مسئلہ تھا۔ ٹیکسی پر اچھی خاصی رقم خرچ ہوتی اور گاڑی انہوں نے پٹرول بچانے کے خیال سے ہی گھر پر چھوڑ دی تھی۔ آج کی نحوست کا انہیں ایسا یقین تھا کہ ان کو کسی جانے والے سے لفٹ ملنے کی بھی امید نہیں تھی۔

عشیر صاحب کو بھوک بھی لگ رہی تھی۔ شام بہت ہو گئی تھی۔ صبح سے انہوں نے چائے کے سوا کچھ کھایا پیا نہیں تھا۔ پھر بھی وہ پیدل چلتے رہے۔

گھر پہنچ کر عشیر صاحب نے آہستہ سے دروازہ کھولا۔ گھر میں ایک اشتہا انگیز خوشبو کا بسیرا تھا۔ شاید کوئی اچھی مسالے دار چیز پکی تھی۔ پھر بھی انہوں نے اس سلسلے میں زیادہ دل چسپی لینے میں احتیاط برتی۔ ان کو گمان ہوا کہ کیا پتہ صبح سے جو نحوست ان کے پیچھے لگی ہوئی ہے، اس کے اثر کے تحت اگر گھر میں کوئی چیز پکی ہو تو جل گئی ہو۔ یا پھر ہانڈی الٹ گئی ہو یا اس میں غلطی سے نمک کی بجائے شکر جھونک دی گئی ہو۔ انہوں نے شاہی خاندان کے اس منحوس ممبر کو پھر ایک زوردار گالی دی جس کا چہرہ انہوں نے صبح سویرے دیکھا تھا۔

اپنے کمرے میں جا کر انہوں نے سوچا کہ اب کیا ڈر چلو، باقی رہے سہے خط بھی دیکھ لئے جائیں وہ تمام خطوں کو کھولتے اور سرسری نظر ڈال کر ان کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیتے۔ ایک اور سفید لفافہ بھی ان کو نظر آیا، جس پر صبح انہوں نے کوئی توجہ نہیں کی تھی۔ اب چونکہ ان کو اچھے، بُرے شگون کا کوئی خیال نہیں تھا، اس لئے انہوں نے اس کو بھی بے پروائی سے کھول کر پڑھا:

لکھا تھا! "آپ سے ملاقات کے بعد ہم لوگوں نے اس معاملے پر پھر غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ ہم آپ کو ملازمت کی باضابطہ پیش کش کر سکتے ہیں۔ اگر آپ کو اب بھی دل چسپی ہو تو اپنی پہلی فرصت میں ہماری سکریٹری سے رابطہ قائم کیجئے۔ ٹیلی فون کا خرچ ہمارے ذمہ"!

■ ■

موجودہ دور کی خواتین کیلئے موجودہ فیشن کی دستیابی

- ساڑیاں
- شلوار سوٹس
- ڈریس میٹریل
- لیڈیز ٹیلرنگ

nisa
Air-Conditioned
the complete ladies shop
نساء
ایم جی روڈ سکندرآباد فون ۷۲۳۸۱

اے ایس عبدالقادر کی AK ESTABLISHED 1939 ایک توسیع

Shruti/Nisa/872

www.taemeernews.com

غزلیں

آنکھوں سے آنسو کا رشتہ، پھولوں سے خوشبو کا رشتہ
اُس سے میرا جنم جنم کا ندی کنارے جیسا رشتہ
اُس نے اپنی آنکھوں پر، پلکوں سے میرا نام لکھا تھا
موسم بدلا، قسمت بدلی، آنسو ٹپکا ٹوٹا رشتہ
قسمیں، وعدے، پیار، محبت مہندی کے پتوں پہ سجے تھے
جانے کس کی نظر لگی یہ، موم ہوا پتھر کا رشتہ
شہر کا لڑکا، گاؤں کی لڑکی، اِک شہزادہ، اِک شہزادی
بندھن توڑے، رسمیں توڑیں، دنیا چھوڑی، جوڑا رشتہ
سورج نکلا، کلیاں چٹکیں، خوشبو پھیلی، آنگن مہکا
بادل گرجا، بجلی چمکی، پانی برسا، بھیگا رشتہ
اُس کی یادیں، اُس کی باتیں، مہکی مہکی میری سانسیں
بیلا، چمپا، جوہی، چمبیلی، رات کی رانی جیسا رشتہ
دولت، عزت، شہرت، عظمت سب کچھ چاٹ لیا دیمک نے
پیار امر تھا، پیار امر ہے، ہاری دُنیا، جیتا رشتہ

جاوید اکرم

ترے زُلف و رُخ کی پھبن اللہ اللہ
ہیں شام و سحر نغمہ زن اللہ اللہ
اِدھر دِل اُدھر دِل شکن اللہ اللہ
تبسّم کا یہ بانکپن اللہ اللہ
قیامت ہے ہم سے پسینہ پسینہ
اداؤں کا یہ حُسن زن اللہ اللہ
بھلا بیٹھے خود اپنی تاریخِ ماضی
روایات کا یہ غبن اللہ اللہ
کہیں دودھ کی نہر ملتی نہیں ہے
بشر پھر بھی ہے کوہ کن اللہ اللہ
جہنم دِلوں میں دہکتے ہیں سب کے
مگر اِک وہ شعلہ بدن، اللہ اللہ
زمیں لال حدِّ نظر تک ہوئی ہے
یہ لالہ رُخوں کا چلن اللہ اللہ
ہمیں دیکھ کر بھی نہ پہچانے اختر
وہ اپنے میں ہیں یوں مگن اللہ اللہ

اختر آنولوی (ڈھاکہ، بنگلہ دیش)

سچ ہے کہ ایک پیار کا رشتہ ہے زندگی
لیکن ترے بغیر تماشا ہے زندگی
تم تھے تو سانس سانس تھی اِک جشن کی طرح
تم سے بچھڑ گئی ہوں تو رُسوا ہے زندگی
دیوانہ وار اُس کی گلی میں چلی تو ہوں
لیکن یہ ساری عمر کا سودا ہے زندگی
تُو ہی لکھے تو کوئی کہانی بنوں گی میں
ویسے تو حادثات کا قصّہ ہے زندگی
ہر شخص کھیلتا ہے مقدّر کا اپنے کھیل
کیا کوئی خواہشوں کا کھلونا ہے زندگی
مجھ کو فریب دے نہ سکے گا ترا خلوص
میں نے تجھے قریب سے دیکھا ہے زندگی
چہرے کی ہر خراش سے آتی ہے یہ صدا
تُو نے بھی کوئی آئینہ توڑا ہے زندگی
میں نے ہما گزاری ہے بربادیوں میں عمر
میرے لئے تو موت کا تحفہ ہے زندگی

ہما پروین

نشاط و غم کا اگر دِل میں اِمتزاج نہیں
تو بے قراریِ دِل کا کوئی علاج نہیں
صداقتوں کی پذیرائی ہے مِرا مسلک
یہی سبب ہے کہ وہ میرا ہم مزاج نہیں
فریب کھا کے نہ ہمدردیاں تلاش کرو
ہمارے شہر میں ایسا کوئی رواج نہیں
اب اِس جہاں میں تلاشِ سکوں ہے کارِ فضول
یہ کھیت سوکھ چکا اِس میں اب اناج نہیں
جزائے خیر کی اُس سے اُمید کیا رکھوں
کہ اتنے ظرف کا حامل مِرا سماج نہیں
سوائے اِس کے کہ رہتا ہے ہر گھڑی بے کل
دلِ حزیں کو کوئی اور اختلاج نہیں

ابراہیم خلیل (کراچی، پاکستان)

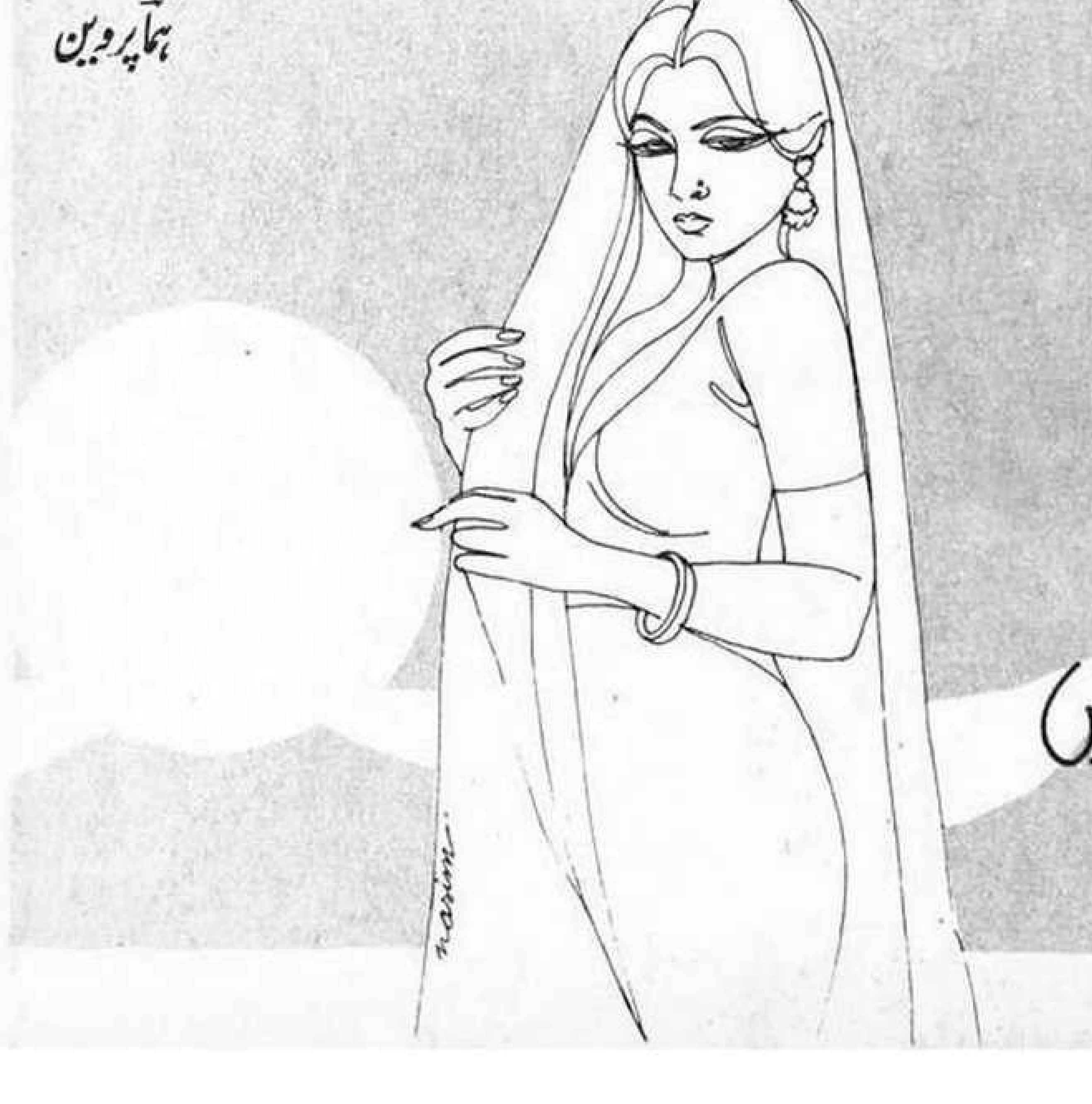

www.taemeernews.com

کورے کپڑوں کی خوشبو

(ڈاکٹر) مرزا عمیر بیگ

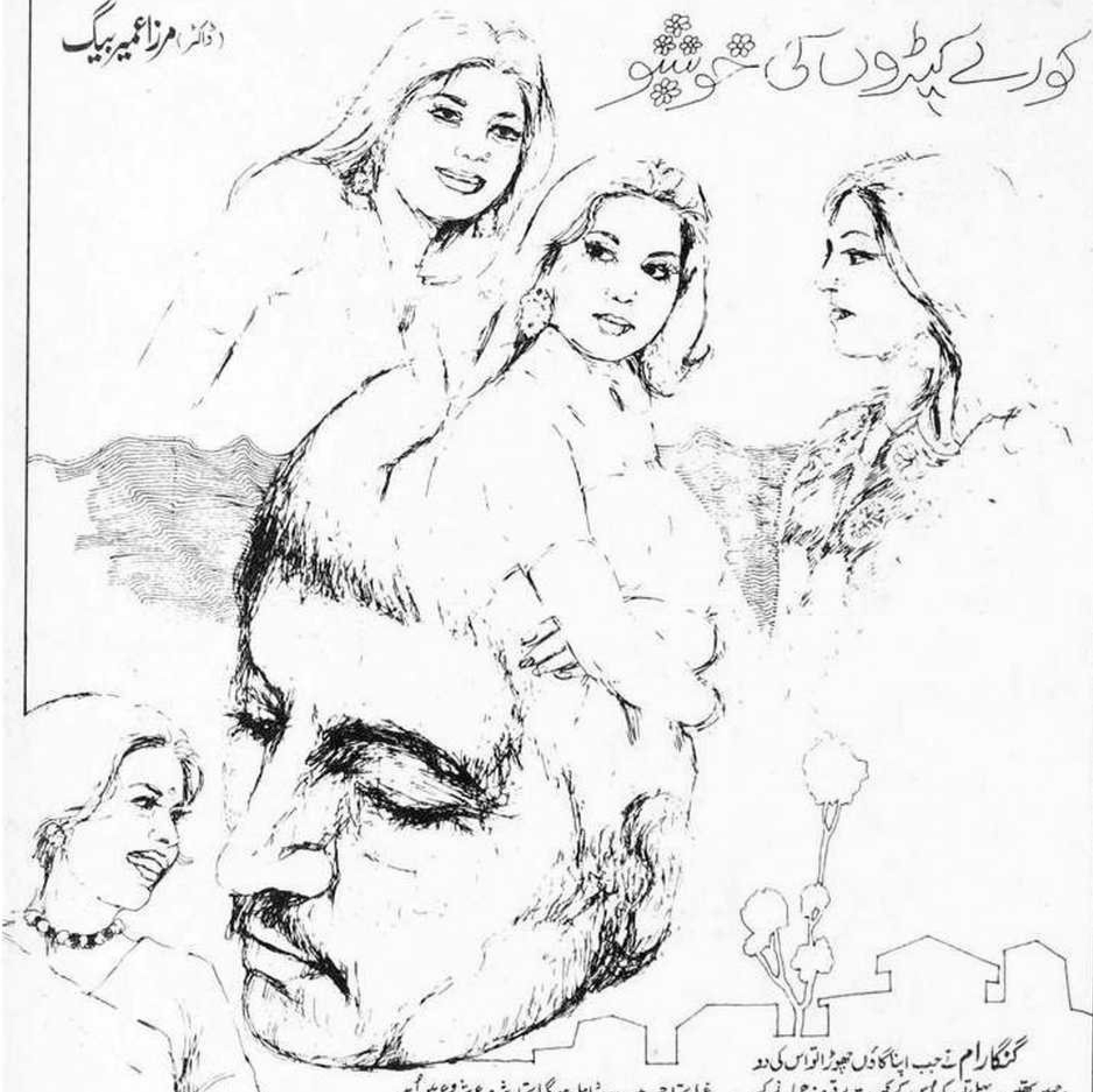

گنگارام نے جب اپنا گاؤں چھوڑا تو اس کی دو وجہیں تھیں۔ پہلی تو یہ کہ اس کے کھیت پر قبضہ جمانے کے لئے کچھ لوگوں نے اُس کے باپ کا قتل کر دیا تھا۔ دوسری یہ کہ اب اُن زمینوں پر مقدمے کے فیصلے سے پہلے کھیتی کرنا ممکن نہ تھا۔ اور اُسے روزی کمانے کے لئے شہر جانا تھا۔ کیوں کہ جگدیش پور بس ایک گاؤں تھا۔ ہندوستان کے لاکھوں گاؤں کی طرح کچا، جس تک ترقی کی آنچ نہ پہنچی تھی۔ مٹی کے مکان، پھونس کے چھپر، ۔۔۔ بھٹے کی پکی ہوئی اینٹیں ابھی ان کا مقدر نہ بن سکی تھیں۔

شہر پہنچ کر اس نے مزدوری شروع کر دی۔ اُس کی طرح آس پاس کے گاؤں سے بھاگے ہوئے مزدوروں کا ایک غول تھا جس میں وہ شامل ہو گیا تھا۔ شروع شروع میں اُسے عجیب سا لگا تھا۔ یہ شہر کے لوگ اتنے اتنے بڑے گھر کیوں بنواتے ہیں۔ اتنے سارے کمرے! یہ بڑا سا کمرہ تو بالکل خالی رہتا ہے۔ کوئی اس میں سوتا نہیں۔ بس کرسیاں ۔۔۔ گدے دار کرسیاں، دری، قالین، مورتیاں، تصویریں، گملے ۔۔۔ اُس دن جب وہ ڈسٹمپر کرنے والے کے ساتھ اُس گھر گیا تھا تو میم صاحب نے کتنا ڈانٹ ڈانٹ کر ہر چیز اُٹھوائی تھی۔ کتنی خوب صورت تھی میم صاحب ۔۔۔ فلم کی ہیروئن جیسی ۔۔۔ گوری گوری، گلابی گلابی۔ اس کی یہ سمجھ میں نہ آسکا کہ میم صاحب کتنی خوب صورت ہے۔ بس بہت خوب صورت ہے۔ اُس کا

www.taemeernews.com

دماغ سوچ رہا تھا کہ کس سے شکل ملائے۔ اُسی دم اُس کو سُرتی یاد آ گئی۔ سُرتی سے اُس کا رشتہ دو سال پہلے طے ہوا تھا۔ جب وہ دس سال کی تھی مگر گونا ہونے سے پہلے ہی اُس کے باپ کا خون ہو گیا اور وہ اس کو بیاہ کر نہ لا سکا۔ سُرتی اب بارہ سال کی ہو گی۔ وہ دو سال سے گھر نہ جا سکا تھا۔ بس تھوڑے پیسے کسی جان پہچان والے آدمی کے ہاتھ ماں کو بھجوا دیتا۔ پھر اُس کے پاس اتنا بھی نہ بچتا کہ وہ شہر میں کوئی کھولی ہی لے لیتا۔ وہ تو ابھی تک اُس غول کے ساتھ اس احاطے میں رہتا تھا جس کا مالک شام کو لوٹنے کے بعد دو ایک گھنٹہ اپنے گودام میں سارے مزدوروں سے کام لیتا تھا، جو ان کے کرائے میں شامل تھا۔

اکثر گنگا رام جب دن بھر کی کڑی محنت کے بعد احاطے کی طرف لوٹتا تو اس کا جی خوف سے کانپ اُٹھتا۔ گودام کا مال ٹرک میں بھرنا پڑے گا یا ٹرک کا مال گودام میں اُتارنا ہو گا۔ پھر دو اینٹیں جوڑ کر وہ روٹی سینکے گا۔ نہیں، آج اُس میں دَم نہیں ہے۔ آج وہ گودام کا کام نہیں کرے گا۔ مگر پھر اُسے مالک احاطے سے نکال دے گا۔ کوئی اُسے مُفت میں جگہ دے رکھی ہے؟ کام تو اُسے کرنا ہی پڑے گا۔ ورنہ سوئے گا کہاں۔ اچھا آج وہ روٹی نہیں سینکے گا۔ کھانا ڈھابے میں کھا کر جائے گا — مگر کھانا کھا کر پھر اُس سے بوجھ نہیں اُٹھے گا اور کام کے بعد پھر اتنی دُور کھانے کے لئے آنا مشکل ہو جائے گا۔ گنگا رام سوچنے لگا۔ یہاں شہر میں تو گاؤں سے زیادہ محنت کرنا ہوتی ہے۔ مگر پھر اس نے اپنی جیب پر ہاتھ پھیرا، جس میں اُس دن کی مزدوری بھری تھی۔ غریب کی جیب کتنی جلد بھر جاتی ہے۔ وہ سوچنے لگا۔ ڈھابے میں جتنے پیسے لگیں گے، اس میں اس کے ساتھ بھیکو چاچا بھی کھا لیں گے۔ بھیکو چاچا بھی اُسی کی طرح گاؤں سے شہر میں ایک اچھے مستقبل کی چاہ میں آئے تھے۔ دوسرے لوگوں کے گھروں کو پُتائی کر کے چمکاتے رہے، مگر اُن کا کبھی گھر ہی نہ بن سکا، جو چمکاتے۔ یوں عمر بارگی پتنگ کی ڈور کی طرح سرکتی رہی۔ اور ہر اُمید اور چاہ آسمان میں اتنی دُور اُڑ گئی کہ ایک نقطے سے بھی چھوٹی نظر آتی اور اکثر دکھائی بھی نہ دیتی۔ کیوں کہ اُس کی آنکھوں کی پتلیوں پر ایک جھلی چڑھ گئی تھی۔ جس نے لوگوں کے خون کے ساتھ کالی پتلیوں کو بھی سفید کر دیا تھا۔ بھیکو چاچا نے شہر میں پہلا قدم اسی احاطے میں جمایا تھا، اس لئے یہیں جم رہے تھے، اور اب ایک کھٹیا پر بیٹھے دوسرے مزدوروں کو ہانکا کرتے تھے۔

گنگا رام سوچنے لگا کہ وہ گاؤں لوٹ جائے گا۔ مگر وہاں کرے گا کیا؟ اُس کی زمین کا مقدمہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ سرکار نے اس کی ماں کو وکیل فراہم کیا تھا۔ مگر وہ وکیل جیسے کچھ کر نہیں پا رہا تھا۔ ملزم گرفتار ضرور ہوئے تھے۔ مگر ضمانت پر چھوٹ کر سینے اکڑائے گھوم رہے تھے۔ کسی نے شہر میں اُس سے کہا تھا: گنگا رام، اب بھول جا زمین کو۔ زمین پھر ملانے کے لئے جب تیرے پاس بہت سے پیسے ہو جائیں تو انصاف کو خرید لینا۔ اُس نے اپنی جیب تھپ تھپائی اور تیز تیز قدموں کی ساتھ احاطے کی طرف بڑھنے لگا۔ جیسے اُسے جلدی ہو کہ یہ دن ختم ہو۔ رات سرک جائے اور پھر نیا دن آئے۔ وہ مزدوری کرے، پیسے کمائے اور پھر نیا دن آئے۔

ہر مہینے جب وہ ماں کو بھیجنے کے لئے اپنے پیسے گنتا تو اس کے ہاتھ پیروں کی جان نکل جاتی۔ دو سال میں تو اُس کے پاس کچھ بھی جمع نہ ہو سکا تھا۔ اُس دقت بھیکو چاچا نے اپنے بیٹے پر پتھر رکھ کر اُس کو سمجھایا: "دُکھی نہ ہو گنگا رام۔ مزدوری کے ساتھ اور کام بھی کر لیا کر۔ میں مالک سے کہہ کر تجھے یہاں سے چھٹی دلوا دوں گا تاکہ رات میں بھی کام کر کے تو کچھ کما لائے۔" مگر احاطے کے مالک نے کہا "ایک تو تو خود بڈّھا حرام کی کھاتا ہے، اب اس چھوکرے کو بھی حرام خوری سکھا رہا ہے۔ کام نہیں کرنا ہے تو کوئی اور ٹھکانا ڈھونڈ لے۔"

اُس دن سے گنگا رام دوسرے ٹھکانے کی کھوج میں رہنے لگا۔ ایک دن اُسے اپنا ایک پرانا ساتھی رکشا چلاتا مل گیا۔ اور اس طرح مزدوری کرتے کرتے گنگا رام نے رکشا کھینچنا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اس پرانے احاطے سے اُٹھ کر نئے احاطے میں آ گیا۔ اس احاطے کا قصہ پرانے احاطے سے الگ تھا۔ یہ کسی صاحب جی کی زمین تھی۔ جس کے چاروں طرف دیوار کھنچوا کر اُس نے ایک رکشا والے کو بسا رکھا تھا۔ پھر اُس رکشا والے نے ایک ایک کر کے کئی رکشا والے بسا لئے اور وہ احاطہ اب رکشا والوں کا احاطہ نظر آتا تھا۔ یوں بھی ان رکشا والوں کے مزے تھے۔ چونکہ امیروں کی آبادی تھی، اس لئے پیسے اچھے ملتے تھے۔ زیادہ تر رکشائیں بچوں کو اسکول لانے لے جانے کے لئے لگی ہوئی تھیں، اس لئے ماہوار آمدنی اچھی خاصی ہو جاتی تھی۔

گنگا رام کی رکشا بھی آفیسرز کالونی کے بچوں کو لانے لے جانے میں لگ گئی۔ اب اس کی زندگی میں ایک ٹھیراؤ سا آ گیا۔ گنگا رام کا جی سامنے والی کوٹھی میں جانے کو اکثر چاہتا۔ دو سال پہلے یہاں پُتائی کے لئے آیا تھا اور فریم اُٹھاتے وقت میم صاحب نے اُسے کتنا ڈانٹا تھا۔ اُس گوری گوری میم صاحب نے۔ جب سے وہ اس نئے احاطے میں آیا تھا تو وہ نکلی نہیں تھی یا پھر اُس وقت کہیں آتی جاتی تھی جب گنگا رام رکشا کھینچنے جاتا تھا۔ جب بھی میم صاحب کو دیکھنے کو اس کا جی چاہتا، اُسے سُرتی بے طرح یاد آتی۔ وہ سوچنے لگا اب سُرتی چودہ سال کی ہو گی۔ کیسی ہو گی وہ؟ اب وہ گاؤں جائے گا۔ اور سُرتی کو لے آئے گا۔ اس احاطے کے کونے میں اس نے ایک چھپر ڈال لیا تھا۔ اُس نے سوچا سامنے پلاسٹک کی شیٹ ڈال لے گا۔ یہیں سُرتی رہ لے گی، لیکن پھر اگر مالک نے پلاٹ خالی کروا لیا تو سُرتی کو کہاں لے جائے گا؟ اس کی ساری اسکیم فیل ہو جاتی۔ اور اُسے بھیکو چاچا یاد آ جاتے۔ کل وہ پرانے احاطے جائے گا۔ بھیکو چاچا سے ملے ہوئے کئی مہینے ہو گئے۔ اُس احاطے کے مالک نے کہا تھا کہ اب کے جاڑوں میں بھیکو اپنی آنکھوں کا آپریشن کروا لے۔ ورنہ گودام کی دیکھ بھال کیا خاک کرے گا۔ پتہ نہیں آنکھ کب بنے گی؟ یا بن گئی ہو گی۔ وہ کل ضرور جا کر دیکھے گا۔ سامنے کوٹھی کے دروازے پر جلتی بتی کو دیکھتے دیکھتے وہ سو گیا۔

اگلے دن بچوں کو اسکول چھوڑ کر بھیکو چاچا کو دیکھ کر جب وہ لوٹا تو اُس کی رکشا سامنے والی کوٹھی کے گیٹ پر رُک گئی۔ میم صاحب سامنے لان میں بیٹھی تھیں۔ اُنہوں نے وہیں سے پوچھا "کون ہے؟"

"ہم میم صاحب، گنگا رام۔"

"کون گنگا رام؟"

"ہم میم صاحب — آپ کے گھر پُتائی کے لئے آئے تھے۔"

"ہوں!" اُنہوں نے نظر اُٹھا کر غور کرتے ہوئے کہا: "اچھا، تم ہو۔" شاید وہ پہچان گئی تھیں۔ "خوب موٹے ہو گئے ہو۔ کیسے آئے؟"

اس نے کہا: "اب میں رکشا چلاتا ہوں۔ وہ آپ کے گھر کے سامنے جو احاطہ ہے جہاں بہت سے رکشا والے رہتے ہیں، وہیں رہتا ہوں۔"

"اچھا! وہاں رہتے ہو؟"

"ہاں میم صاحب!"

"اب پُتائی نہیں کرتے؟"

"کوئی کام ہے میم صاحب؟"

"ہاں۔" وہ اُسے لئے ہوئے پچھلے کمرے کی طرف چلی گئیں، جہاں کی دیواروں پر کچھ دھبے آ گئے تھے۔ اُس نے کہا: "میں ٹھیک کر دوں گا۔" اور پھر اسی دن وہ ڈسٹمپر کے بکٹ اور برش خرید لایا اور بچوں کو اسکول لانے لے جانے کے بعد خالی وقت میں ڈسٹمپر کرنے لگا۔

اس کے ساتھ ہی میم صاحب کے گھر جانے کی راہ کھل گئی۔ ان کے چھوٹے موٹے کام کر دینا اُس کی عادت بن گئی۔ وہ جب بھی اُسے پیسے دینا چاہتیں وہ کہتا: "نہیں میم صاحب، یہ تو گھر کا کام تھا، مزدوری تھوڑی تھی۔"

کچھ ہی دن میں گنگا رام میم صاحب کے گھر کی ضرورت ہو گیا۔ پلاسٹر اُکھڑ گیا تو گنگا رام کرنی سیمنٹ لئے جوڑتا نظر آتا۔ چونا خراب ہو گیا تو وہ پُتائی کرتا۔ ان کی گھاس بڑھ گئی تو وہ کاٹتا۔ اکثر صاحب اُس سے کہہ جاتے — "گنگا رام، میم صاحب کو تین بجے کہیں جانا ہے۔ رکشا لے آنا۔ میں گاڑی لے کر جا رہا ہوں۔" گنگا رام صبح کو اسکول سے لوٹتا تو میم صاحب کے لئے ترکاری لے آتا۔ پھر میم صاحب نے اُسے دوپہر کا کھانا دینا شروع کر دیا۔ اُس نے میز لگانا بھی سیکھ لیا۔ اور کوٹھی کے چھوٹے موٹے کام کرنا بھی — دوپہر کو بچوں کو ان کے گھر پہنچا کر وہ سیدھا میم صاحب کے گھر پہنچ جاتا۔ میم صاحب کے ساتھ میز سجاتا۔ صاحب اور میم صاحب کھانا کھا لیتے تو اُٹھا کر رکھتا۔ پھر میم صاحب اُسے کچن میں کھانا دے دیتیں۔ اکثر وہ اُس سے کہتیں

www.taemeernews.com

"گنگا رام، کھانا کھا لینا۔" مگر وہ اس وقت کھانے کو ہاتھ نہ لگاتا، جب تک میم صاحب اُسے خود کھانا نہ دیتیں۔ اس طرح میم صاحب کے ہاتھوں سے کھانا لینا اُس کی عادت بن گئی تھی۔ کچن میں بیٹھے بیٹھے اکثر اُسے ایسا لگتا جیسے دھوپ میں تپتے کسی کھیت میں بیٹھا ہے۔ گلابی لہنگا پہنے سُرتی کولہے ہلاتی، ہاتھ میں کھانے کی پوٹلی دبائے چلی آ رہی ہے اور وہ تپش اُس کی قربت سے ٹھنڈی ہوتی جا رہی ہے۔ گنگا رام کی آنکھوں میں خواب جھلک پڑتے اور ہونٹوں پہ مسکراہٹ اُبھر آتی۔ اُسی پل میم صاحب کی جل ترنگ بجاتی آواز سنائی دیتی۔ "گنگا رام سو گئے؟ کھانا لے لو۔" وہ کھیتوں سے کچن میں لوٹ آتا۔ گلابی گلابی میم صاحب، گیہوں کی پکی پکی بالیوں سے لدی ہوئی سونا برساتی ہوئی اس کی پلیٹ میں کھانا اُنڈیلتیں۔ فریج سے ٹھنڈے پانی کی ایک بوتل نکال کر اُسے پکڑاتیں، جسے وہ کھانے سے پہلے ایک سانس میں اُنڈیل کر اُسے پی جاتا۔ ہمیشہ میم صاحب اُس کو ٹوکتیں کہ پہلے کھانا کھاؤ۔ مگر وہ اس کو کیا بتاتا کہ اُس کے اندر کیسی آگ لگی ہوئی ہے جسے وہ بجھانا چاہتا ہے۔

پاس کی کوٹھی میں کوئی نئے انفیسر آ کر بسے تھے۔ اُن کی بیوی اکثر میم صاحب کے پاس آ کر بیٹھتی۔ اور گنگا رام کو دیکھ کر کہتیں۔ "تم کو اچھا کام کرنے والا مل گیا ہے۔"

میم صاحب اُس کو سمجھاتیں "نوکر نہیں ہے۔ سامنے رکشا چلاتا ہے۔ سودا سلف لانے میں مدد کر دیتا ہے۔ دوپہر کا کھانا دے دیتی ہوں۔" مسز سانیال کہتی۔ "پھر سمجھو کہ مُفت ہاتھ آیا ہے۔" اور اٹھلا کر گنگا رام سے کہتی۔ "گنگا رام، ہمارا بھی کام کر دیا کرو۔"

پھر مسز سانیال اکثر اپنی کوٹھی کے گیٹ سے آواز لگاتی "گنگا رام!"

آواز احاطہ تک پہنچ جاتی اور کوئی نہ کوئی بتا دیتا "جا گنگا، نئی میم صاحب بُلا رہی ہے۔" اور نئی میم صاحب ہاتھ میں کھانے کی کوئی مزے دار چیز لئے کہتی۔ "کل دعوت تھی۔ زیادہ پکائی تھی۔ بچ رہی تھی۔ صبح بھی کھا لینا اور احاطے میں بانٹ بھی دینا۔ اور یوں احاطے کے لوگوں کے دلوں میں نئی میم صاحب کی قدر بہت بڑھ گئی۔

اپنے خاندان سے لوٹتے ہوئے پردیس میں پڑے ہوئے یہ لوگ ذرا سے التفات کے بھوکے ہوتے ہیں۔ یوں تو نئی میم صاحب کا کام سب ہی دوڑ دوڑ کر کرتے تھے۔ مگر اُسے گنگا رام کا کام بہت پسند تھا۔ اُس دن اُس نے نل میں نیا واشر ڈال دیا تھا۔ دیوار پر چونا کر دیا تھا۔ اُسے سارے کام سلیقہ سے کرنا آگئے تھے۔ کرسی دھیرے سے کھسکانا، قالین نفاست سے بچھانا، امیروں کے ہر کام، ہر حرکت سے واقفیت ہو گئی تھی۔ وہ کہتی۔ "گنگا رام، تو گاؤں میں پیدا ہوا تھا یا شہر میں؟ اتنا سلیقہ بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔ جیسے تجھے یہ سب کچھ فرانسیسی گورنس نے سکھایا ہو۔"

گنگا رام کچھ نہ سمجھتے ہوئے بس مسکرا دیتا۔ اُس وقت اُس کے دماغ میں سُرتی اُبھرتی۔ نئی میم صاحب کے گالے

● انیل کپور اور مادھوری: فلم: "تیزاب" میں

گاؤں کے اندر سے جیسے جھانک کر کہتی۔ پھر گلابی میم صاحب کے سراپا کے پیچھے چھپ جاتی۔ اتنے میں ان کی آواز آتی "گنگا رام!" وہ دوڑ کر میم صاحب کے پاس پہنچتا۔ وہ پوچھتیں

"کہاں تھا، گنگا رام؟"

"آج صبح سے نئی میم صاحب نے گھر بلایا تھا۔ صفائی کروا رہی تھیں۔ ان کے پاس ابھی کوئی کام کرنے والا نہیں ہے۔ اس نے سوچا مدد کر دوں۔"

"ٹھیک ہے۔" گلابی میم صاحب کہتیں۔ "اچھا، کھانا کھا لیا؟"

"نہیں میم صاحب، اُنہوں نے پوچھا تو تھا۔ مگر میں تو آپ کا کھانا کھاتا ہوں، اس لئے . . . ."

"اچھا بیٹھو۔" گلابی میم صاحب طمانیت سے کہتیں اور اس کے لئے کھانا نکال لاتیں۔

نئی میم صاحب بھی جیسے کچھ دیوانی سی تھی۔ کھانے کی چیزیں بھجواتے بھجواتے اُس نے کپڑے بھی دینے شروع کر دئیے تھے۔ "گنگا رام، یہ صاحب کی پرانی پینٹ قمیض ہے۔ تو پہنا کر۔"

"نہیں میم صاحب، میں نہیں پہنتا یہ سب۔"

"نہیں پہنتا۔ اسی لئے تو کہتی ہوں۔ پہنا کر۔ اچھا لگے گا۔"

یہ کپڑے کہیں جاتے ہوئے احاطے میں اُس نے دیئے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ انکار کرتا، اُس کے ہاتھ میں تھما کر وہ آگے بڑھ گئی۔ احاطے والے مسکرا کر بولے "رکھ لے گنگا رام۔ تو اب رکشا تو کم ہی چلاتا ہے۔ صاحبوں کے گھروں میں کام کرتا ہے، اس لئے صاحبوں کی طرح صاف رہا کر۔"

گنگا رام سوچنے لگا کہ کیا اُس نے اپنا کام چھوڑ دیا ہے۔ کیا وہ اپنے مقصد سے بھٹک گیا ہے۔ اُسے تو کام یابی حاصل کرنی ہے۔ پیسہ کمانا ہے۔ اپنی زمین چھڑوانا ہیں اور اور سُرتی کا گونا ہونا ہے۔ اُس نے کپڑے اپنے پلنگ پر ڈالے اور گلابی میم صاحب کی طرف چل دیا۔ پتہ نہیں کیوں اُسے گلابی میم صاحب اپنے مقصد کی راہ میں آڑے آتے نہیں نظر آئیں۔

"آج نئی میم صاحب نے مجھے کپڑے دئے ہیں۔"

"کپڑے دئے ہیں؟ کیسے؟" میم صاحب نے پوچھا۔

"ہاں پینٹ، بش شرٹ۔ کہتی تھیں۔ تم پہن کر اچھے لگو گے۔"

"تم نے کیوں لئے۔ تم ایسے تو نہیں تھے۔"

"وہ میم صاحب، میں منع ہی نہیں کر سکا۔ وہ زبردستی پکڑا کر چلی گئیں۔ میں کیا کرتا؟" اُس نے شرمندگی سے کہا۔ اُس کی نظروں میں جھجکا سا بھر آیا۔ "میں واپس کر دوں گا۔"

"نہیں واپس نہ کرنا۔ ان کا کام کر دیا کرنا۔"

"اچھا، آپ کہتی ہیں تو میں رکھ لوں انہیں؟ پہن کر دیکھوں اُنہیں؟" میم صاحب کے کہنے پر اُسے ایک عجیب خوشی ہوئی اور وہ اُن کپڑوں کو پہننے کے لئے مچل اُٹھا۔

شام کو نہا دھو کر جب اُس نے کپڑے پہننے کو اُٹھائے تو اُسے پتہ چلا کہ وہ تو نئے کپڑے تھے اور ان نئے کپڑوں کو پہننے کی خوشی میں وہ سب کچھ بھول گیا۔ اُسے نہ اب گاؤں یاد تھا، نہ مقدمے میں پھنسی زمینیں۔ نہ گھر بیٹھی انتظار کرتی ہوئی سُرتی۔ بس اس وقت اُس کے دل میں کورے کپڑوں کی خوشبو بسی تھی۔ احاطے کے سب لوگوں نے اُسے دیکھتے ہی کہا: "ارے واہ گنگا رام! تو کیا جچ رہا ہے! ایک دم شہری بابو بن گیا۔"

ہنسی ٹھٹھا کرتی ہوئی آوازوں نے جیسے اس کے ڈنک مار دیا۔ اُس نے جھٹ وہ کپڑے اُتار دئے اور گیلی آنکھوں کو پونچھتا ہوا باہر نکل گیا۔

■ ■

مُشتاق احمد قریشی کا پہلا شعری مجموعہ

طلسمِ خیال

خیالوں کی جادوگری، دھڑکتے دل کی صدا، ہجر کے موسم میں کسی ہم نفس، ہم سخن کی رفاقت کی خواہش، خیالات و محسوسات کا حُسن، تپتے صحرا میں گھنی چھاؤں کی تلاش وہ بھی خزاں کے بے رحم موسم میں طلسمِ خیال ہی تو ہے لیکن یہ خیال یہ اُمنگ یہ شگفتگی آرزو صرف مُشتاق احمد قریشی کے دل میں پنہاں نہیں بلکہ ہر حساس دل کی پکار ہے۔ بقول منّو بھائی کے "طلسمِ خیال، واقعی طلسمِ خیال ہے کہ انسانی سوچ کو چھوٹے چھوٹے جذبوں سے ترتیب دیا گیا ہے اور اس ترتیب میں سے ایک طلسم پیدا ہوتا ہے، جو پورے عالمِ انسانیت کا ترجمان بن جاتا ہے۔"

اگر آپ بھی اِن محسوسات اِن جذبوں سے آشنائی کی تڑپ رکھتے ہیں تو ہمیں لکھیے ——— یا ———

کسی بھی قریبی کتاب گھر سے فقط آٹھ ہزار پیسوں کے عوض طلب فرمائیں۔ مکمل آرٹ پیپر اور دو رنگوں سے سجی معروف مصور ذاکر کے فن کا نچوڑ، رنگین سرورق اور نظموں کے خاکوں سے آراستہ۔ پاک و ہند کے ممتاز اہلِ قلم و دانش معارف نقاد حضرات جناب ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، جناب ڈاکٹر عبادت بریلوی، جناب ڈاکٹر جمیل جالبی، جناب ڈاکٹر وحید قریشی، جناب ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، جناب ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، جناب احمد ندیم قاسمی، جناب رئیس امروہوی، جناب منیر نیازی، جناب قتیل شفائی، جناب اے حمید، جناب مشفق خواجہ، جناب اشفاق احمد، جناب ابوالفضل صدیقی، جناب جون ایلیا، جناب منّو بھائی، جناب سحر انصاری، جناب انتظار حسین جناب ڈاکٹر محمد یوسف بخاری، جناب مختار زمن اور بیشتر معزز شعراء و ادباء کرام کی موقر آراء اور تصاویر سے مرقع

نئے اُفق پبلیکیشنز

کی طرف سے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ

۲۴۔ سعید مینشن۔ ڈاکٹر ہلموریا اسٹریٹ آف آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی

www.taemeernews.com

فرقہ پرست

ایم۔ ایچ۔ خاں شاہجہاں پوری

جب سرکل انسپکٹر مجھے ہتھکڑیاں پہنا رہا تھا تو ہاتھ اس کے بھی کانپ رہے تھے۔ شاید انجام سے بے خبر وہ بھی نہ تھا۔ اس نے پھر مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا اور معنی آواز میں بولا۔

"میں مجبور ہوں۔"

میں اپنے غصے کو دبا نہ سکا اور بولا "میں جانتا ہوں تمہاری مجبوری، انسپکٹر۔ اس خاکی وردی کی چکا چوند، پروموشن کی ہوس اور انتقام کی آگ نے تمہیں مجبور کر دیا ہوگا۔ لیکن یاد رکھنا انسپکٹر جب ان ہاتھوں کی ہتھکڑیاں کھلیں گیں اور یہ جسم سلاخوں کے باہر آئے گا تو تمہارے جسم پر یہ چمچاتی خاکی وردی نہیں ہوگی، بلکہ سفید کفن ہوگا۔"

میں نے اس کی آنکھوں میں کلبلاتی ہوئی غصے کی چنگاریوں کو صاف محسوس کر لیا۔ اس نے دوسرے پولیس والوں کو اشارہ کیا اور مجھے پولیس وین میں بٹھا دیا گیا۔ پولیس اسٹیشن پہنچ کر اس نے کاغذی کارروائی مکمل کی اور چالان کر کے مجھے جیل بھیج دیا۔ جیل میرے لئے کوئی نئی جگہ نہ تھی۔ اس لئے وہ گھبراہٹ نہ تھی جو ناگہانی طور سے پہلے پہل جیل جانے پر محسوس ہوئی تھی۔ لیکن میری گھبراہٹ اور جھنجھلاہٹ میں اس وقت واقعی اضافہ ہو گیا جب حسبِ عادت دوسرے قیدیوں نے مجھ سے پوچھا "کس جرم میں آئے ہو؟"

ان کا یہ سوال میرے لئے تقریباً لاجواب تھا اگر میں خود سے بھی یہ سوال کرتا تو جواب سے عاجز رہتا۔ مجھے خود اپنا جرم معلوم نہ تھا۔ میرے ذہن میں تو بس ایک ہفتہ پہلے والا نقشہ تھا۔ ایک ہی ہفتہ پہلے تو یہ انسپکٹر میری دکان پر موٹر سائیکل لے کر آیا تھا۔ اس وقت میں دوسری گاڑی ٹھیک کرنے میں مصروف تھا۔ اس نے میری دکان پر کام کرنے والے لڑکے سے کہا تھا "گاڑی چلتے چلتے بند ہو جاتی ہے۔ اس کا پلگ صاف کر دو۔" وہ لڑکا ایک گاڑی میں بری طرح الجھا ہوا تھا' اس لئے اس نے کہا "ابھی دیکھتا ہوں صاحب۔ ذرا ہاتھ کا کام نپٹا لوں۔"

بس اس کے بعد میں نے ایک چٹاخ کی آواز سنی تھی اور وہ لڑکا لڑکھڑا کر ایک طرف کو گر گیا تھا اور وہ انسپکٹر لال پیلی آنکھیں دکھاتا ہوا بڑبڑا رہا تھا۔ "سالے! مجھے جانتا نہیں ہے؟ باتیں بناتا ہے!"

میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ غصے سے میرا جسم کانپنے لگا۔ میرے ہاتھ میں کئی بار حرکت ہوئی لیکن میں نے بہت ضبط کیا اور اس کے پاس جا کر کہا "یہ بچہ ہے۔ یہ نہیں جانتا کہ تم کون ہو۔ مگر میں جانتا ہوں کہ سرکار نے تمہیں یہ وردی عوام کی حفاظت کے لئے پہنائی ہے۔ اس لئے تم قابلِ قدر ہستی ہو۔ لیکن جب اس وردی کو پہننے والا اپنے فرض کو بھول کر عوام کے حقوق کو روندنے لگے تو وہ قابلِ قدر نہیں رہتا۔ تم اس قابلِ قدر وردی کو پہنے ہوئے ذاتی طور سے ایک کتے ہو۔ جو بلا امتیاز سب پر

www.taemeernews.com

کھونکتا ہے۔ اگر یہ وردی تمہارے جسم پر نہ ہوتی تو یہ انگلیاں تمہارے گال پر بھی ایسا ہی تھپڑ مارنے پر مجبور ہو جاتیں۔ اس سے پہلے کہ میرے ضبط کا بندھن ٹوٹ جائے، تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

انسپکٹر پاؤں ٹپکتا ہوا اور یہ کہتا ہوا چلا گیا تھا "دیکھوں گا سالے، تو کیسے یہ دکان چلاتا ہے۔"

اور آج صرف ایک ہفتے بعد وہ جیپ پر چار کانسٹبل لے کر آیا اور دکان کے اندر گھستا چلا گیا۔ میں کچھ سوچ بھی نہ پایا تھا کہ جب وہ لوگ دکان کے باہر آئے تو انسپکٹر کے ہاتھ میں ایک کپڑے کا میلا سا تھیلا تھا وہ تھیلا میرے لئے بالکل نامانوس تھا۔ اس نے گرج کر کہا "اس تھیلے میں کیا ہے؟"

میں نے حیرت سے کہا "میں اس تھیلے کو پہچانتا بھی نہیں۔ یہ تھیلا میرا نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کوئی کسی گاہک یہاں بھول گیا ہو۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ اس میں ہے کیا؟"

اس نے گالی دے کر کہا "تجھے نہیں معلوم کہ اس میں کیا رکھا ہے؟ میں تجھے سب کے سامنے دکھاتا ہوں کہ اس میں تو نے کیا چھپا کر رکھا ہے۔" اور پھر اس نے وہ تھیلا اُلٹ دیا تو اس میں سے جو کچھ نکل کر گرا، اسے دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے۔

تھیلے میں سے کارتوس اور دستی بم برآمد ہوئے تھے۔ انسپکٹر نے پھر شدید غصے سے گویا دانت پیس کر کہا "اب آ گیا ہوگا یاد کہ اس میں کیا رکھا تھا میں نے تو رجسٹر نمبر آٹھ میں پہلے ہی تیرا ریکارڈ دیکھ لیا تھا۔ ایک دفعہ فرقہ وارانہ فساد پھیلانے میں سزا بھگت چکا ہے، پھر بھی ہوش ٹھکانے نہیں آئے تیرے اوپر تو کب سے میری نظر تھی۔ تیری وجہ سے ہی شہر میں تناؤ کا ماحول رہتا ہے۔ میں جانتا تھا تیری دکان فرقہ پرستی کا اڈا ہے، مگر ثبوت نہیں ملتا تھا۔ آج تیری قضا اس تھیلے میں مل گئی۔"

میں نے لاکھ اپنی صفائی میں کہا اور اس تھیلے کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا، مگر بے سود۔ میری بے گناہی سے بھلا اس کے انتقام کی آگ کیوں کر ٹھنڈی ہوتی ——— اور اس طرح ایک بار پھر مجھے اپنی بے گناہی کے جرم میں جیل کے اندر ٹھونس دیا گیا۔ پھر بھلا میں دوسرے قیدیوں کو اپنا جرم کیا بتاتا؟ لیکن بغیر بتائے وہ چھوڑنے والے بھی کہاں تھے۔ میں نے دل پر صبر کر کے خون کا گھونٹ پی کر کہہ دیا "فرقہ پرستی کا الزام ہے مجھ پر۔" میرا جرم سن کر انھوں نے نفرت سے میری طرف دیکھا اور میری طرف تھوک کر ادھر اُدھر چلے گئے۔ میں اپنی بے بسی پر رونا چاہتا تھا، مگر یہ بھی نہ کر سکا، کیوں کہ ان آنکھوں سے آنسو تو آج سے بارہ سال پہلے ہی اس وقت خشک ہو چکے تھے جب ——— وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا۔

بارہ سال پہلے میں موٹر سائیکل کی مرمت کا کام سیکھ رہا تھا۔ میرے باپ اسکول میں چپراسی تھے۔ ماں پرانی دل کی مریضہ تھیں۔ ان کی بس بڑھاپے کی ایک ہی خواہش تھی کہ میں جلدی سے کام سیکھ کر کچھ کمانے لگوں تو وہ اپنی بیماری اور بڑھاپے کا سہارا، یعنی اپنی بہو لے آئیں۔ والد صاحب ریٹائر ہونے والے تھے۔ وہ بھی چاہتے تھے کہ میں ان کے ریٹائر ہونے سے پہلے اپنے پیروں پر کھڑا ہو جاؤں۔ میں خود بھی بڑی محنت اور لگن سے تقریباً کام سیکھ ہی گیا تھا اور اس فکر میں تھا کہ کہیں اچھی جگہ پر دکان مل جائے تو اپنا دھندا شروع کر دوں۔

اُن دنوں شہر میں ٹاؤن ہال کے میدان میں نمائش لگی تھی۔ میں بھی شام کو اپنے ایک دوست کے ساتھ نمائش میں گھومنے گیا۔ گیارہ بجے کے قریب ایک دم لائٹ چلی گئی۔ گہری تاریکی کا راج ہو گیا۔ نمائش میں افراتفری مچ گئی۔ سب گھبراہٹ میں نمائش سے نکل کر بھاگنے لگے۔ خصوصاً عورتوں میں زیادہ وحشت اور گھبراہٹ تھی، کیوں کہ اندھیرے کے سمندر میں بدنیت لوگوں کی خوب بن آتی ہے۔ وہ تو غنیمت تھا کہ آدھے چاند کی ہلکی روشنی اندھے کی لکڑی کا کام کر رہی تھی اندھیرے میں میرا دوست بھی مجھ سے بچھڑ گیا۔ تھوڑی دیر ادھر اُدھر بھٹک کر میں اکیلا ہی گھر کی طرف چل دیا۔ گیٹ سے باہر نکلا تو ایک جوان اور خوب صورت لڑکی گھبرائی ہوئی سی سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔ ایک دو آوارہ سے لڑکے اس کے گرد بھنوروں کی طرح منڈلا رہے تھے۔ میں یوں ہی آگے بڑھ گیا تھا لیکن چند قدم آگے جا کر میرا دل نہ مانا اور میں نے اس لڑکی کے پاس جا کر کہا "کیا آپ اکیلی ہیں؟ کچھ گھبرائی ہوئی سی لگ رہی ہیں؟"

اس لڑکی کے ایک دم آنسو نکل آئے اور اس نے آنکھیں ساڑی کے پلو سے پونچھ کر کہا "میں اندھیرے میں اپنے بھائی اور بھابی سے الگ ہو گئی تھی۔ وہ مجھے مل نہیں رہے ہیں۔" کچھ رک کر اس نے دھیرے سے پھر کہا "یہ لڑکے مجھے پریشان کر رہے ہیں۔"

میں جوان تھا۔ کسرتی بدن تھا۔ بازوؤں میں قوت تھی۔ میں نے اس سے بڑے خلوص اور حوصلے سے کہہ دیا "آپ کو اب کوئی پریشان نہ کرے گا۔ کہئے تو آپ کو گھر تک پہنچا دوں۔ یا پھر آپ اپنے بھائی اور بھابی کا انتظار یہیں کر لیں۔ میں یہیں کھڑا ہوں۔"

اس کے چہرے کی پریشانی کچھ کم ہو گئی۔ وہ کافی دیر تک وہیں کھڑی اپنے بھائی کا انتظار کرتی رہی وہ لڑکے رفوچکر ہو چکے تھے۔ پھر جب وہ بالکل مایوس ہو گئی اور لائٹ بھی نہ آئی تو اس نے مجھ سے اپنے گھر پہنچانے کی التجا کی۔ اب اندھیرے سے کچھ آنکھیں مانوس ہو گئی تھیں۔ چاند بھی کچھ اور اوپر آ گیا تھا۔ پیڑ کی وجہ سے چھدری سی چاندنی اس کے چہرے پر پڑنے لگی تھی۔ میں نے اطمینان کرنے کے لئے اس کے سراپا پر ایک نظر ڈالی۔ وہ انیس بیس سال کی خوب صورت چہرے اور پُرکشش خد و خال کی لڑکی تھی۔ اس کے چہرے پر حیا کا نور اور معصومیت کی جھلک تھی۔ میں نے مطمئن ہو کر اس سے اس کے بھائی کا نام پتہ پوچھا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ غیر مذہب کی لڑکی تھی اور فیکٹری اسٹیٹ کے کوارٹر میں رہتی تھی۔ میں مظلوم کی مدد کرنے اور انسانی فرض کو ادا کرنے کے جذبے کو فراموش نہ کر سکا اور اسے ساتھ لے کر پیدل ہی چل دیا، کیوں کہ نمائش گراؤنڈ سے اس کا کوارٹر کچھ زیادہ دور نہ تھا۔ تاہم رات کے گیارہ بجے تنہا لڑکی کا جانا بھی مناسب نہ تھا۔

ریلوے کراسنگ پار کر کے جب ہم دونوں ڈپو روڈ پر مڑے تو کچھ غیر آباد علاقہ شروع ہو گیا تھا۔ وہ بھی چپ تھی اور میں بھی خاموشی سے چل رہا تھا۔ وہ شاید مطمئن تھی کہ اسے بھروسے کا رہ نما مل گیا تھا اور میرا دل اس بات سے خوش تھا کہ میں انسانی فرض ادا کر رہا تھا۔

ڈپو کے گیٹ کے سامنے اُونچے اُونچے املی کے پیڑوں نے راستے کو بالکل اندھیرے میں ڈبو رکھا تھا۔ کچھ بھی دکھائی نہ دے رہا تھا۔ وہ بالکل مجھ سے لگ کر چل رہی تھی۔ شاید وہ اس ویران سڑک اور بے پناہ تاریکی سے ڈرنے لگی تھی۔ پھر اس نے جھجکتے جھجکتے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اسی طرح ہم دونوں کچھ اور آگے بڑھ کر تراہے پر پہنچ گئے۔ پھر سامنے سے کوئی تیز رفتار گاڑی آتی ہوئی دکھائی دی۔ گاڑی کی لائٹ ہم دونوں پر پڑی تو احتیاطاً میں نے اس سے ہاتھ چھڑا لیا۔ آناً فاناً وہ گاڑی ہم لوگوں کے سامنے آ کر رک گئی۔ اس کی تیز ہیڈ لائٹ سے ہم دونوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ وہ پولیس کی گاڑی تھی۔ پھر تین چار پولیس والے اس میں سے اترے اور ہم دونوں کو گھیرے میں لے لیا۔ وہ بھی گھبرا گئی میری بھی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ معاملہ کیا ہے "کون ہو تم لوگ اور اس وقت کہاں جا رہے ہو؟"

میرے دل میں کوئی چور نہ تھا۔ میں سادگی سے سارا واقعہ اسے بتا دیا۔ اس نے خوں خوار نگاہوں سے اس لڑکی کو گھور کر اس سے بھی وہی سوال کیا اس نے گھبرا کر، شرما کر وہی بات بتا دی۔ پھر سب انسپکٹر کی قہر آلود نگاہیں میرے چہرے پر پڑیں اور ساتھ ہی ایک زبردست طمانچہ بھی۔ پھر گالی کے ساتھ اس کی آواز پگھلے ہوئے سیسے کی طرح میرے

www.taemeernews.com

کانوں میں پڑی: ”سالے! ڈراما کرتا ہے! سیدھی سادی لڑکی کو بہکا کر لئے جا رہا ہے وہ بھی دوسرے مذہب کی لڑکی۔ شہر میں فرقہ وارانہ فساد پھیلائے گا“ وہ اور بھی نہ جانے کیا کیا بکتا رہا۔ پھر اس نے ڈری سہمی لڑکی کو عجیب نظروں سے دیکھا اور دوسرے سپاہیوں سے کہا ”لے جا کر اس سالے کو بند کر دو۔ جیل کی ہوا کھائے گا تو ہوش ٹھکانے آجائیں گے۔ ساری عیاشی بھول جائے گا۔ میں اس لڑکی کو اس کے گھر پہنچانے جا رہا ہوں“ اس نے لڑکی کا ہاتھ پکڑا اور تیزی سے جیپ میں بیٹھ گیا۔ اس لڑکی نے کچھ کہنے کی کوشش کی تو اسے بُری طرح جھڑک کر جیپ میں دھکیل دیا۔

دو پولیس والے مجھے پاس کی چوکی پر لے گئے مجھے اپنی گرفتاری کا زیادہ ملال نہ تھا، بلکہ اس بات کی خوشی تھی کہ وہ لڑکی حفاظت سے اپنے گھر پہنچ جائے گی۔ مجھ پر طرح طرح کی سختیاں کی گئیں اور الٹا سیدھا بیان قلم بند کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ مجھ پر غیر مذہب کی لڑکی کو بھگانے اور اس طرح فرقہ واریت کی فضا بنانے کا چارج لگایا گیا۔ جیل میں مجھے دو اور وحشت خیز خبریں ملیں۔ ایک تو یہ کہ میری ماں کا کمزور دل اس صدمہ کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے دھڑکنا چھوڑ دیا۔ میرے والد بھی بڑھاپے کا بوجھ تنہا نہ اٹھا سکے اور دنیا سے چلے گئے۔ دوسری خبر یہ ملی کہ اسی لڑکی نے بھی میرے خلاف بیان دیا۔ بس اس بات نے میرے احساس کو زخمی کر کے رکھ دیا اور انسانیت کا ننگا جسم مجھے لہولہان محسوس ہونے لگا۔

ایک ڈیڑھ ماہ بعد مجھے جیل میں خبر ملی کہ کوئی لڑکی مجھ سے ملنے آئی ہے۔ میری سمجھ میں نہ آسکا کہ کون لڑکی ہو سکتی ہے۔ میرا تو اس دنیا میں بیمار ماں اور بوڑھے باپ کے علاوہ کوئی اپنا نہ تھا اور وہ دونوں بھی مجھے چھوڑ کر دنیا سے چلے گئے تھے جب وہ لڑکی میرے سامنے آئی تو میری آنکھیں گویا خون اگلنے لگیں اور جسم سرخ انگاروں کی طرح دہکنے لگا۔ وہ ـــــ وہی لڑکی تھی جسے میں نے اپنی بہن سمجھ کر خود کو اس مصیبت میں گرفتار کیا تھا۔ جب وہ سلاخوں کے دوسری طرف میرے سامنے آئی تو میرے ضبط کے سارے بندھن کوشش کے باوجود ٹوٹ گئے۔ میں نے اس سے دانت پیس کر کہا ”اب میری انسانیت کا کون سا انعام دینے آئی ہو؟“

”انعام دینے بھیا، اپنی بدنصیبی کی کہانی سنانے آئی ہوں۔ مجھے معاف کر دیں، یہ سب آپ کو میری وجہ سے برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔ لیکن وشواس کرو بھیا، مجھے ایسا بیان دینے کے لئے مجبور کر دیا گیا تھا مجھے تھانے میں، پھر گھر پر بار بار یہ دھمکی دی گئی کہ اگر عدالت میں مَیں نے اپنا بیان بدلا تو میرے بھائی کو جان سے مار دیا جائے گا۔ میرا سہارا میرے ایک ہی بھیا ہیں۔ اس لئے اس زبردستی لکھائے ہوئے بیان کو بدل نہ سکی۔ میں آج بھی رو رہی ہوں کہ ایک بھیا کو بچانے کے لئے دوسرے بھیا کو جیل جانے پر مجبور کرنا پڑا۔ اگر آپ نے مجھے معاف کر دیا تو میرے بھگوان بھی مجھے معاف کر دیں گے۔“

وہ پھر زار و قطار رونے لگی۔ اس کی بے چارگی اور اپنی بدنصیبی پر میری بھی آنکھیں بھر آئیں۔ میں نے سلاخوں کے باہر ہاتھ نکال کر اس کا سر تھپتھپایا اور کہا ”تم نے بہت اچھا کیا، بہن۔ میری ساری غلط فہمی دور ہو گئی۔ میں خوش ہوں کہ میری وجہ سے تمہارے بھائی کی جان اور تمہاری عزت بچ گئی۔ میری تھوڑے دن کی پریشانی ہے، کٹ جائے گی۔“

وہ مسلسل روئے جا رہی تھی۔ میں نے پھر بڑے پیار سے کہا ”اب کیوں روتی ہو؟ دیکھو، میں ہنس رہا ہوں۔ تم بھی ہنسو۔“ اور میں زبردستی ہنسنے کی کوشش کرنے لگا۔

اس نے بدستور روتے ہوئے کہا ”یہ رونا تو زندگی بھر کا ہو گیا ہے، بھیا۔ ابھی میری بدنصیبی کی داستان ختم کہاں ہوئی ہے؟ میں تو برباد ہو گئی ہوں۔ تم نے میری جس عزت کی حفاظت کے لئے اتنی قربانی دی، اسے قانون کے اس محافظ نے تھانے میں اسی دن لوٹ لیا تھا۔“

”نہیں!“ میں تقریباً چیخ پڑا۔ میری رگوں میں خون آتشیں سیال کی طرح دوڑنے لگا۔ میں نے کس کے سلاخوں کو جکڑ لیا۔ کاش میرے غصے کی گرمی سے وہ سلاخیں پگھل جاتیں تو اسی وقت میں جا کر اس وحشی کا خون پی لیتا۔ مگر میری بے بسی نے خود مجھے خون کا گھونٹ پینے پر مجبور کر دیا۔ میں نے خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ”وہ کون بھیڑیا تھا۔ مجھے اس کا نام بتا دو۔“

”نہیں بھیا، جو کھو گیا، اب وہ واپس نہیں آسکتا۔ بس آپ نے مجھے معاف کر دیا، میرے من کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔“

”بہن! میرے جسم میں آگ لگی ہے۔ میں تو ویسے ہی سب کچھ کھو چکا ہوں۔ اب جینا بھی کس کے لئے ہے۔ بس تم مجھے صرف اس کا نام بتا دو۔ تمہاری لٹی ہوئی عزت کی قسم، میں جیل سے آنے کے بعد اسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔“

وہ کچھ نہ بول سکی۔ اس کے آنسوؤں کی بوندیں ٹپ ٹپ میرے ہاتھ پر گر رہی تھیں۔ ان میں ایسی گرمی تھی جیسے چنگاریاں برس رہی ہوں۔ جب میں نے اسے اپنی قسم دے دی تو اس نے بتایا کہ وہ وہی موذی تھا جس نے اسے جیپ میں بٹھایا تھا۔ اس نے مزید دکھ کے ساتھ بتایا کہ اب وہ اپنے بھائی کے ساتھ دوسرے شہر میں رہنے جا رہی ہے، کیوں کہ یہاں وہ مونہہ دکھانے کے قابل نہیں رہی۔

میں نے اس سے کہا ”تمہاری مجبور آہیں بے اثر نہیں جائیں گی، بہن۔ مظلوم عورت جب دل سے روتی ہے تو اس کے سیلاب میں تاج و تخت بہہ جاتے

● ڈمپل کپاڈیہ اور دھرمیندر فلم ”مست قلندر“ میں

www.taemeernews.com

ہیں۔"

وہ چلی گئی اور میں اسے اپنے آنسوؤں سے الوداع کہتا رہا۔

جب تین مہینے بعد میں جیل سے چھوٹا تو پھاٹک سے نکل کر حواس پر بس اس درندے کی شبیہ چھائی ہوئی تھی اور میرے ذہن میں ایک ہی آواز گونج رہی تھی ــــــ انتقام! ایک مظلوم لڑکی کی لوٹی ہوئی عزت کا انتقام! جیسے تیسے میں اپنے گھر پہنچا تو اپنے ماں باپ کی چھوڑی ہوئی ایک ایک چیز اور ویران گھر کو دیکھ کر میرے دل پر آرے چلنے لگے۔ میں اسی دن سے اسے قتل کرنے کے منصوبے بنانے لگا۔ ہر وقت اپنی کوٹ میں چاقو رکھنے لگا تھا۔

ایک دن اس کی شامت اسے میرے سامنے لے آئی۔ رات کا وقت تھا۔ میں اتفاق سے اسی ڈپو والی سڑک پر جا رہا تھا۔ گیارہ بجے کا وقت ہوگا۔ سامنے سے ایک تیز رفتار موٹر سائیکل آ رہی تھی۔ اس سڑک پر عام طور سے اندھیرا رہتا ہے۔ موٹر سائیکل کی تیز روشنی میرے چہرے پر پڑی تو میں ایک طرف کو ہو گیا۔ لیکن پھر موٹر سائیکل عین میرے سامنے آ کر رک گئی۔ میری رگوں میں خون کی گردش بڑھ گئی۔ میرا شکار خود میرے سامنے آ گیا تھا۔ اس کی مکروہ آواز میرے کانوں میں پڑی "تو پھر اسی چکر میں گھوم رہا ہے۔" اس نے مجھے پہچان لیا تھا۔

میں نے فوراً کہا "آج وہ چکر نہیں ہے۔ آج دوسرا چکر ہے صاحب!"

دوسرے ہی لمحے اس نے حسب عادت کرارا تھپڑ مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا، مگر میں نے پھرتی کے ساتھ ایک ہاتھ سے اسے روک لیا اور دوسرے ہاتھ سے اسے زور کا دھکا دے دیا۔ وہ وہیں گر پڑا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل سکے یا اپنا ریوالور نکال سکے، میں نے اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر اپنی کوٹ سے چاقو نکال کر کھولا۔ ایک ہاتھ سے اس کا مونھ دبایا اور دوسرے ہاتھ سے چاقو کا بھرپور وار کر دیا۔ چاقو ایسا نشانے پر بیٹھا کہ اس کی پسلیاں توڑتا ہوا شاید دل تک جا پہنچا، کیوں کہ دو تین بار تڑپنے کے بعد وہ ڈھیر ہو گیا۔ خون کی ایک تیز دھار میرے ہاتھ اور گریبان کو لالہ زار کر گئی، جیسے میری فتح پر کسی نے سرخ پھولوں کا ہار میرے گلے میں ڈال دیا ہو۔

دوسرے دن میں نے خود کو کچہری میں حاضر کر دیا۔ مجھ پر دفعہ ۳۰۲ کے تحت مقدمہ چلا اور بیس سال بامشقت قید کی سزا ہو گئی۔ میرے دل میں کوئی ملال نہ تھا، کوئی گھبراہٹ نہ تھی۔ وہ سزا مجھے دل سے قبول تھی، کیوں کہ میں نے جرم کیا تھا۔ لیکن پھر جیل میں، میں نے فیصلہ بھی کر لیا تھا کہ اب میرا عہد پورا ہو چکا ہے۔ اب سزا پوری ہونے کے بعد شریفانہ زندگی گزاروں گا

اور میں نے ایسا ہی کیا۔ سزا پوری ہونے کے بعد میں نے بازار میں ایک دکان کرائے پر لی اور موٹر سائیکلوں کی مرمت کا کام کرنے لگا۔ کام خوب چلنے لگا۔ زندگی معمول پر آ گئی۔ پچھلے سب حادثے ذہن سے زائل ہو گئے۔ لیکن دو سال بعد پھر مجھے فرقہ پرست قرار دے کر جیل میں ٹھونس دیا گیا اور پھر ــــــ جیل کی سلاخوں کو پکڑ کر میں نے عہد کر لیا کہ جیسے بھی ہو، مجھے فرقہ پرست بتلانے والے کو سفید کفن پہنانا ہے۔ شاید میرے نصیب میں قید و بند کی زندگی ہی لکھی ہے۔

مجھ پر فرقہ پرستی بھڑکانے کا مقدمہ چلا۔ بقیلے کے فنگر پرنٹس سے تو میرا جرم ثابت نہ ہو سکا۔ لیکن میرے پچھلے ریکارڈ کی روشنی میں مجھے تین ماہ کی قید کی سزا دے دی گئی۔ میں نے صبر و شکر سے اسے بھی قبول کر لیا۔ اور جب تین ماہ بعد پھر جیل سے نکلا تو پھر وہی عہد ذہن میں گونج رہا تھا: "انتقام! انتقام!"

میں نے اس انسپکٹر کے بارے میں معلومات فراہم کر لیں۔ مجھے معلوم ہوا کہ اس کا تبادلہ بکھیم پور ہو گیا ہے۔ میرے انتقام کے جذبے نے مجھے بکھیم پور پہنچا دیا۔ وہاں مجھے معلوم ہوا کہ وہ اپنی بیوی اور دو بچوں کے ساتھ ایک کرائے کے مکان میں رہتا ہے۔ پھر میں نے رات میں جا کر باہر سے اس کے مکان کا جائزہ لے لیا اور مجھے اطمینان ہو گیا کہ رات کو اس ملعون تک پہنچنا مشکل کام نہ ہوگا۔

ایک ہفتے کے بعد میں اپنے ذہن میں واضح پروگرام اور حوصلے کے ساتھ پھر بکھیم پور پہنچ گیا۔ دن بھر ادھر ادھر گھوم کر فرار کے راستے دیکھتا رہا۔ جیسے جیسے رات قریب آ رہی تھی، میرے خون کی گردش اور انتقام کی آگ بڑھتی جا رہی تھی۔ وہی چاقو اب بھی میری کوٹ میں محفوظ تھا۔ پتلون کی جیب میں ایک دیسی پستول بھی پڑا تھا۔

رات کے ٹھیک بارہ بجے میں انسپکٹر کے کمرے کی کھڑکی کے پاس واٹر پائپ پر چڑھ رہا تھا۔ پائپ پر چڑھ کر میں نے روشن دان سے اندر کمرے کا جائزہ لیا، تاکہ اترنے کا ذریعہ دیکھ سکوں۔ کمرے میں ہلکی ہلکی سبز روشنی ہو رہی تھی۔ دو پلنگ پڑے تھے۔ دونوں پر دو افراد رضائی سے مونھ ڈھانپے بے خبر سو رہے تھے۔ روشن دان کے ٹھیک نیچے کارنس تھا۔ اب نیچے اترنا مشکل کام نہ تھا۔ میں نے کس کے اپنے پنجوں سے روشن دان کو پکڑا، اپنا جسم نیچے لٹکایا اور پیروں کو کارنس پر ٹکا کر احتیاط سے فرش پر کود گیا۔ کوٹ سے چاقو نکال کر میں نے ایک ہاتھ میں لے لیا اور دوسرے ہاتھ میں پستول پکڑ لیا۔ پھر پہلے کمرے کا اور پھر گھر کا صدر دروازہ کھول دیا۔ اتنا کرنے پر بھی دونوں پلنگوں پر کوئی جنبش نہ ہوئی۔ میرے اندر انتقام کا جذبہ سیلاب کی طرح

اٹھتا چلا آ رہا تھا۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ میرے داہنی طرف والے پلنگ پر وہی موذی ہوگا۔ میں نے پستول والے ہاتھ کو محتاط کر کے چاقو والے ہاتھ سے اسی پلنگ کا رضائی کا کونا اٹھا دیا۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ وہ مکروہ صورت میرے سامنے تھی۔ میں نے سوچا، میرا یہ چاقو تھوڑی ہی دیر بعد اسے ابدی نیند سلا دے گا۔ پھر یہ کسی بے گناہ پر فرقہ پرستی کا داغ نہ لگا سکے گا۔ میں بائیں طرف والے پلنگ کی طرف سے بھی غافل نہ تھا۔ چند لمحے بعد ہی اس موذی نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل سکے، میں نے چاقو کی نوک اس کے سینے پر رکھ دی۔ وہ انتہائی گھبرائی ہوئی آواز میں بولا "کک ــــــ کون ہو تم؟"

"مجھے نہیں پہچانا؟ اس وقت فرقہ پرست تھا اور اس وقت تمہاری موت! اپنے قول کے مطابق تمہیں سفید کفن پہنانے آیا ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ اس وقت تم اس خاکی وردی میں نہیں ہو۔"

اس نے آہستہ آہستہ ہاتھ اپنا تکئے کے نیچے سرکانے کی کوشش کی تو میں نے چاقو کی نوک پر ذرا دے کر کہا "اب تمہارا یہ ہاتھ ریوالور تک نہ پہنچ سکے گا، کیوں کہ یہ چاقو تمہارے دل کے بہت قریب ہے۔"

اسی وقت میں نے دوسرے پلنگ پر حرکت محسوس کی۔ میں نے پستول والے ہاتھ کو بھی مستعد کر لیا۔ رضائی سرکی تو میں نے دو تیز آنکھوں کی چمک دیکھی۔ پلنگ کی دوری اور مدھم روشنی کی وجہ سے چہرہ تو نہ دیکھ سکا، مگر اتنا اندازہ ضرور ہوا کہ وہ عورت تھی۔ مجھے کوئی گھبراہٹ نہ ہوئی۔ پھر بھی میں زیادہ چوکس ہو گیا۔ میں نے پھر اپنے دشمن اس خوں خوار بھیڑیے کی طرف دیکھا اور پوری طاقت اور پھرتی سے وار کرنے کے لئے چاقو والا ہاتھ اٹھایا۔ لیکن اس وقت دوسرے پلنگ پر ایک بجلی سی تڑپی، رضائی دور گری، کوئی پلنگ سے اچھلا اور میرے پیروں پر آ گرا۔ پھر میرے کانوں میں ایک مانوس سی آواز پڑی: "بھیا، ایک بار تو میری عزت بچانے کی خاطر جیل جانا گوارا کر لیا تھا، آج کیا میرا سہاگ اجاڑ دوگے؟"

آواز انجان نہ تھی۔ میں نے ذرا جھک کر اسے دیکھا تو خون کی ساری گرمی رفو چکر ہو گئی۔ وہ میری بہن تھی، جس کی خاطر مجھ پر فرقہ پرستی کا الزام لگا تھا۔ میرا ہاتھ ڈھیلا پڑ کر نیچے آ گیا۔ میں نے اسے قدموں سے اٹھا کر اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "یہ ہاتھ تو عزت بچانے کے لئے بنے ہیں، بہن، سہاگ اجاڑنے کے لئے نہیں۔ تیری مانگ کا سیندور ہمیشہ جھلملاتا رہے، بہن"

میں نے چاقو اور پستول وہیں ڈال دئے اور خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرتے ہوئے گھر سے باہر نکل گیا۔

■■

www.taemeernews.com

اظہار عثمانی

بلا عنوان

فلم ڈائرکٹر پی جیسوال کا قتل ہو گیا ـــــ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی۔ فلم اسٹوڈیو دھڑا دھڑ بند ہونے لگے اور فلم سے متعلق ہر شعبے کے لوگ وشال اسٹوڈیو کی طرف دوڑ پڑے، جہاں قتل کی واردات ہوئی تھی۔ کچھ ہی دیر میں وشال اسٹوڈیو میں سیکڑوں آدمی جمع ہو گئے۔

پولیس نے جائے واردات پر پہنچنے میں بڑی مستعدی دکھائی اور وہیں قاتل نتاشا کو گرفتار کر لیا، جو جیسوال کی نئی فلم "درپن" کی ہیروئن تھی۔

پی جیسوال کا قتل کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ وہ اردو، ہندی فلموں کا مانا ہوا ڈائرکٹر تھا۔ اُس نے اپنی تیس سالہ فلمی زندگی میں کتنی ہی فلمیں بنائی تھیں۔ اُس کی کئی فلموں نے سلور، گولڈن یا پلاٹینم جوبلی منائی تھی۔ جس کا ثبوت اس کے ڈرائنگ روم میں جگمگاتی ہوئی شیلڈ اور ٹرافیاں تھیں۔ اُس نے کتنے ہی نئے فن کار فلم انڈسٹری کو دئے تھے۔ جیسوال کی ہدایت کسی بھی فلم کی کامیابی کی ضمانت سمجھی جاتی تھی۔ فلمی دنیا کا بڑے سے بڑا اسٹار جیسوال کو جھک کر سلام کرتا تھا اور اس کی فلم میں کام کرنے کو ہر وقت تیار رہتا تھا۔ نتاشا اس کی نئی ہیروئن تھی۔ نتاشا نے جیسوال کا قتل جان بوجھ کر نہیں کیا تھا۔ بہ ظاہر یہ قتل ایک حادثہ تھا، لیکن اس حادثے کے پیچھے کوئی گہری سازش تھی، جس کا شکار نتاشا اور جیسوال دونوں ہوئے تھے۔

واقعہ اس طرح ہوا تھا۔

وشال اسٹوڈیو میں "درپن" کی شوٹنگ ہو رہی تھی۔ فلم کی ہیروئن نتاشا کو فلم کا ولین ریپ (عصمت دری) کر کے بھاگتا ہے۔ بھاگتے ہوئے ولین ایک کرسی سے ٹکرا جاتا ہے۔ اور اس کا ریوالور زمین پر گر جاتا ہے۔ نتاشا ریوالور اٹھا لیتی ہے اور ولین پر پورا ریوالور خالی کر دیتی ہے۔ ولین کا جسم گولیوں سے چھلنی ہو جاتا ہے اور زمین پر خون بہنے لگتا ہے اور ولین وہیں گر کر دم توڑ دیتا ہے۔

کئی ری ٹیک کے بعد بھی سین او۔ کے نہ ہو سکا۔ ہر بار نتاشا سے کچھ نہ کچھ غلطی ہو جاتی تھی۔ کبھی ریوالور اُس کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا اور کبھی وہ ٹھیک وقت پر گولیاں نہ چلا پاتی۔ جب بیس ری ٹیک کے بعد بھی سین ٹھیک طرح نہیں ہوا تو جیسوال جھنجھلا گیا۔ اس نے ولین کو سیٹ سے ہٹا دیا۔ اور نتاشا کو سین سمجھانے کی غرض سے ولین کی اداکاری خود کر کے دکھائی۔ اس وقت سیٹ پر موجود سبھی افراد نے جیسوال کی ہدایت کاری اور اداکاری کی تالیاں بجا کر داد دی۔ اس کی اداکاری میں بلا کی جان تھی ـــ گولیاں کھا کر زمین پر گرنا، گر کر تڑپنا اور دم توڑتے ہوئے اس کی آخری چیخ۔ ایک ایسی چیخ جس سے سارا اسٹوڈیو تھرا گیا تھا۔ اس مرتبہ نتاشا نے بھی کوئی غلطی نہیں کی تھی۔ اس نے ٹھیک وقت پر پورا ریوالور جیسوال پر خالی کر دیا تھا۔

پھر فوراً ہی یہ راز کھل گیا کہ جیسوال پر نتاشا کی چلائی ہوئی گولیاں اصلی تھیں۔ اس کے جسم سے نکلا ہوا خون سرخ رنگ نہیں، بلکہ اُس کا اپنا خون تھا اور اس سے پہلے کہ کوئی کچھ سمجھ پاتا جیسوال دم توڑ چکا تھا۔

جیسوال کی عمر لگ بھگ پچاس سال تھی۔ جب وہ بیس سال کا خوب صورت اور کڑیل نوجوان تھا تو پنجاب کے کسی گاؤں سے بمبئی فلموں میں ہیرو بننے آیا تھا۔ اُس نے اپنی فلمی زندگی کا آغاز اداکاری سے کیا تھا۔ وہ بہترین صلاحیتوں کا مالک تھا۔ اس لیے چند برس میں ہی چوٹی کا اسٹار اور اداکار بن گیا۔ آہستہ آہستہ تجربہ بڑھنے کے ساتھ جیسوال اداکاری کے علاوہ ہدایت کاری میں بھی دل چسپی لینے لگا اور ایک دن ایسا آیا کہ وہ اداکار سے ہدایت کار بن گیا۔

فلم نگری میں ایسے لوگ بہت کم ہیں، جن کے نام کے ساتھ کوئی اسکینڈل یا کوئی بدنامی نہ جڑی ہوئی ہو۔ لیکن جیسوال فلمی دنیا میں ایک ایسا نام تھا، جس کی نجی زندگی سفید چادر کی طرح بے شکن اور بے داغ تھی ـــ جیسوال نے ہمیشہ فلم میکنگ کو ٹیم ورک سمجھا تھا ـــ یہی وجہ تھی کہ وہ فلم میں کام کرنے والے ہر چھوٹے بڑے کا خیال رکھتا تھا۔ فلم انڈسٹری میں اس کے دوست ہی دوست تھے۔ اس سے کسی کی دشمنی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اسی لئے جیسوال کے قتل سے نہ صرف بمبئی کی فلم نگری بلکہ کلکتہ، مدراس اور باقی سارے ملک میں فلم کے شائقین کو صدمہ پہنچا۔ اور ملک بھر میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔

اور نتاشا ـــــ اُس کی یہ پہلی فلم تھی۔ وہ دہلی کے ایک مال دار گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کے باپ کندن لال کی دہلی کے قریب فرید آباد میں ریکسین بنانے کی بہت بڑی فیکٹری تھی۔ اُس نے نفسیات میں ایم اے کیا تھا۔ وہ بچپن سے ہی ایکٹنگ کی شوقین تھی۔ اُس نے تعلیم کے دوران میں ہی فلمی کیریر اپنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ نتاشا کے ارادوں کا علم جب اس کے باپ کو ہوا تو وہ چراغ پا ہو گئے۔ کیوں کہ وہ فلم نگری کے رنگ ڈھنگ سے اچھی طرح واقف تھے۔

یہ کوئی ۱۹۵۰ کی دہائی کی بات ہو گی، جب کندن لال ریکسین لینے بمبئی جایا کرتے تھے۔ قلمیا ران میں ان کی زمین

www.taemeernews.com

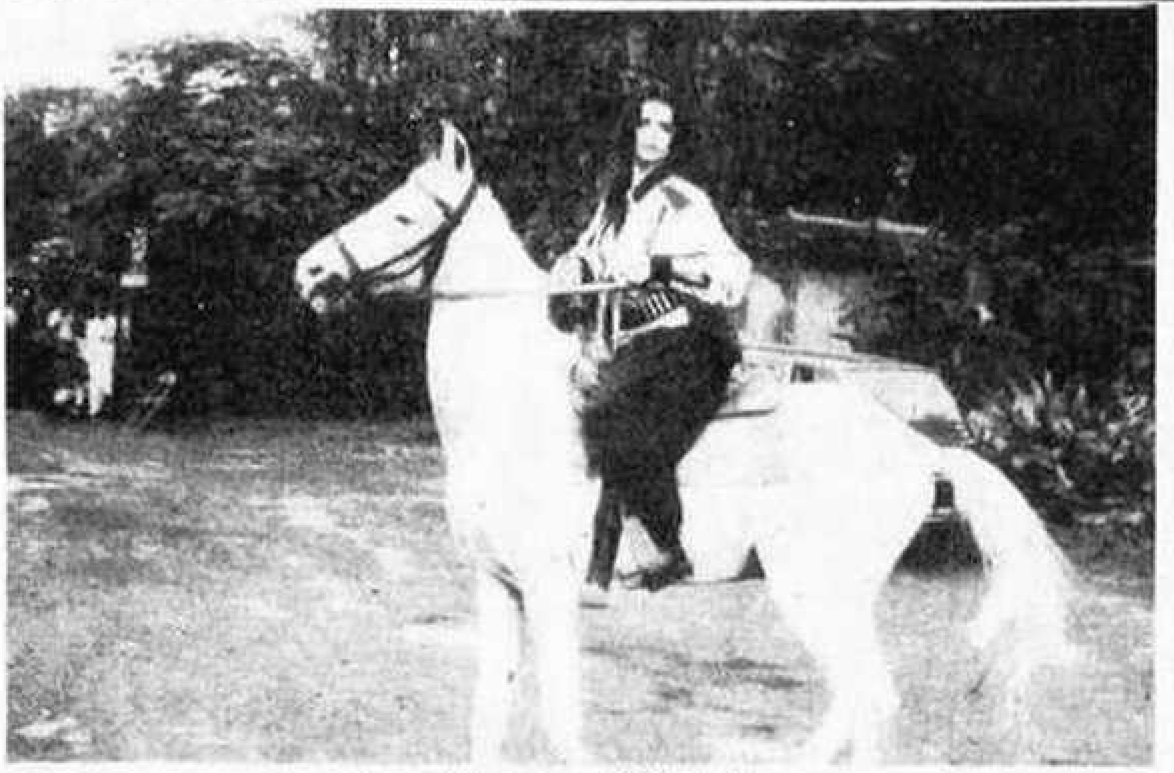

● فلم "قسم سہاگ کی" آؤٹ ڈور شوٹنگ میں ریکھا

کی تھوک کی دکان تھی۔ کندن لال کو مغلئی کھانوں کا بڑا شوق تھا۔ یہ شوق بمبئی میں انہیں رفیق ہوٹل نے دیا تھا۔ اور پھر بھنڈی بازار کے رفیق ہوٹل کے مالک حاجی رفیق ان کے یار غار بن گئے تھے۔ رفیق ہوٹل پورے بمبئی میں مغلئی کھانوں کے لئے مشہور تھا۔ فلم لائن کے لوگ فلمی پارٹیوں اور شوٹنگ کے دوران رفیق ہوٹل سے کھانا منگایا کرتے تھے۔

وسیم خاں ہوٹل کے کاروبار میں یکتا تھے۔ اتنے ماہر کہ یہ کھانے کا رنگ دیکھ کر اور خوشبو سونگھ کر اس کا ذائقہ بتا دیا کرتے تھے۔ وہ اتنے ملنسار اور با اخلاق تھے کہ ایک بار جو ہوٹل میں آتا، وہ ان کا دوست بن جاتا تھا۔ فلمی دنیا کے وہ لوگ جو ریس کھیلنے آتے رفیق ہوٹل میں کھانا ضرور کھاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ کندن لال جب ریس کے دنوں میں مال لینے بمبئی آتے تو دنوں کی بجائے ہفتوں عبدالرحمٰن اسٹریٹ پر حاجی رفیق گیسٹ ہاؤس میں قیام کرتے۔ وہ ریس کورس میں ہوٹل کے کاؤنٹر کے پاس گھنٹوں وسیم خاں کے ساتھ بیٹھے رہتے۔ اور ان کا ہاتھ بٹاتے۔ اس طرح وہ وسیم خاں کے قریبی دوست بن گئے تھے۔

کندن لال فلمی لوگوں سے بڑے شوق سے ملتے تھے۔ یہی میل ملاقات انہیں اور وسیم خاں کو فلم کے کاروبار تک لے گیا۔ انہوں نے شرکت میں ایک فلم بنائی، لیکن ان کی پہلی ہی فلم نامکمل رہی اور انہیں ایسا لگا۔ جیسے ان دونوں نے کاغذ کے لاکھوں نوٹوں کی ناؤ بنا کر چو پانی میں تیرانے کی کوشش کی ہو، لیکن جب انہیں یقین ہو گیا کہ وہ نوٹوں کی کشتی پر بیٹھ کر سمندر پار نہیں کر سکتے تو انہوں نے فلم اور فلمی دنیا سے کنارہ کشی کر لی۔ مگر لاکھوں روپیہ برباد کر کے انہوں نے فلم والوں کا اصلی روپ اور چہرہ دیکھ لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب کندن لال سے ان کی بیٹی نتاشا نے فلمی کیریئر اپنانے کی بات کی تو وہ سنتے ہی اکھڑ گئے۔ انہوں نے سمجھاتے ہوئے نتاشا سے کہا۔

"بیٹی، یہ شریفوں کا کام نہیں ہے۔ فلمی دنیا باہر سے بہت دل کش ہے۔ لیکن اس کی نس نس میں گندگی رچی ہوئی ہے۔"

"ڈیڈی، آپ بہت پرانی بات کر رہے ہیں۔ اب ایسا نہیں ہے۔"

"نہیں، بیٹی نہیں۔ میں نے فلمی دنیا کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ تم ابھی بچی ہو۔ تمہیں کچھ نہیں معلوم۔ ہماری فلمی دنیا عورتوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتی۔ لوگ انہیں آج بھی تفریح کی چیز سمجھتے ہیں۔"

"ڈیڈی پلیز، آپ سمجھتے کیوں نہیں۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا، جب ناچنے گانے والیاں اور بازاری عورتیں ہی فلموں میں آتی تھیں۔ آج پڑھی لکھی لڑکیاں آرٹ کی خدمت کا جذبہ لے کر فلم میں داخل ہو رہی ہیں۔"

کندن لال بیٹی کی ضدی طبیعت سے واقف تھے۔ وہ نتاشا کی ضد کے آگے جھک گئے۔ اگر نتاشا کی ماں زندہ ہوتی تو شاید وہ نتاشا کو فلمی کیریئر اپنانے سے روک دیتی۔ لیکن کندن لال کی محبت ایسا نہ کر سکی۔ مگر کندن لال نے نتاشا کی یہ بات ماننے سے قطعی انکار کر دیا۔ کہ اپنی فلمی زندگی کا آغاز وہ خود کرے گی۔ آج کندن لال کے پاس اتنی دولت تھی کہ وہ اپنے ہی بوتے پر ایک نہیں، کئی فلمیں بنا سکتے تھے۔ لیکن ان کے پاس وقت نہیں تھا اور وہ اس جھنجھٹ میں پڑنا بھی نہیں چاہتے تھے۔

وہ دس بیس لاکھ روپیہ بیٹی کے شوق پر خرچ تو کر سکتے تھے، لیکن یہ بات وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ انہیں ایک بار پھر فلمی خداؤں کے سامنے یتیموں کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا پڑے گا۔ اور یہ بات انہیں گوارا نہیں تھی۔

اچانک انہیں رفیق ہوٹل یاد آ گیا۔ حاجی رفیق اور وسیم خاں تو اللہ کو پیارے ہو گئے تھے، لیکن رفیق ہوٹل کے کھانوں کی خوشبو آج بھی بمبئی کو مہکا رہی تھی۔

کندن لال نے رفیق ہوٹل فون کیا اور حاجی رفیق کے فرزند خلیق الرحمان کو پوری بات بتائی۔

"کمال کرتے ہیں چاچا، آپ سب کچھ جانتے ہوئے نتاشا کو فلمی دنیا میں بھیج رہے ہیں۔" خلیق چونکہ کندن لال کو چاچا کہتے تھے۔ حیرت سے فون پر بولے۔

"بیٹا، میری مجبوری سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں باپ کے ساتھ نتاشا کی ماں بھی ہوں۔ یہ ضدی لڑکی جب تک اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لے گی، باز نہیں آئے گی۔ بمبئی میں غلط ہاتھوں میں نہ پڑ جائے، اس لئے تمہیں تکلیف دے رہا ہوں۔" کندن لال کے لہجے میں ایک باپ کی تمام عاجزی بسی ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے آپ بے فکر ہو کر نتاشا کو بھیج دیں۔ نتاشا کے بمبئی پہنچنے سے پہلے میں عتیق کو بی۔ جیسوال اور ندیم بھائی سے بات کرنے کے لئے بھیج دوں گا۔"

نتاشا دوسرے دن بمبئی پہنچ گئی۔ عتیق الرحمٰن اسے بی۔ جیسوال کے پاس لے گئے۔ جیسوال نتاشا کو دیکھتا ہی رہ گیا۔ اسے اپنی فلم "درپن" کے لئے کسی نئے چہرے کی تلاش تھی۔ فوراً نتاشا کا اسکرین ٹیسٹ اور آواز کا ٹیسٹ لیا گیا۔ جس میں نتاشا نے بہت اچھے رزلٹ دئے۔ کتھا کلی، بھرت ناٹیم، گھوڑ سواری تیراکی اور جوڈو کراٹے میں وہ ماہر تھی۔ اس نے تعلیم کے دوران ہی ان تمام چیزوں کی مشق اور ریاض کئے تھے۔ اس لئے "درپن" کی ہیروئن کے لئے نتاشا کا انتخاب ہو گیا۔

جیسوال نے نتاشا کی پبلسٹی پر کئی لاکھ روپیہ خرچ کر دیا۔ اور فلم شروع ہونے سے پہلے ہی تماشائی نتاشا

یہ کہانی بغیر عنوان کے شائع کی جا رہی ہے۔ آپ اس کہانی کا کیا عنوان مناسب سمجھتے ہیں، اپنی پسند کا ایک عنوان یا زیادہ سے زیادہ پانچ عنوان پوسٹ کارڈ پر لکھ کر "بلا عنوان" ماہ نامہ شمع، ۲ آصف علی روڈ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲ کو بھیج دیجئے ۱۳۔ فروری ۱۹۸۸ تک ملنے والے تمام عنوانات میں سے سب سے اچھے عنوان پر پچاس روپے اور دوسرے اور تیسرے نمبر پر آنے والے عنوانات پر بیس بیس روپے کی کتابیں انعام میں دی جائیں گی۔ مدیران شمع کا ہر فیصلہ قطعی آخری اور قابل قبول ہوگا۔ اپنا پورا نام پتہ لکھنا نہ بھولئے۔

www.taemeernews.com

کو دیکھنے کے لئے بے چین ہو گئے۔ اردو، ہندی اور انگریزی کا کوئی فلمی رسالہ ایسا نہ تھا جس کے سرورق پر نتاشا کی تصویر نہ چھپی ہو۔ فلم کا مہورت بڑی دھوم دھام سے ہوا۔ نتاشا نے مہورت شاٹ دینے سے پہلے جیسوال کے پاؤں چھو کر آشیرواد لیا۔ نتاشا کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے اسٹوڈیو میں اتنے لوگ جمع ہو گئے تھے کہ جیسوال کو پولیس کی مدد لینی پڑی اور نتاشا کو دیکھ کر تماشائی بے اختیار کہہ اٹھے کہ وہ بڑی بڑی ہیروئنوں کی چھٹی کر دے گی۔

فلم تیزی اور باقاعدگی سے بن رہی تھی۔ یہ فلم کا تیسرا شیڈول تھا کہ جیسوال کا قتل ہو گیا۔

● فلم "انتقام" کے ایک ڈرامائی منظر میں: سنی دیول، ململی کا شکر، میناکشی سہشادری اور انیل کپور

آج عدالت میں جیسوال کے قتل کے مقدمے کا فیصلہ سنایا جانا تھا۔ عدالت کا کمرہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اس مقدمے کی سب سے خاص بات یہ تھی کہ مقتول کے ساتھ لوگوں کو قاتل سے بھی ہمدردی تھی۔ ہر فرد نتاشا کی معصومیت کا قائل تھا۔ یہاں تک کہ پولیس بھی اس کے ساتھ ہمدردی برت رہی تھی ——

پولیس اصل قاتل کا سراغ لگانے میں ناکام رہی تھی۔

یہاں تک کہ کسی پر شبہ بھی ظاہر نہیں کیا گیا تھا۔ ریوالور پر صرف نتاشا کی انگلیوں کے نشان تھے۔ سب کچھ اتنی چالاکی سے کیا گیا تھا کہ پولیس یہ بھی پتہ نہ لگا سکی کہ ریوالور کس وقت بدلا گیا تھا۔ مقدمے کے دوران میں سرکاری وکیل اور خود جج کا برتاؤ بھی نتاشا کے ساتھ خاصا نرم رہا تھا۔ لیکن اس مقدمے کی سب سے تعجب خیز بات یہ تھی کہ نتاشا نے ضمانت پر رہا ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کندن لال نے مقدمہ کی سماعت جلد مکمل کرانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا اور مقدمے کی تمام کارروائی ریکارڈ ٹائم میں پوری ہو گئی تھی۔ مقدمے کی ایک اور خاص بات یہ بھی تھی کہ نتاشا نے اپنی صفائی میں کوئی بیان نہیں دیا تھا۔ اسی لئے نتاشا کے وکیل نے عدالت میں کہا تھا کہ اس کی موکلہ قتل جیسے جرم کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ اس کے حواس پر تو اس حادثے کا ہی اتنا گہرا اثر پڑا ہے کہ وہ بیان دینے کے قابل نہیں رہی ہے۔

نتاشا عدالت کے کٹہرے میں کھڑی تھی — عدالت میں مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ چند منٹ میں جج مقدمے کا فیصلہ سنانے والے تھے کہ نتاشا کی آواز عدالت میں گونج اٹھی۔

"جج صاحب، آج اس مقدمے کا آخری دن ہے، اس لئے آپ کے فیصلہ سنانے سے پہلے میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

عدالت میں موجود ہر فرد کی نگاہیں نتاشا پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ نتاشا کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ یہ وہ نتاشا تو نہیں تھی جو آج تک عدالت کے سامنے پیش ہوتی رہی تھی — وہ دودھیا رنگ کی کم سن بجھی بجھی سی حسینہ۔ یہ غیظ و غضب میں بھری ہوئی کوئی گہری چوٹ کھائی ہوئی مکمل عورت معلوم ہو رہی تھی۔

"اجازت ہے۔" جج نے قلم کاغذ پر رکھ دیا۔ اور کرسی پر آگے کی طرف جھک آیا۔

عدالت کی خاموشی کچھ اور دبیز ہو گئی۔ جیسے وہاں موجود لوگوں نے اپنی سانسیں بھی روک لی ہوں۔

"می لارڈ —— میں نے جیسوال کو اپنا گرو مانا تھا۔ گرو جو باپ کی حیثیت رکھتا ہے۔ میں نے جیسوال کو یہی مرتبہ دیا تھا۔ فلم کا وہ سین جس میں نقلی گولیاں چلنی تھیں، کس طرح اصلیت میں بدل گیا۔ یہ بات میں عدالت سے زیادہ عوام کو بتانا چاہتی ہوں۔ اس سین میں کئی ری ٹیک میں نے جان بوجھ کر کرائے تھے۔ میں چاہتی تھی کہ جیسوال خود اس سین کی ریہرسل کر کے بتائے۔ اور جب اُس نے ایسا کیا تو میں نے اپنے بلاؤز میں چھپا ہوا اصلی ریوالور نقلی سے بدل لیا۔ می لارڈ، میں نے جیسوال کو قتل نہیں کیا، میں نے اُسے ریپ (عصمت دری) کی سزا دی ہے۔ کیوں کہ جیسوال نے قتل سے چار دن پہلے مجھے ریہرسل کے لئے اپنی کوٹھی پر بلایا تھا۔ جیسوال کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کسی طرح بھی مجھ پر قابو نہیں پا سکتا۔ اس لئے اُس نے میری کافی میں بے ہوشی کی دوا ملا دی تھی۔ جیسوال نے بے ہوشی کی حالت میں میری عزت لوٹ لی تھی۔ جب مجھے ہوش آیا تو جیسوال نے مجھ سے کہا تھا: 'عقل مندی اسی میں ہے کہ حالات سے سمجھوتہ کر لو۔ میں شکار کا شوقین ہوں۔ شیر ایک شکار کو صرف ایک بار ہی کھاتا ہے۔ میں پیار کرنے کا قائل نہیں، اس لئے آج سے تم آزاد ہو۔ اس لئے تمہیں کبھی ریہرسل کے لئے یہاں نہیں آنا ہوگا۔ کامیاب ہیروئن بننے کے لئے یہ تمہارا آخری ٹیسٹ تھا۔ اس ٹیسٹ میں تم نے سب سے زیادہ نمبر پائے ہیں۔ اس لئے تم جلد ہی نمبر ایک کی ہیروئن بن جاؤ گی۔'"

نتاشا تھوڑی دیر کے لئے رُکی۔ اس کی سانس بہت تیز چل رہی تھی۔ اس کا چہرہ کچھ اور سرخ ہو گیا تھا۔ اُس نے سانسوں پر قابو پاتے ہوئے چند لمحوں بعد آگے کہا۔ "میں جیسوال کو کسی وقت بھی قتل کر سکتی تھی۔ لیکن اس صورت میں اصلی کہانی عوام کے سامنے نہ آتی۔ میں نے ضمانت پر رہا ہونے سے بھی اس لئے انکار کیا تھا کہ جیل کے مختصر قیام کے دوران میں بھی مجھ سے کئی بڑے ہدایت کار ملنے آئے تھے۔ وہ مجھے بڑی بڑی فلموں کی آفر دینے آئے تھے۔ کیوں کہ انہیں امید تھی کہ میں بری ہو جاؤں گی۔ اور انہیں میری پبلسٹی پر کوئی پیسہ خرچ کرنا نہیں پڑے گا، می لارڈ —— ہو سکتا تھا کہ جیل سے رہا ہونے کے بعد میرے قدم لڑکھڑا جاتے اور میرا ارادہ بدل جاتا.... میرے کانوں میں آج بھی جیسوال کے الفاظ گونج رہے ہیں۔ 'یہ تمہارا آخری ٹیسٹ تھا ——'

می لارڈ —— میری عصمت تو گئی لیکن میں فلمی دنیا میں آنے والی معصوم لڑکیوں کو جیسوال کے آخری ٹیسٹ سے بچانا چاہتی تھی۔ میں نے جیسوال کو قتل نہیں کیا۔ فلمی دنیا سے ایک گندگی کو ختم کیا ہے۔ چاہے اس کے بدلے —— چاہے اس کے بدلے ....."

نتاشا بے ہوش ہو کر کٹہرے میں گر پڑی۔ وکیل اور عدالت کا عملہ نتاشا کی طرف دوڑ پڑا۔ کسی نے بھی کندن لال کی طرف نہیں دیکھا جو بنچ پر بیٹھے بیٹھے اس طرح ایک طرف کو لڑھک گئے تھے جیسے جیسوال کو پکڑنے کے لئے اس کا پیچھا کرتے ہوئے تیزی سے عدالت سے بھاگے ہوں!

■■

www.taemeernews.com

محمد عثمان، مراد آباد

س : محبت کے نشے اور شراب کے نشے میں کیا فرق ہے؟

ج : محبت کا نشہ زیادہ دیرپا ہوتا ہے — اور زیادہ مہنگا بھی۔

جگموہن ساہنی، دہلی

س : عیب یا فکر ان دونوں میں سے انسان کے لئے کیا چیز خطرناک ہے؟

ج : عیب جس کا اثر دوسروں پر بھی پڑتا ہے، جب کہ فکر میں صرف اپنی ذات گھلتی ہے۔ لیکن جدید نفسیات عیب سے زیادہ فکر کو خطرناک قرار دیتی ہے۔ ایک نفسیاتی معالج کے پاس ایک خوب صورت عورت علاج کے لئے پہنچی تو معالج نے فوراً اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ کچھ دیر بعد جب اس کے جذبات کا طوفان ٹھنڈا ہو گیا تو اس نے عورت سے کہا "میری ذہنی الجھن تو دور ہو گئی، اب تم اپنی ذہنی الجھن تفصیل سے بتاؤ"۔

پریتم لالو، جمشید پور

س : انسان زمین پر قدم رکھتا ہے تو وہ روتا ہے لیکن دنیا ہنستی ہے کیوں؟

ج : شاید یہ احساس دلانے کے لئے کہ آئندہ بھی اس کے رونے پر دنیا کا یہی وطیرہ رہے گا۔

اسیش اگروال، نینی تال

س : روٹھے ہوئے دوست کو کس طرح منانا چاہئے؟

ج : روٹھنے کی تہہ میں جو وجہ یا غلط فہمی ہے، اسے دور کر کے۔ لیکن کبھی کبھی یہ کام زیادہ آسان نہیں ہوتا۔ ایک عورت نے اپنے شوہر سے پوچھا کہ اس کا جگری دوست اس سے روٹھ کیوں گیا ہے اور کیوں وہ تاش کھیلنے کے لئے کبھی نہیں آتا۔ شوہر بولا "کیا تم کسی ایسے شخص کے ساتھ تاش کھیلنا پسند کرو گے جو پتے بانٹنے میں بے ایمانی کرے، دھاندلی دکھائے، ہار جانے پر بازی کی رقم ادا نہ کرے؟" بیوی نے جواب دیا، "نہیں"۔ شوہر نے کہا "میرے جگری دوست کا بھی یہی کہنا ہے"۔

محمد ایوب انصاری، دھڑیال

س : آج کل لڑکیاں زیادہ تر پینٹ شرٹ کیوں پہنتی ہیں؟

ج : کیوں کہ وہ جانتی ہیں کہ وہ اس لباس میں بھی دیکھنے والوں کے دلوں پر قیامت ڈھا سکتی ہیں۔ ریلوے پلیٹ فارم پر اسی لباس میں ملبوس دو بچھڑی ہوئی سہیلیاں ملیں تو ایک نے دوسری سے لپٹ کر اسے چوم لیا۔ یہ دیکھ کر ایک دل جلا مرد بولا "اُف! اگر لڑکیاں اسی طرح مردوں کے سارے کام کرنے لگیں تو ہم مردوں کا کیا ہوگا؟"

اشوک کمار، جبل پور

س : آدمی اپنی بھول کا احساس کب کرتا ہے؟

ج : خمیازہ بھگتنے پر۔ نوجوانی کے دنوں میں دو دوست سیاحی کو نکلے۔ ایک شہر میں ایک جوان خوب صورت، دولت مند بیوہ عورت سے ان سے اتفاقی ملاقات دوستی میں بدل گئی اور اس کے اصرار کرنے پر وہ ہوٹل سے اس کے گھر میں منتقل ہو گئے۔ پہلی شام کو ہی ایک دوست نے دوسرے دوست کو بتایا کہ وہ رات کو چپکے سے عورت کی خواب گاہ میں پہنچ جائے گا۔ اور اگر عورت کو اعتراض نہ ہوا تو خوب رنگ رلیاں منائے گا۔ دوسرے دوست نے اسے اس خطرناک منصوبے سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی، مگر پہلا دوست مانا ہی نہیں۔ کچھ دن وہاں گزارنے کے بعد دونوں دوست اپنے وطن واپس چلے آئے۔ بیس برس بعد ایک روز پہلے دوست نے دوسرے دوست سے کہا، "مجھے اپنی ایک خطا کا اعتراف کرنا ہے۔ تمہیں یاد ہوگا، ایک بار ہم سیاحی کے لئے نکلے تھے اور ایک خوب صورت، دولت مند، بیوہ عورت کے مہمان بنے تھے۔ وہاں میں نے کئی راتیں اس عورت کے ساتھ گزاری تھیں، مگر جب اس نے میرا نام پتہ پوچھا تھا تو میں نے تمہارا نام پتہ دیا تھا۔ اس غلطی کے لئے میں تم سے معافی مانگتا ہوں"۔ دوسرا دوست بولا "معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آج ہی اس عورت کے وکیل کی طرف سے مجھے ایک موٹا لفافہ ملا ہے۔ مرتے وقت اس نے اپنی ساری جائداد میرے نام کر دی ہے"۔

محفوظ احمد، کرول (دربھنگہ)

س : انسان حالات کا شکار کب ہو جاتا ہے؟

ج : اکثر اپنے ہی اعمال کے باعث۔ دو جج مرنے کے بعد الگ الگ جگہوں پر پہنچے۔ ایک دن جنت میں پہنچنے والے جج کی ملاقات دوزخ میں جانے والے جج سے ہوئی تو دونوں اپنی اپنی مصروفیتوں کا حال سنانے لگے۔ دوزخی جج بولا "بہت اچھی گزر رہی ہے۔ صبح کو گیارہ بجے تک سارا کام پورا ہو جاتا ہے۔ ہر شخص کے مقدمے کا فیصلہ ایک ہی دن میں ہو جاتا ہے۔ آدھے گھنٹے سے زیادہ ہم لوگوں کو کام نہیں کرنا پڑتا۔ تمہارے ہاں کیا حال ہے؟" جنتی جج نے جواب دیا "برا۔ صبح کے آٹھ بجے عدالت کا کام شروع ہوتا ہے تو ختم ہوتے ہوتے رات کے دس گیارہ بج جاتے ہیں۔ ایک ایک مقدمے کا فیصلہ ہونے میں دس بیس سال لگ جاتے ہیں"۔ دوزخی جج نے پوچھا "عجیب بات ہے! تمہیں اتنا زیادہ کام کیوں کرنا پڑتا ہے؟" جنتی جج نے جواب دیا "کیوں کہ ہمارے یہاں ججوں کی بہت کمی ہے"۔

عشرت بیگم، جمال پور (دربھنگہ)

س : اپنی عمر کو بڑھانے کے لئے انسان کو کیا کیا کرنا چاہئے؟

ج : کچھ نہیں — یہ کام اس کے بس میں ہے ہی نہیں۔ ایک صاحب نے اپنے فیملی ڈاکٹر سے پوچھا "یہ بتایئے کہ میں سو برس کی عمر کیسے پا سکتا ہوں؟" ڈاکٹر نے جواب دیا "شراب، عمدہ کھانوں، سگریٹ اور خوب صورت عورتوں سے دور رہئے"۔ وہ صاحب بولے "اور پھر میں سو برس کی عمر تک جی سکوں گا؟" ڈاکٹر نے کہا "نہیں۔ لیکن آپ کو محسوس ایسا ہی ہوگا"۔

کے، راما راؤ، حیدرآباد

س : عورت کے مظالم کا چرچا کیوں نہیں ہوتا؟

ج : بہت چرچا ہوتا رہا ہے۔ شاعروں کے دیوان کے دیوان بھرے پڑے ہیں۔

www.taemeernews.com

محمد شریف، بھوپال

س : انسان سب کچھ جانتے ہوئے دوسروں کی غلطیوں کو نظر انداز کب کرتا ہے؟

ج : محبت اور دلار میں۔ ایک دولت مند عورت کی ایک نئی سہیلی پہلی بار اس کی شان دار کوٹھی میں آئی۔ دیر تک وہ حیرت سے یہ ماجرا دیکھتی رہی کہ دولت مند عورت کا بچہ نہایت اطمینان کے ساتھ ڈرائنگ روم کے انتہائی قیمتی فرنیچر میں کیلیں ٹھونکے جا رہا ہے۔ جب اس سے نہ رہا گیا تو اس نے دولت مند عورت سے کہا "کیا آپ کے بچے کا یہ کھیل آپ کے لئے مہنگا ثابت نہیں ہوگا؟" دولت مند عورت نے جواب دیا "نہیں۔ ہم کیلیں تھوک بھاؤ منگوا لیتے ہیں۔"

بشیر احمد حسن بلوچ، ابوظبی (یو اے ای)

س : خوشی ملنے پر بھی خوشی کا اظہار کون نہیں کرتا؟

ج : جسے خوشی کے اظہار میں نقصان نظر آئے۔ ایک صاحب اپنے ایک دوست کے گھر گئے تو یہ دیکھ کر انہیں بہت حیرت ہوئی کہ دوست دو آدمیوں اور ایک کتے کے ساتھ تاش کھیل رہا ہے۔ انہوں نے دوست سے کہا، "بہت ہوشیار کتا معلوم ہوتا ہے۔ تاش کے کھیل میں یقیناً بہت ماہر ہوگا۔" دوست نے جواب دیا "کچھ ایسا ماہر بھی نہیں۔ جب کبھی اس کے پاس اچھے پتے آتے ہیں، مارے خوشی دُم ہلانے لگتا ہے۔"

اشفاق احمد انصاری، حسن پور (مراد آباد)

س : آج کل اشتہاروں میں نیم عریاں لڑکیوں کی تصویریں کیوں شامل ہوتی ہیں؟

ج : شاید اس لئے کہ مکمل عریاں لڑکیوں کی تصویریں چھاپنے پر قانونی پابندی ہے۔

محمد شہاب الدین حیدر، لہریا سرائے

س : بیوی پریشان ہو کر میکے چلی جاتی ہے تو شوہر پریشان ہو کر کہاں جائے؟

ج : افسوس ہے، اس کے لئے کوئی پناہ گاہ نہیں ــــ قبر کے سوا۔

س : مار کھا کر خاموش رہنا کیا شریفوں کی پہچان ہے؟

ج : نہیں ــــ لیکن مار کھا کر خاموش رہنے والا یہی کہہ کر خود کو بہلا سکتا ہے۔

ایس اے رانا، شارجہ (یو اے ای)

س : تعریف کب اچھی نہیں لگتی؟

ج : جب یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے پیچھے کوئی غرض چھپی ہوئی ہے۔ کچھ لڑکیوں کو اسی لئے اپنی خوب صورتی کی تعریف پسند نہیں آتی۔

سید ارشد اقبال، چھپرہ (بہار)

س : انسان خود پر بھروسا کب نہیں کرتا؟

ج : جب آفت زیادہ بڑی ہو۔ ایک فلمی ہیرو ایک پروڈیوسر کی دی ہوئی پارٹی میں رات گئے تک رُکا رہا۔ جب سب لوگ رخصت ہونے لگے تو اس نے پروڈیوسر سے کہا "اتنی رات گئے میں اپنی بیوی کا سامنا نہیں کر سکتا۔ میری جگہ میرے ڈپلی کیٹ کو بھیج دیجئے۔"

حامد مرزا، بیڑ (مہاراشٹر)

س : غیرت کی چنگاری کب سلگتی ہے؟

ج : جب عزت اور آن پر حملہ ہو لیکن طریقے مختلف ہو سکتے ہیں۔ تبادلے پر گئے ہوئے ایک صاحب کو جب اس طرح کی خبریں ملیں کہ وطن میں ان کی بیوی کسی بوڑھے آدمی کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہی ہے تو وہ غصے میں آکر وطن پہنچے۔ وہاں لوگوں نے انہیں بتایا کہ بوڑھے آدمی نے ان کی بیوی کو لاکھوں کی مالیت کے تحفے دئے ہیں اور اس وقت بھی وہ ان کے گھر میں موجود ہوگا۔ وہ دندناتے ہوئے اپنے گھر میں جا گھسے اس وقت وہ بوڑھا آدمی کھڑکی کے پاس کھڑا تھا۔ ان صاحب نے گرج کر پوچھا "کیا آپ نے ہی میری بیوی کو کار اور دوسرے قیمتی تحفے دئے ہیں؟" بوڑھے آدمی نے لرز کر جواب دیا "جی ہاں۔" وہ صاحب کہنے لگے "تو پھر آپ کھڑکی کے پاس کیوں کھڑے ہیں؟ وہاں آپ بہت ٹھنڈی، برفیلی ہوا کی زد میں ہیں۔ کہیں آپ کو نمونیا نہ ہو جائے۔"

شجاع الدین خلجی، (دبی عرب)

س : آدمی اونچائی پر کب پہنچ جاتا ہے؟

ج : جب ساری دنیا کی مخالفت کے باوجود نیکی کی راہ پر چلنا نہ چھوڑے۔ یہ اور بات ہے کہ ایسی صورت میں کبھی کبھی اسے سُولی کی اونچائی نصیب ہوتی ہے۔

ایم، ڈی، یوسف خان، ورنگل (اے پی)

س : دو محبت کرنے والوں کے درمیان کون سی چیز یادگار بن جاتی ہے؟

ج : کبھی ملن، کبھی جدائی، اور کبھی بچہ۔

س ناز ک جہاں، دہلی

س : غنڈوں اور بدمعاشوں کی ستائی ہوئی کچھ لڑکیاں اپنا کلنک مٹانے کے لئے خودکشی کر لیتی ہیں۔ کیا ایسا کرنے سے اُن کا کلنک مٹ جاتا ہے؟

ج : نہیں۔ لیکن ان کا اندازِ نظر انہیں ایسا کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ گاندھی جی نے کہا تھا کہ اگر کسی لڑکی کی عزت پر آنچ آئے تو اسے اس وقت تک اپنا بچاؤ کرنا چاہئے جب تک وہ مر نہ جائے۔ کنفیوشس کا کہنا تھا کہ اگر لڑکی بے بس ہو جائے تو اسے اپنا بچاؤ کرنے کی جگہ لطف اُٹھانا چاہئے۔ اندازِ نظر کا یہ فرق مشرق اور مغرب میں آج بھی نمایاں ہے۔

امتیاز احمد انصاری، آسنسول

س : کیا حقیقت میں عورت دنیا کا سب سے حسین اور بیش بہا تحفہ ہے؟

ج : جی ہاں ــــ اتنا بیش بہا کہ مرد ساری عمر اس کی قیمت چکاتا رہتا ہے۔

کے، آصف جہاں، کرنول

س : بعض لوگ مذاق کا بُرا کیوں مان جاتے ہیں؟

ج : کبھی اس لئے کہ وہ بلبلے کی طرح حساس ہوتے ہیں، کبھی اس وجہ سے کہ مذاق کرنے والے سے ان کا جی یہ کہنے کو چاہتا ہے:
کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری

عقیل گدی، چکر دھر پور (بہار)

س : کیا عورت مرد کے لئے آدھی دوزخ ہے؟

ج : شاید ــــ مگر کیا یہ کم ہے کہ وہ آدھی جنت بھی ہے؟

عظمت سکو، شیلانگ

س : کتابی علم اور عملی تجربہ حاصل کرنے کے بعد بھی انسان اگر بے وقوف کہلائے تو اُسے کیا کرنا چاہئے؟

ج : صبر (اپنی حالت پر) اور ماتم (دوسروں کی عقل پر)۔

عبدالخلیل کشش، شکر نگر

س : محبت میں بہت زیادہ صبر کی ضرورت کب ہوتی ہے؟

ج : جب آپ کا یہ جی چاہے کہ محبوبہ کو کوئی اور لے اُڑے۔

کنیز، چنور (اے پی)

س : آدمی سچ بولنے سے کب کتراتا ہے؟

ج : جب سچ بولنے سے معاملہ بگڑنے کا اندیشہ ہو، مثلاً کسی پری رُخ کے سامنے اپنے دل کا حال بیان کرتے وقت۔

عبدالحکیم وفا بلوچ، بحرین

س : ہر مرنے والے کی آخری خواہش کیا ہوتی ہے؟

ج : وہی جو پوری نہیں ہو سکتی۔ یعنی یہ کہ موت کا فرشتہ اس کی جگہ کسی اور کو اپنے ساتھ لے جائے۔

سلطانہ اقبال، چھپرہ

س : ہرے بھرے گھر میں آگ کب لگتی ہے؟

ج : عموماً گھر سے باہر کی کسی شعلہ بدن کی وجہ سے۔

نثار احمد، شاہ جہاں پور
س : موجودہ ہندوستان میں، انسان اور شیطان کے تعلقات کیسے چل رہے ہیں؟
ج : بہت خوش گوار، بہت قریبی۔ کبھی کبھی تو ایک دوسرے کا گمان ہوتا ہے ۔ خاص طور پر سیاست دانوں میں۔

نعمت خوابکار، رانچی
س : کیا کوئی مریض بھی کبھی کسی ڈاکٹر کے کام آسکتا ہے؟
ج : جی ہاں۔ ڈاکٹر کی صحت اور زندگی کا دار و مدار مریضوں پر ہی ہے۔

جیلانی بیگم، گدوال
س : کیا یہ سچ ہے کہ انسان تقدیر کے ہاتھوں میں ایک کھلونے کی حیثیت رکھتا ہے؟
ج : جی ہاں۔ خاص طور سے ایسی صورت میں جب وہ کسی شوخ ادا کو اپنی تقدیر سمجھ بیٹھے۔

ایم نوشاد، لکھنؤ
س : شادی کے بعد انسان ماں باپ کو کیوں بھلا دیتا ہے؟
ج : کیوں کہ اس کے یہاں حکومت بدل جاتی ہے

واجد علی، دھاڑیال
س : پیار کی ڈور مضبوط ہونے کے سبب کبھی کبھی کم زور کیوں ہوتی ہے؟
ج : پل پل رنگ بدلتے دل کے باعث۔ ایک نوجوان سے اس کی محبوبہ نے اداس لہجے میں کہا "میرے والد دیوالیہ ہوگئے ہیں"۔ نوجوان اور بھی اداس لہجے میں بولا "میں پہلے ہی جانتا تھا کہ ہماری شادی رکوانے کے لئے وہ سب کچھ کر گزریں گے"۔

عبدالعزیز، ولیسوتی (منڈن گڑھ)
س : کیا جس گھر میں عورت کا وجود نہ ہو، سعادت کے فرشتے قدم نہیں رکھتے؟
ج : جی ہاں ـــ اور شرارت کے فرشتے (بچے) بھی۔

محمد ابراہیم راہی، بانسواڑہ (اے پی)
س : محبت ٹریجڈی کا رخ کب اختیار کرلیتی ہے؟
ج : آج کل کے نوجوانوں کے خیال میں: شادی کا مطالبہ سامنے آنے پر۔

محمد عارف راغبین، شاہ جہاں پور
س : اگر خدا نے انسان کو عقل نہ دی ہوتی تو وہ کیا کرتا؟
ج : اس سے کم دہشت انگیز کارنامے جیسے وہ آج کرتا ہے۔

رشید شوق، ایڈپلی (اے پی)
س : اس دور میں کیا عورت پر اعتبار کیا جاسکتا ہے؟
ج : نہیں۔ وہ وفاپرست بھی ہوسکتی ہے۔

شیخ شمس الدین سالنگے، کیپ ٹاؤن (جنوبی افریقہ)
س : کیا عورت محبت میں بھی خود غرض ہوتی ہے؟
ج : نہیں۔ لیکن اکثر مردوں کا خیال یہی ہے، کیوں کہ وہ شادی کی شرط رکھ دیتی ہے۔

طاہر قادری، سورت
س : اگر رات اچانک دن میں بدل جائے تو؟
ج : کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ صرف کچھ جوڑوں کو کپڑے پہننے پڑیں گے۔

محمد شجاع الدین ذاکر، محبوب نگر
س : کسی کو جیتنے کا آسان طریقہ بتائیے؟
ج : کیا فائدہ؟ اس میں دیوالیہ ہوجانے کا یقینی خطرہ ہے۔

طاہر ادیب، سہسرام (بہار)
س : کیا عورت ہر چیز کو خوب صورت، ہر کام کو دل چسپ اور ہر جگہ گل زار بنا دیتی ہے؟
ج : جی ہاں۔ یہ محض اتفاق ہے کہ اس کے برعکس بھی ممکن ہے۔

ایس، اے، رانا، شارجہ
س : آج کل نوجوانوں نے جھوٹ کو اپنا شعار کیوں بنا لیا ہے؟
ج : مجبوری کی وجہ سے۔ انہیں محبت کا اظہار بھی کرنا ہوتا ہے، دل بر کے حسن کی تعریف بھی۔

محمد انصار، راویر
س : کلی کی مسکراہٹ اور دل بر کی مسکراہٹ میں کیا فرق ہے؟
ج : کلی کی مسکراہٹ کسی فرمائش کی تمہید نہیں ہوتی۔

سلام علی کوبخالی، پیانگلولی (رائے گڑھ)
س : عورت کے کتنے روپ ہوتے ہیں؟
ج : ہم بتلانے سے قاصر ہیں۔ ہمیں اتنی گنتی نہیں آتی۔

●●

جشنِ سالگرہ

وحیدہ رحمان (۳ فروری)، مینا نعیم (۱۱)، ونود مہرہ (۱۳)، نرگس کپور (۱۵)، مس جمنی جیونت، موسیقار خیام (۱۸)، افتخار، طلعت محمود، کامنی کوشل، جائے کرجی (۲۴)، ڈینی (۲۵) اور روینہ رجین ۲۸ فروری کو پیدا ہوئے تھے، مگر ہم یہاں صرف اُن کے نام اور پتے شائع کر رہے ہیں، جن سے اُمید ہے کہ وہ خط کا جواب یا تصویر ضرور بھجوائیں گے۔ جن زبانوں میں خط و کتابت کی جاسکتی ہے وہ بھی ساتھ ہی لکھی جارہی ہیں۔ مبارک باد کے خط میں انہیں یہ ضرور لکھیں کہ آپ نے ان کی سالگرہ کی تاریخ اور پتہ شمع سے لیا ہے۔ جن خطوں میں شمع کا حوالہ ہوتا ہے، ستارے اُن کا جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

پران
(۱۲- فروری، دلی) اُردو، ہندی

25 Union Park
Khar,
Bombay-400 052

جیکی شیروف
(یکم فروری، بمبئی) ہندی، انگریزی

Peppilon
1302 Mount Mary Road
Bombay- 400 050

من موہن ڈیسائی
(پروڈیوسر ڈائریکٹر) (۲۶- فروری، بمبئی) ہندی

Jiwan Complex
Dr. Bhajekar Street
Khetwari
Bombay-400 004

امرتا سنگھ
(۹- فروری، دلی) ہندی

Belsort, Bungalow No. 5
Lokhand , wala Complex
Andheri (West)
Bombay-400 058

انیتا راج
(۲۸- فروری، بمبئی) ہندی

104 Nibbana
Pali Hill
Bandra (West)
Bombay-400 050

www.taemeernews.com

● فلم 'جانِ محبوب' کے مہورت پر مصنف و ہدایت کار شاہ عالم، راج ببر، پونم ڈھلون، اور دیگر ہیرو اور سارنا

● فلم 'محافظ' کے سیٹ پر مندا کنی کو ہدایت دیتے ہوئے افضال نیازی

● ناصر حسین کی نئی فلم 'قیامت سے قیامت تک' کے میوزک ریلیز کے موقعہ پر ہیرو عامر خاں ہدایت کار منصور خاں، ہیروئن جوہی چاولہ

خبریں ہی خبریں

شکیل پروڈکشنز کا "شڈ ینتر" (سازش)

پروڈیوسر شکیل خاں کی زیرِ تکمیل فلم "شڈ ینتر" (سازش) کی تیس روزہ شوٹنگ حال ہی میں بمبئی میں مکمل ہوئی۔ جس میں راج ببر (خصوصی اداکار) پنچ کپور، سُپریہ پاٹھک، راجہ بندیلا، آلوک ناتھ، گرجا شنکر اور نیا چہرہ آصف خاں کے علاوہ بڑی تعداد میں دوسرے آرٹسٹوں اور ڈانسرز نے حصّہ لیا۔ فلم کے مصنف و ہدایت کار راجن جوہری اور گیت کار و موسیقار رویندر جین ہیں۔

راج گروور کا "آر یا پار"

پروڈیوسر راج گروور کی نئی فلم "آر یا پار" میں سنیل دت اور ونود کھنّہ ہیروز کے رول ادا کریں گے۔ جس کے مصنف بھارت بی بھلّہ، موسیقار بپی لہری اور ہدایت کار سمیر ماگن ہوں گے۔ فلم کی دو ہیروئنوں اور دیگر آرٹسٹوں کا انتخاب ابھی نہیں ہوا۔

ونود پانڈے کا "سچ"

مصنف، فلم ساز و ہدایت کار ونود پانڈے (آنے والی فلم 'ایک نیا رشتہ') 'سچ' کے ٹائیٹل سے بنائیں گے۔

شومو مکرجی کا 'پتھر کے انسان'

ونود کھنّہ، سری دیوی اور جیکی شیروف شومو مکرجی کی ہدایت میں بننے والی فلم 'پتھر کے انسان' میں اہم رول ادا کر رہے ہیں جس کے موسیقار بپی لہری ہیں۔ فلم کی کاسٹ میں ایک ہیروئن اور ایک کامیڈین کو مزید شامل کیا جائے گا۔

دیو آنند کی دو نئی فلمیں

ایکٹر، پروڈیوسر اور ڈائرکٹر دیو آنند (زیرِ تکمیل فلم 'سچے کا بول بالا') 'پڑا نا پانی' اور 'اول نمبر' کے ٹائیٹل سے دو نئی فلمیں بنائیں گے جن کے ستاروں کا اعلان ابھی نہیں کیا گیا۔

پرویز عالم کا 'سلطان سنگھ'

پروڈیوسر پرویز عالم کی اوّلین فلم 'سلطان سنگھ' میں شتروگھن سنہا، شیکھر سمن، اوم شیوپوری، رضا مراد اور گلشن گروور اہم رول ادا کر رہے ہیں جس کے ہدایت کار قمر نارروی اور موسیقار انو ملک ہیں۔

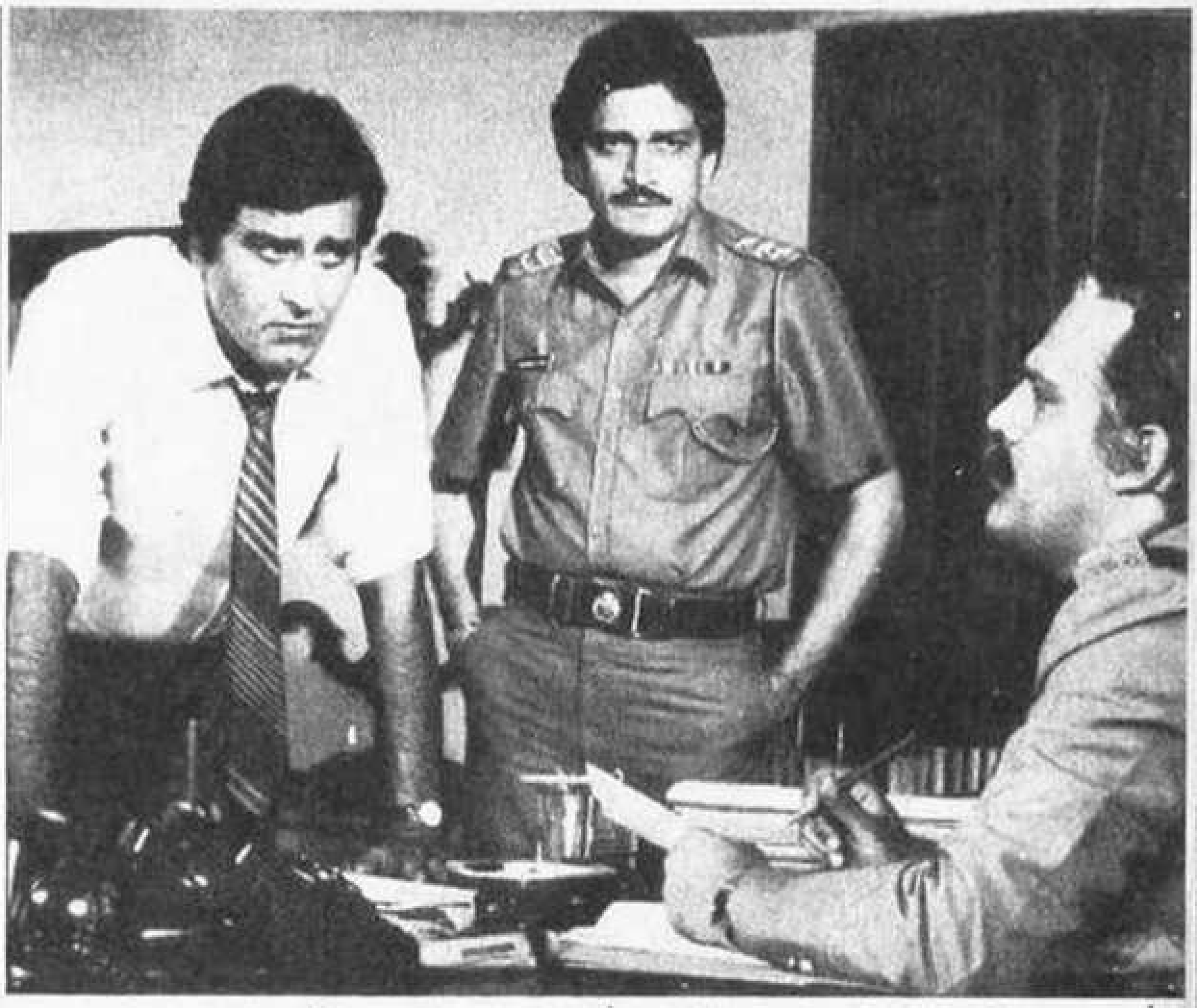

● فلم 'موت کا فرشتہ' کے سیٹ پر آلوک ناتھ، شفیع انعام دار اور ونود کھنہ۔ اجے گوئل اس فلم کا ہدایت کار ہے۔

'مسٹر اینڈ مسز ۴۲۰'

سونم انورادھا فلمز پرائیویٹ لمیٹڈ کی فلم 'مسٹر اینڈ مسز ۴۲۰' میں ہیروئن کا رول ادا کرے گی جس کے موسیقار بپی لہری ہیں ہدایت کار سدرشن رتن ہیں

پدمالیہ کی نئی فلم کا مہورت

پدمالیہ (زیر تکمیل فلم 'ملزم') کی نئی فلم کا مہورت ۱۰ جنوری کو ہوا۔ جتیندر، راج ببر اور امرتا سنگھ فلم کے اہم ستارے ہیں جس کے ہدایت کار ایس ایس روی چندرن ہیں۔

'کہاں ہے قانون'

پروڈیوسر ڈائریکٹر دیپک بلراج کی زیر تکمیل فلم 'کہاں ہے قانون' میں منداکنی، آدتیہ پنچولی، شکتی کپور، سداشیو امراپورکر، اوم شیوپوری، تیج سپرو، منگل ڈھلون، رنجن دھاریوال، انور عرب، اقبال خاں، یونس پرویز اور نئے چہروں شہزاد اور اکبر سمیع کے علاوہ کمی کاٹکر، شفیع انعام دار اور پینٹل مہمان ستاروں کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ فلم کے موسیقار بپی لہری ہیں۔

'سوریہ' میسور میں

پروڈیوسر وجے مہتہ کی زیر تکمیل فلم "سوریہ" کی بیس روزہ آؤٹ ڈور شوٹنگ آج کل میسور میں ہو رہی ہے جس میں راج کمار، ونود کھنہ، راج ببر، بھانوپریہ، امریش پوری، شکتی کپور، سشما سیٹھ، راجیش پوری، جانی لیور اور سلیم غوث حصہ لے رہے ہیں۔ فلم کے مصنف معین الدین، موسیقار لکشمی کانت پیارے لال اور ہدایت کار اسمٰعیل شیروف ہیں۔

'مجرم' کی ہیروئن مادھوری

پروڈیوسر ایف سی مہرہ کی نئی فلم 'مجرم' میں متھن چکرورتی کے مقابل ہیروئن کا رول مادھوری ادا کرے گی فلم کا ہدایت کار امیش مہرہ ہے۔

راجندر کمار کی نئی فلم "جرأت"

شتروگھن سنہا، کمار گورو، آملا، انیتا راج، سمیر کھکھر، پریکشت راول، کرن کمار، راج کرن، اور وناایرانی روپیش کمار، ٹینو آنند اور امریش پوری پروڈیوسر ایکٹر راجندر کمار کی نئی فلم 'جرأت' میں اہم رول ادا کر رہے ہیں۔ جس کے مصنف کے، کے، سنگھ، گیت کار آنند بخشی، موسیقار آر ڈی برمن اور ایڈیٹر و ڈائرکٹر ڈیوڈ دھون ہیں۔

"انصاف اپنے لہو سے" میں فرح سنجے دت کی ہیروئن

ایس ایم فلمز (پرائیویٹ) لمیٹڈ کی زیر تکمیل فلم "انصاف اپنے لہو سے" میں فرح سنجے دت کے مقابل ہیروئن کا رول ادا کر رہی ہے۔ شتروگھن سنہا، شیکھر سمن، سونم، قادر خاں، اوتار گل، سمیر کھکھر، انجنا ممتاز، مانوی گھورانہ اور انوپم کھیر فلم کے دیگر اہم ستارے ہیں فلم کے کہانی و منظرنامہ نویس سنتوش سروج، مکالمہ نگار قادر خاں اور ہدایت کار دلیپ کلیانی ہیں۔

اقبال بیگ کی پہلی فلم "جنگ"

سنیل دت، متھن چکرورتی، بھانوپریہ، منداکنی شکتی کپور اور انوپم کھیر پروڈیوسر اقبال بیگ کی اولین فلم "جنگ" کے اہم ستارے ہیں جس کے موسیقار لکشمی کانت پیارے لال اور ہدایت کار مکل ایس آنند ہیں۔

"مجھ سے بُرا نہ کوئی" شروع

مصنف، فلم ساز و ہدایت کار کے ڈی شوری کی نئی فلم "مجھ سے بُرا نہ کوئی" میں شتروگھن سنہا، سونم، شکتی کپور، قادر خاں، پیرالان، اوم شیوپوری، سدھیر پانڈے گرچرن، سلیکھا، دھام موٹا، اور سیماداز کے علاوہ دو نئے چہرے رنجنا اور سمیرا اہم رول ادا کر رہے ہیں۔ جس کے گیت کار آنند بخشی اور موسیقار لکشمی کانت پیارے لال ہیں۔

"روٹی کی قیمت" میں انوپم کھیر بھی

پروڈیوسر سُریش گرودور کی نئی فلم "روٹی کی قیمت" کی کاسٹ میں انوپم کھیر کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ متھن چکرورتی کمی کاٹکر اور پران فلم کے دیگر اہم ستارے ہیں جس کے موسیقار بپی لہری اور ہدایت کار رمیش آہوجہ ہیں۔

"فرشتے" کی شوٹنگ شروع

پروڈیوسر ستی شوری کی نئی فلم "فرشتے" کی دس روزہ شوٹنگ پچھلے دنوں بمبئی میں مکمل کی گئی جس میں سری دیوی پر ایک گیت رجنی کانت اور سپنا پر چند ایکشن مناظر کی فلم بندی کی گئی۔ دھرمیندر، ونود کھنہ، سمی کپور گلشن گروور، سداشیو امراپورکر اور ڈمپل کپاڈیہ (خصوصی اداکارہ) فلم کے دیگر اہم ستارے ہیں۔ جس کے گیت کار آنند بخشی موسیقار بپی لہری، اور ہدایت کار انیل شرما ہیں۔

پدمنی کولہاپورے کی آواز میں گیت

پدمنی کولہاپورے نے زندگی میں پہلی بار ایکٹر پروڈیوسر اور ڈائریکٹر دیوین ورما کی زیر تکمیل فلم "دانہ پانی" کے لئے ایک گیت اپنی آواز میں ریکارڈ کرایا جسے حسرت جے پوری نے لکھا اور انو ملک نے اس کی دھن بنائی۔ متھن چکرورتی پدمنی کولہاپورے، شفیع انعام دار، نروپا رائے، سداشیو امراپورکر مدھو ملہوترہ، آشا سچدیو اور ڈاکٹر شری رام لاگو فلم کے اہم ستارے ہیں۔

راجیش کھنہ "کاتل" میں

پروڈیوسر ڈائریکٹر پرکاش مہرہ کی نئی فلم 'کاتل' میں راجیش کھنہ، ہیما مالنی، سنجے دت، فرح، نیا چہرہ وشال، صبیحہ اور سریش اوبرائے اہم رول ادا کریں گے۔

■■

www.taemeernews.com

"گلزار" صفحہ ۹ سے آگے

لیکن اگر جنت صرف خیالی اُڑان کا نام ہے تو ہم سب ایک صحرا میں بے مقصد بھٹک رہے ہیں، چاہے ہم کتنے ہی کارنامے کر گزریں، کسی کو بھی اپنا آدرش ٹھیرالیں، کچھ بھی اپنی منزل کے طور پر مان کر موت کی طرف بڑھتے رہے۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ بازی کے سارے پتے ہمارے خلاف ہیں۔ مات ہمارا مقدر ہے۔ جیت اگر ہے تو صرف اس حد تک کہ ہم اس صورتِ حال کو کس انداز سے قبول کرتے ہیں۔

س : تو گھر والوں نے آپ کے ادبی میلانات کو خبط قرار دے کر بمبئی بھیج دیا۔ پھر یہاں آنے کے بعد آپ پر کیا بیتی؟

گلزار : پڑھائی میں لگا رہا۔ مگر انٹر پاس نہ کر سکا۔ تاہم میں نے یہ بات کسی کو بتائی نہیں۔ بلکہ گھر والوں کو یہ باور کرانے کے لئے کہ میں پاس ہو گیا ہوں، میں نے مٹھائی بھی بانٹی۔ یہ ۱۹۵۰ کی دہائی کے شروع کی بات ہے کہ میں گھر سے نکل کھڑا ہوا اور بمبئی میں ورسوا میں ایک دوست کے یہاں رہنے لگا اس کے ساتھ ہی میری زندگی میں جد و جہد کا دَور شروع ہو گیا۔ ورسوا اِن دنوں ایک بیابان جنگل کا نام تھا۔

س : ان دنوں آپ کو راستہ کون دکھاتا تھا؟ فیصلے کرنے میں مدد کون دیتا تھا؟

گلزار : میرا اپنا وجود۔ میں ہمیشہ سے جیتنے کے حق میں رہا ہوں، جیتنے والے کا طرف دار رہا ہوں لیکن اس کے ساتھ میرے دل میں ان لوگوں کے لئے ہمدردی اور محبت بھی ہے جو جیتنے کے لئے بنے ہی نہیں ہیں، جو کھو جاتے ہیں، ہار جاتے ہیں، جو اس جنگل کے لئے اجنبی ہیں جسے دُنیا کہا جاتا ہے، جو سب سے الگ ہیں یا کسی پہیلی کی طرح مشکل ہیں، یا بے حد حساس، بے حد نازک روحیں، یا جنھیں جنگل کے لئے درکار پنجے اور ناخن اور دانت نہیں ملے ہیں۔ میں ہمیشہ ایک ہی مشترک کیفیت سے ـــــ تنہائی سے بولتا رہا۔ میری ہمیشہ یہی آرزو رہی کہ اپنی تنہائی کی ماری ذات کے خول کو توڑ کر باہر نکلوں، کسی دوسرے کو جھنجوڑ کر، اس کے دل میں اُتر کر دیکھوں۔ بعد کے برسوں میں میناکماری کے ساتھ میرا یہی رشتہ رہا۔ میرا خیال ہے جہنم ہر اس شخص کا مقدر ہے جو دوسروں سے مکمل بے پروائی اور بے نیازی برتے۔ میں میناجی کا ہو کر رہ گیا۔ ان کے ساتھ بِتا ہوا وقت میرے لئے اپنی ذات کے حصار کو توڑ کر آزادانہ اُڑان بھرنے کا وقت تھا۔ ایسی صورت میں آدمی اپنی ہستی کو اُٹھا کر ایک طرف رکھ دیتا ہے اور دوسرے کے احساسات کو پوری شدّت کے ساتھ محسوس کرتا ہے۔

س : قلم کار کے طور پر آپ کیسے آگے بڑھے؟

گلزار : میں انجمن ترقی پسند مصنّفین میں شامل ہو گیا وہاں مجھ پر کرشن چندر، علی سردار جعفری اور کیفی اعظمی کا بہت گہرا اثر پڑا کیفی صاحب خاص طور سے سب ہی اُبھرتے ہوئے، نوجوان ادیبوں کی سرپرستی کرتے تھے۔ میرے لئے وہ دور بے پناہ اندرونی کشمکش کا دَور تھا۔ میری پرورش اخلاقی جکڑ بندی کی دھجیاں اڑانے پر تلا رہتا ہے۔ چونکانے میں مجھے لطف آتا تھا۔ صدمہ پہنچانے میں مجھے خوشی ملتی تھی۔ شاید یہ میلان میرے مزاج، میری سرشت میں شامل تھا۔ جی یہی چاہتا تھا کہ 'اَن'، پر کسی بھی طرح، ـــــ ـــــ کسی بھی شے سے وار کرو۔ اور 'اَن' میں شامل تھا۔ سارا درمیانی طبقہ جو خود فریبی کی دھند میں لپٹا رہتا ہے اور اپنے بنیادی محرکات کا سامنا کرنے سے دامن بچاتا ہے۔

س : آپ نے فلموں کو میڈیم کے طور پہ کیوں چُنا؟

گلزار : بنیادی طور پہ تو یہ صرف جینے اور باقی رہنے کا مسئلہ تھا۔ اُردو ادیبوں کو عموماً برائے نام ہی معاوضہ ملتا ہے۔ پھر ان دنوں تو ایک زبان کی حیثیت سے اُردو کا اور بھی بُرا حال ہو رہا تھا اور مجھے بہر طور بھوک اور فاقے کو اپنے دَر سے دُور رکھنا تھا۔ خوش قسمتی سے فلم انڈسٹری میں میرے کچھ دوست موجود تھے۔ ان میں سے کچھ سے تو بہت پرانی دوستی تھی، جیسے باسو بھٹاچاریہ رگھوناتھ جھلانی اور دیبو سین سے۔ شیلیندر سے بھی دوستانہ مراسم تھے۔ ان کے علاوہ بمل رائے گروپ، سلیل چودھری اور دوسروں سے بھی خاصی جان پہچان تھی۔ اس لئے فلموں نے اپنی طرف کھینچ لیا اور میں ۱۹۶۱ میں بمل دا کے ساتھ ہو لیا۔ بمل دا کے لئے میرا پہلا گیت "میرا گورا انگ لئی لے" تھا۔ اس سے پہلے میں وشواس موٹرز نام کے گیرج میں میکینک کا کام کیا کرتا تھا اور کاروں کی مرمت، رنگ و روغن وغیرہ میں اپنا ہُنر دکھاتا تھا۔ یہ تھی اُردو ادیبوں کی حالت! خیر، بمل دا کے گروپ میں شامل ہونے کے بعد ایس ڈی برمن سے میری جان پہچان ہوئی۔ ان دنوں میں

● نصیر الدین شاہ کو میک اپ کے ذریعہ غالب بنایا جا رہا ہے

ایک بنگلے کے آؤٹ ہاؤس (ملازموں کے رہنے کے لئے بنے ہوئے کوارٹر) میں رہتا تھا۔ یہ بنگلہ کرشن چندر نے لے رکھا تھا۔ بمل دا نے اسی زمانے میں "اُس نے کہا تھا" مکمل کی تھی اور وہ "کابلی والا" شروع کرنے والے تھے۔ میں ان کا اسسٹنٹ بن گیا۔ تنخواہ ۲۵۰ روپے ماہانہ تھی۔ بمل دا مالی دشواریوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ عوام کا ذوق بدل جانے کے باعث ان کی فلمیں کام یاب نہیں ہو رہی تھیں۔ یہاں تک کہ 'کابلی والا' بھی ناکامی سے دوچار ہوئی۔ اس کے بعد "پریم پتر" اور "بندنی" کا بھی یہی حشر ہوا۔ بمل دا کا دِل بجھ کر رہ گیا اور انھوں نے یونٹ کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ہم سب کو بہت صدمہ ہوا۔ ان کے بینر کو قائم رکھنے کے لئے ہم نے تہیّہ کیا کہ ان کے لئے بلا معاوضہ کام کریں گے۔ اس طرح "سہارا" شروع ہو گئی۔ مگر پھر بمل دا کو بیماری نے آگھیرا اور "سہارا" رشی کیش مکرجی نے مکمل کی۔ اب اس کا نام بدل کر "چیتالی" رکھ دیا گیا تھا۔ "چیتالی" کے بعد ہم نے "دو دونی چار" شروع کی۔ اس کے ڈائریکٹر دیبو سین تھے۔ یہ فلم اسی وقت مکمل ہو سکی جب یونائیٹڈ پروڈیوسرس گروپ وجود میں آگیا۔ اس فلم کے لئے میں نے اسکرپٹ بھی لکھا تھا، مکالمے بھی اور گیت

● ٹی وی سیریل "غالب" کے سیٹ پر مرزا غالب کے رول میں نصیر الدین شاہ اور گلزار

بھی۔ مگر فلم اطمینان بخش نہ بنی۔ ان ہی دنوں مجھ پر ڈائریکشن کی دھن سوار ہو گئی۔ میگافون سنبھالنے کا پہلا موقع مجھے "میرے اپنے" کے ذریعہ ملا۔

س : کیا آج کل فلموں کا معیار بہت پست نہیں ہو گیا ہے؟

گلزار : ہوا تو ہے۔ آج کل کی فلموں میں فن کارانہ اظہار کم ہی دیکھنے کو ملتا ہے۔ تاثر کی بھی کمی ہوتی ہے۔ بندھے ٹکے راستے پر چلتے چلتے ہمارا سنیما پتھر کی طرح جامد اور بے اثر بننے کے خطرے سے دوچار ہے۔ آرٹ ہماری فلموں میں عموماً شامل ہی نہیں ہوتا۔ آج کی فلمیں صرف تڑک بھڑک اور بھونڈی سجاوٹ ہیں —— کچھ احمقانہ ہنسی مذاق، کچھ ہوس بھری نظریں، کچھ گھٹیا اشارہ بازی، کچھ جسم کی رعنائیوں میں تاک جھانک، اور بس! وہ فن کارانہ توازن کہیں نہیں جو زندگی میں ہے، انسانی رشتوں میں ہے، محبت میں ہے۔

س : پھر آپ کے خیال میں کس طرح کی فلمیں بننی چاہئیں؟

گلزار : آج یہ ضروری ہے کہ کچھ اور ہی باتیں فلمائی جائیں، کسی اور ہی رنگ میں فلمائی جائیں۔ ان تمام اسٹوڈیوز سے دامن بچایا جائے جو قیمتی ہیں، بے قرینہ ہیں، صحت کے لئے مضر ہیں۔ برقی روشنیوں کے مقابلے میں دھوپ کہیں زیادہ سستی ہے۔ ایک ادھار مانگا ہوا کیمرہ ہو، ایک دوست کا فلیٹ ہو، رول ادا کرنے کے لئے دوستوں کا جھرمٹ ہو، اور سب سے بڑھ کر سنیما کے لئے جنون ہو —— ایسا جنون جو مستقبل کی راہ میں کھڑی ہوئی ساری رکاوٹوں کو ملیامیٹ کر دے۔ یہ محض جواب نہیں ہے۔ نیت اور ارادے کا انقلاب شروع بھی ہو چکا ہے۔ آج ہم پرانے لیبلوں پر، روایتی موضوعات پر بھروسا نہیں کر سکتے۔ ہمیں فلم کو اپنی ذات کے اظہار کا وسیلہ بنانا ہے۔ ایسے اظہار کے لئے ہمیں پوری طرح آزاد رہنا ہے —— ہر مصیبت، ہر جھکاؤ سے آزاد، ٹیکنیک کی پرانی جکڑ بند سے آزاد، ہر شے سے آزاد، صرف ہمارے حوصلے اونچے رہیں، نیت میں فن کے لئے مکمل خلوص ہو اور جنون کی حد کو چھوتا ہوا عزم۔

س : اگر واقعی ایسا انقلاب شروع ہو چکا ہے تو پھر آپ کی فلموں "اجازت" اور "لباس" کو خریدار کیوں نہیں ملتے؟

گلزار : کیوں کہ کچھ گمراہ لوگ مجھے عشق کا مارا سودائی سمجھ بیٹھے ہیں۔ میری فلموں سے خون نہیں ٹپکتا۔ ان میں مار دھاڑ اور تشدد کی ریل پیل نہیں ہوتی، بناوٹی جذبوں کی نمائش نہیں ہوتی۔ مجھے تو اپنی فلموں میں وہ شے رچانے کی آرزو رہتی ہے جو ڈرامے کا دل ہے، اس کی روح ہے، یعنی جذبوں کی طوفانی شدت۔ پھر میں خیالات اور تصورات کی تشکیل جس باریک بینی اور ہوشیاری کے ساتھ کرتا ہوں، کچھ آوازیں اس کی مخالفت میں بھی سنائی دیتی ہیں۔ میں کاروباری اعتبار سے اس لئے کم کامیاب رہتا ہوں کہ میں ڈرامے میں خیالات پیش کرتا ہوں اور ان خیالات سے جذبے کی طوفانی شدت کو نچوڑ کر ان کو بے روح نہیں بناتا۔ مجھے یقین ہے کہ میں نے ہندستانی فلموں میں ایسے کردار سموئے ہیں جن کا زندگی کی گرمی سے بھرا ہوا وجود تماشائیوں کی یادوں کی حویلی میں مدتوں رواں دواں رہے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے مکالموں میں بھی ایسا اشاراتی راگ ہو جو سمجھ میں بھی آئے اور روزمرہ کی بات چیت کے بے رس، بے ربط آہنگ سے دور بھی رہے۔ کبھی یہ مکالمے گرماگرم، بیانیہ، قیامت کو اپنے دامن میں چھپائے ہوئے ہوتے ہیں، کبھی پت جھڑ کے راگ کی طرح المناک، میں ایسے کرداروں کا قائل نہیں جو ارادی طور پر خود کو تباہ کرنے پر تلے رہیں۔ میرے کردار مایوسی کی دھند میں اور اس کے پار جینے کی امنگ سے سرشار رہتے ہیں۔

س : لیکن کیا ناکامی سے آپ کو کبھی ڈر نہیں لگتا؟

گلزار : کبھی کبھی یہ احساس ضرور ہوتا ہے کہ میں سب سے کٹ کر اکیلا رہ گیا ہوں۔ لیکن میں اپنی روش نہیں بدل سکتا۔ بچکانہ قسم کی فلمیں بنانا میرے لئے ممکن ہی نہیں ہے۔ میرے کرداروں کو ہر حال میں رویوں پر وار کرنا ہے، جذبے کے صحیح رنگوں پر دھاوا بولنا ہے۔ میری علامتوں کو بہر طور پھلوں پر منڈلاتی ہوئی مکھیوں کی طرح گنتی میں بڑھتے جانا ہے اور ان ہی کی طرح اس عمل میں ہوش سے کام نہیں لینا ہے۔ میرا آرٹ اندر کی دنیا میں جھانکتا ہے، خود آرٹسٹ کی انا کا جائزہ لیتا ہے —— اس حد تک کہ سارا منظر فریب نظر یا خواب یا گڈمڈ تصورات کی دنیا آباد کرتا دکھائی دے۔ میری کچھ ناکامیوں نے مجھے اپنے اندر جھانکنے کی راہ پر بھی لا کھڑا کیا ہے اور اگر میں اپنے ہی اندر سمٹ کر نہیں رہ گیا ہوں تو اس کا سبب وہ امنگ ہے جو ہر آن مجھے تماشائیوں سے قریب تر ہونے اور ان کے دلوں کو چھونے کے لئے اکساتی رہتی ہے اور اس طرح میں اپنی ذات سے باہر نکلنے کے چھپے ہوئے لمحہ کو پا لیتا ہوں۔

(ایس۔ این۔ کھوسلہ)

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

آنے والی فلم

قیامت سے قیامت تک

دلّی کے قریب دھنک پور گاؤں میں رندھیر سنگھ (گوگا کپور) کے بھائی رتن سنگھ (فیروز) نے دھن راج سنگھ (دلیپ تاہل) کی بہن مدھو (سیما فاز) پر ایسے ڈورے ڈالے کہ وہ اپنا سب کچھ اسے سونپ بیٹھی۔ اب وہ رتن کے بچے کی ماں بننے والی تھی، مگر رتن کے گھر والوں نے رتن کی شادی اس کے ساتھ کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ ایسی آوارہ لڑکی ان کے گھر کی بہو بننے کے لائق نہیں۔ مدھو نے زندگی سے تنگ آکر خودکشی کر لی۔ دھن راج بہن کی لاش کو لے کر شادی کے منڈپ میں پہنچا جہاں رتن دولہا بنا بیٹھا تھا اور اس نے رتن کو گولی مار دی۔ اس واقعہ کے بعد دھن راج اور رندھیر ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے۔ دھن راج جیل چلا گیا اور اس کے بڑے بھائی جسونت سنگھ (آلوک ناتھ) خاندان کے ساتھ دلّی روانہ ہو گئے، جہاں انہوں نے کپڑے کا کاروبار جما لیا۔

جب دھن راج اپنی سزا پوری کر کے لوٹا تو اس کا بیٹا راج (عامر خاں) جوان ہو چکا تھا اُدھر رندھیر سنگھ کی بیٹی رشمی (جوہی چاولہ) بھی جوانی کی منزلوں میں قدم رکھ چکی تھی اور دلّی میں تعلیم پا رہی تھی۔

خاندانی مقدموں کے سلسلے میں ایک بار راج اپنے پھوپی زاد بھائی شیام کے ساتھ دھنک پور گیا۔ اس نے سوچا کیوں نہ وہ رندھیر سنگھ کی حویلی کے بھی درشن کر لے۔ وہاں اس وقت رشمی کی سالگرہ کا جشن منایا جا رہا تھا مہمانوں کا تانتا بندھا ہوا تھا، اور انتظار تھا روپ سنگھ کا، جس سے رشمی کا رشتہ ہونے والا تھا۔ لڑکی والوں نے راج کو روپ سنگھ سمجھ کر خوب آؤ بھگت کی، لیکن جب شیام کے کہنے پر راج وہاں سے کھسک گیا تو ان لوگوں کا ماتھا ٹھنکا۔ اُن کا بس چلتا تو وہ اُسے مار ہی ڈالتے۔

کچھ اتفاقی ملاقاتوں کی بدولت رشمی راج کے قریب آ گئی۔ رشمی راج کی حقیقت سے انجان تھی لیکن راج اس کی اصلیت سے بے خبر نہ تھا۔ مگر رشمی کی محبت، اس کی سادگی، اس کا بھولپن راج کے پاؤں میں محبت کی بیڑی ڈالتے چلے گئے۔ شیام کے ٹوکنے کا راج پر کوئی اثر نہ ہوا۔ لیکن جب دھن راج کو رشمی کی اصلیت کا پتہ چلا تو اس نے اپنے بیٹے راج پر پابندی لگا دی کہ اب وہ اس سے کبھی نہ ملے۔ اُدھر لڑکی والوں نے رشمی کی شادی روپ سنگھ سے کرنے کی تیاری تیز کر دی اور رشمی پر نظر رکھنا شروع کر دیا۔ راج سے کہا گیا کہ وہ رشمی کا پیچھا چھوڑ دے اور اس کی زندگی برباد نہ کرے، جب کہ راج جانتا تھا کہ رشمی کی زندگی کسی اور سے شادی کر کے برباد کی جا رہی ہے۔ اگر تقدیر کو یہی منظور ہے تو وہ ایک دوسرے سے بچھڑ سکتے ہیں، لیکن ایک دوسرے کا پیار بھلا نہیں سکتے۔ مگر جب اس بار بھی رشمی کو کسی اور کے حوالے کیا جانے لگا تو راج سے نہ رہا گیا۔ اس کی تدبیریں رنگ لائیں۔ راج اور رشمی فرار ہو گئے اور ایک دور دراز مقام پر پیار کا مندر بنا کر رہنے لگے۔ زمانے کی نظروں سے دور پیار کا ایک آشیانہ، جہاں راج لکڑی کاٹ کر لاتا اور اس کی محبوبہ رشمی کھانا پکاتی۔

اُدھر راج کی تصویر اخبار میں دے دی گئی، اور کسی طرح ان کے پڑاؤ کا سراغ بھی لگ گیا۔ لڑکی کے باپ نے کرائے کے غنڈوں سے بھی کام لیا اور خود رشمی کو تنہا پا کر اس سے راضی خوشی گھر چلنے اور راج کو اپنانے کا جھانسہ دے کر اُسے اپنے ساتھ لے گیا۔ بے چاری رشمی اس بات سے بے خبر تھی کہ اُدھر اس کا عاشق ظالموں کے چنگل میں پھنس کر زندگی اور موت کی لڑائی لڑ رہا ہے۔ رندھیر سنگھ ہر قیمت پر راج کو رشمی سے الگ کر کے شادی کی تاریخ تک اس سے حاصل کر لینا چاہتا تھا۔ لیکن محبت کسی قیمت سے کم نہیں۔ وہ ان کو ضرور ملائے گی۔ یہاں نہیں تو وہاں۔ ●

www.taemeernews.com

"سنی دیول" ـــــ (صفحہ ۱۵ سے آگے)

(صفحہ ۱۵ سے آگے)

پہلے اپنے ہی اندر جھانکنا پڑتا ہے۔ کوئی اپنے پیشے میں آگے بڑھنا چاہے یا کاروبار میں، روحانی بلندیوں پر پہنچنا چاہے یا فن کی بلندیوں پر، اہم ترین بات یہی ہے کہ وہ آسمان کو اپنی منزل سمجھے اور ثابت قدمی کے ساتھ منزل کی طرف بڑھتا جائے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، مجھے نہ مقابلے کا ڈر ہے، نہ مقابلہ کرنے والوں کا۔

س : اچھے سے اچھا کام کر دکھانے کی تمنا تمہارے دل میں از خود پیدا ہوئی تھی یا اس سلسلے میں تمہارے ماں باپ نے رہنمائی کی تھی؟

سنی : کوئی شخص کس ڈھنگ سے اعلیٰ کام کر دکھانا چاہتا ہے، یہ دوسروں کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس راہ میں کامیابی ملی ہے یا ناکامی، اس کا علم بھی دوسروں کو نہیں، صرف اسی کو ہو سکتا ہے۔

س : اچھا، مان لو تم انجام کار ناکام رہے تو؟

سنی : اصل اہمیت دُھن، لگن اور کوشش کی ہے۔ پھر کوشش عادت بن جاتی ہے اور اس کی جھلک کام میں ہی نہیں، باقی ساری زندگی میں بھی آ جاتی ہے، جس کا نتیجہ اکثر اچھا ہی نکلتا ہے۔ جب میں چھوٹا تھا اور اسکول میں پڑھتا تھا تو میری کوشش رہتی تھی کہ فٹ بال کے کھیل میں دوسروں سے بازی لے جاؤں۔ اوسط فاصلے کی دوڑ میں بھی میرا یہی حال رہا۔ اور اس عمل میں اپنے بارے میں میں نے بہت کچھ سیکھا۔ کھیل میں مقابلے کے وقت آدمی کو اپنے اندر جھانک کر دیکھنا ہوتا ہے۔ جب وہ دوڑتا ہوتا ہے تو اس وقت اسے پتہ چلے کہ اس میں تھکن کے باوجود آگے بڑھتے رہنے کی ہمت اور حوصلہ ہے، جوڑ جوڑ کے ٹوٹنے کے احساس کے باوجود رُکنے کے لالچ میں نہیں آتا ہے، مات کھانے کے اندیشے کے باوجود رفتار کو مدھم نہیں کرتا ہے تو قسمت ضرور اس کا ساتھ دے گی۔ میں چاہتا تھا کہ جو کام کروں، ٹھیک طرح کروں، اپنے کام میں پوری طرح خود کو سمو دوں، ہر کام اپنی ہی تسکین کے لئے کروں، صرف دوسروں سے شاباشی یا واہ واہ حاصل کرنے کے لئے نہیں۔ جب آدمی ایسا کام کرتا ہے جو اس کے خیال میں اس کے لئے اچھا ہے تو اس پر یہ بھید کھلتا ہے کہ محض اتفاق سے اس نے کامیابی کا راز بھی دریافت کر لیا ہے۔

س : تو کیا تم اب مطمئن ہو؟

سنی : اعلیٰ کارگزاری اسی کا نام ہے کہ جب تک آدمی کو اطمینان نہ ہو جائے وہ اپنی کوشش جاری رکھے۔ مگر فن کے میدان میں یہ منزل شاید کبھی نہیں آتی۔ مجھے تو ابھی بہت دُور جانا ہے۔ ابھی تو صرف شروعات ہوئی ہے۔ میں ہمیشہ آپ ہی اپنا پیچھا کرتا رہوں گا، خود ہی اپنے آپ سے آگے بڑھتا رہوں گا۔

س : جب تم انگلینڈ میں تھے تو سب سے زیادہ تم پر کس کا اثر پڑا؟

سنی : مجھے سب سے زیادہ مشہور پیانو نواز پیڈرو سکی کی ایک بات نے متاثر کیا۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ وہ کتنا ریاض کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا: اگر میں ایک دن ریاض نہیں کرتا تو مجھے اس کا احساس ہو جاتا ہے۔ اگر دو دن ریاض نہیں کرتا تو ناقدوں کو اس کا احساس ہو جاتا ہے۔ اگر تین دن ریاض نہیں کرتا تو سارے سننے والوں کو اس کا احساس ہو جاتا ہے۔ پیڈروسکی کی اس بات کو میں نے اسی وقت گرہ میں باندھ لیا تھا جب میں نے اداکاری کو اپنا کیریر بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔

س : کیا کامیابی کبھی کبھی تم پر نشہ بن کر بھی چھاتی ہے؟

سنی : بہتر کام کرنے کا اپنا الگ مزہ ہے۔ اس کی وجہ سے دل بوجھل نہیں ہوتا، طبیعت پر اُداسی طاری نہیں ہوتی۔ کام ٹھیک طرح ہو جائے تو یقیناً اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر جب "سلطنت" یا "ڈکیت" ناکام ہوئی تھیں تو بھی اپنی کارگزاری کی حد تک مجھے پورا اطمینان تھا۔

س : حالات نے تمہارے لئے جو شکل اختیار کی ہے، کیا تم اس سے خوش ہو؟

سنی : نہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ہر روز کسی ایسے کام میں بازی لے جانے کے لئے دو ایک گھنٹے صرف کروں جسے کر دکھانے کی مجھے ہمیشہ سے آرزو رہی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ مجھے اپنی حدیں بھی معلوم ہیں۔ پہلے اعلیٰ کارگزاری کی خواہش مجھے بہت بے چین رکھتی تھی، کیوں کہ اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے میں نے راستے نہیں اپنائے تھے۔ اب یہ کیفیت نہیں ہے۔ آج میں خوش ہوں۔ آج کمال کی طرف بڑھنے کی اپنی طلب کو بھی میں اصلیت سے بڑھ کر نہیں آنکتا۔ لیکن اس کے ساتھ کمال حاصل کرنا آج بھی میری منزل ہے۔ کمال کی دُھن میں نہ رہنے سے دماغ اسی طرح ڈھیلا ڈھالا اور لجلجا ہو جاتا ہے جیسے رگ پٹھے ورزش نہ کرنے کی صورت میں ہو جاتے ہیں۔ پھر زندگی میں کوئی اُمنگ کوئی ولولہ نہیں رہتا۔ نہ کسی مقصد کا احساس باقی رہتا ہے، نہ کوئی کارنامہ کر گزرنے کی خوشی۔

س : لیکن کمال کی طرف بڑھنے کی آرزو کے لئے اُمنگ تو تمہیں اپنے ڈیڈی سے ہی ملی ہوگی؟

سنی : میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ ڈیڈی میرا آدرش ہیں۔ لیکن اعلیٰ کارگزاری کے بارے میں ہر شخص کا اپنا الگ تصور ہوتا ہے۔ یہ تصور آدمی کی اپنی ذات سے اُبھرتا ہے۔ اس کے ساتھ آگے بڑھنے کی سماجی روایت، بھرپور کوشش اور کامیابی بھی اس تصور کے پنپنے میں مدد دیتی ہے۔ اسی طرح کام کرنے کا ضابطہ آدمی اپنے لئے خود بناتا ہے اور اپنی مرضی سے اس کی پیروی کرتا ہے، کوئی افسر، کوئی آقا، کوئی استاد، کوئی ادارہ

www.taemeernews.com

کوئی سرپرست یا اس کا اپنا باپ بھی اسے اس پر مسلط نہیں کرتا۔ میرے خیال میں یہی راہ سب سے اچھی ہے۔

س : تمہارا بنگلہ تو چھوٹے موٹے جمنازیم (ورزش گاہ) جیسا نظر آتا ہے۔ کیا تمہیں صحت مند رہنے کا شوق جنون کی حد تک ہے؟

سنی : یہی سمجھ لیجئے۔ میں روزانہ کافی ورزش کرتا ہوں۔ ہر شام کو اسکواش کھیلتا ہوں۔ بیڈمنٹن بھی پابندی سے کھیلتا ہوں۔ اس کے علاوہ دوڑ بھی لگاتا ہوں۔ اپنے جسم کو ٹھوس اور لچکیلا، متناسب اور سڈول بنائے رکھنے کے لئے میں سارے جتن کرتا ہوں۔

س : اپنا پہلا شاٹ دیتے وقت تم کچھ نروس تو ضرور ہوئے ہوگے؟

سنی : بالکل بھی نہیں۔ اس کا سبب یہ تھا کہ میرا سارا دھیان ایک ہی بات پر مرکوز رہا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ شاٹ کے لئے میں جتنا بہتر کام کر سکتا ہوں، کر دکھاؤں۔ فوراً ایک ہی پل میں کمال حاصل کرنے کی خواہش میں نے کی ہی نہیں تھی۔ میں جو کام بھی ہاتھ میں لیتا ہوں، ساری توجہ اسی کی نذر کرتا ہوں چاہے وہ شاٹ دینے کا کام ہو یا خط لکھنے کا یا چند پونڈ فالتو وزن سے چھٹکارا پانے کا۔ جلد بازی مجھ پر کبھی سوار نہیں ہوتی۔ ہر کام میں مرحلہ وار کرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ کمال حاصل کرنے کے لئے ابھی کافی وقت ہے۔ ابھی تو ساری عمر پڑی ہے۔

س : شراب، سگریٹ وغیرہ کا بھی کچھ شوق ہے یا نہیں؟

سنی : قطعی شوق نہیں۔ ان چیزوں سے میں ہمیشہ دُور رہتا ہوں۔ پینے کے لئے میری حد صرف لسی ہے، جو مجھے پسند بھی ہے۔ ہمارے گھر میں سب سبزی خور ہیں۔ گوشت ہمارے یہاں نہ پکتا ہے، نہ کھایا جاتا ہے۔ تازہ سبزیوں اور پھلوں کے علاوہ ہمارے یہاں پنیر کا بھی ذخیرہ رہتا ہے۔ ہاں، کبھی کبھی سادہ آٹے کی جگہ میدہ کی روٹی ضرور کھا لیتا ہوں تاکہ پنجابی روایت کچھ تو باقی رہے۔

س : تو کیا تم کام کو خبط کی طرح ہر وقت حواس پر سوار رکھنے کے قائل ہو؟

سنی : جی نہیں۔ مجھے زیادہ کام کرنے کی بھلا کیا ضرورت ہے؟ جتنا عزیز مجھے کام ہے، اتنی ہی عزیز فرصت بھی ہے۔ فرصت کے وقت گھر پر رہنا اور گھر والوں کے ساتھ وقت گزارنا مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ میرا خاندان میری ساری کائنات ہے۔

س : اچھا، یہ بتاؤ، گھر سے کبھی باہر بھی کیا کسی سے تمہارا جذباتی لگاؤ ہے؟

سنی : اگر آپ کی مراد عشق بازی سے ہے تو یہ خانہ میرے یہاں نہیں ہے۔ میں کسی بھی ایسے لگاؤ کو پسند نہیں کرتا جس سے گھریلو زندگی پر بُرا اثر پڑے۔ مجھے کسی سے بھی لگنے لپٹنے کا کوئی شوق نہیں اور نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ کوئی مجھ سے لگے لپٹے۔ مجھے یہی فکر رہتی ہے کہ کچھ لڑکیاں میرے دوستانہ رویّہ کا کوئی دوسرا مطلب نہ نکال بیٹھیں اور مجھ سے زیادہ نزدیکی کی آس اپنے دل میں نہ جگا لیں۔ مجھے اپنے اسی رویّہ کی بدولت اپنی مرضی کے مطابق جینے کی زیادہ آزادی میسّر آئی ہے۔ میں تو پارٹیوں یا رات گئے کی دعوتوں میں کبھی نہیں آتا جاتا۔ دس بجنے سے پہلے پہلے میں عام طور پر لوٹ آتا ہوں۔ اگر کسی پارٹی میں جانا ہی پڑے تو وہاں ایک وقت میں ایک ہی شخص سے بات چیت کرنا مجھے پسند ہے، تاکہ دوسروں کی دخل اندازی اور غیر ضروری سوالوں کے بغیر اطمینان سے باتیں ہو سکیں۔

س : کیا ڈمپل سے بھی تمہارے کوئی خاص قسم کے تعلقات نہیں ہیں؟

سنی : میرا مزاج ہی ایسا ہے کہ سب لوگوں میں کوئی خوبی، کوئی اچھائی، کوئی دلکشی تلاش کر لیتا ہوں۔ ہر جگہ اور ہر شخص میں خوب صورتی کی جستجو میں رہنا میری عادت ہے۔ ڈمپل بلاشبہ بہت حسین ہے۔ لیکن اس تعریف سے کوئی اور معنی نکالنا سراسر زیادتی ہوگی۔

س : کبھی گھر کے کاموں میں بھی دلچسپی لیتے ہو؟

سنی : میں گھر کے صرف ایسے کام کرتا ہوں جو زیادہ مشکل ہوں اور جن میں زیادہ زور اور طاقت لگانے کی ضرورت ہو۔ باقی تمام گھریلو کاموں کی حد تک میرا خیال ہے کہ عورتیں ہی انہیں بہتر طور پر کر سکتی ہیں۔ پھر اب تو پہلے کے مقابلے میں گھریلو کام ان کے لئے زیادہ آسان بھی ہو گئے ہیں۔ گھریلو کاموں کے لئے اتنی بہت سی مشینیں اور آلے جو آ گئے ہیں۔

س : تم اتنے ڈسپلن کے پابند کیسے بن گئے؟

سنی : یہ سب ماں باپ — خاص طور سے میرے ڈیڈی کی تربیت کا فیض ہے۔ آج کل زیادہ تر ماں باپ اپنے بچوں کے ساتھ کچھ زیادہ ہی نرمی سے پیش آتے ہیں۔ مگر میرا معاملہ مختلف رہا۔ میں کبھی کوئی غلطی کر بیٹھتا تھا تو ڈیڈی ایسی ڈانٹ پلاتے تھے کہ میرے ہوش ٹھکانے آ جاتے تھے۔ ایک بار میں اسکول کی جانے کی بجائے سڑک کے چھوکروں کے ساتھ گولیاں کھیلتے ہوئے پکڑا گیا تو ڈیڈی نے سب کے سامنے ہی میری خوب پٹائی کر ڈالی۔ اس روز کی اور اس جیسے دوسرے بیسیوں مواقع کی سخت گیری بعد کی زندگی میں میرے بہت کام آئی۔ ڈسپلن کا جو سبق ذہن میں اس طرح بچپن میں نقش ہوا تھا، آج بھی میں اسے بھولا نہیں ہوں۔

س : کیا یہ صحیح ہے کہ تم بہت جلد بھڑک اُٹھتے ہو؟

سنی : جی ہاں، مگر صرف اس وقت جب دوسرے غلطی پر ہوں۔ مثلاً ایک مرتبہ کچھ لوگ میرے ڈیڈی کا ذکر بڑے بے ہودہ ڈھنگ سے کر رہے تھے۔ میں نے سُنا تو مارے غصّے کے میرا بُرا حال ہو گیا اور میں نے ان کی اچھی طرح مرمّت کر ڈالی۔ ڈیڈی کے خلاف اگر کوئی شخص بکواس کرتا ہے تو میرا خون کھول اُٹھتا ہے۔

س : کیا ابھی تک تمہارے غصّے کا یہی حال ہے؟

سنی : نہیں، آج کل میں کسی حد تک صبر سے بھی کام لے سکتا ہوں۔ کچھ عرصہ پہلے میں نے اپنی ایمج کچھ یاس آمیز بنا لی تھی۔ ان دنوں مجھے یہی پریشانی رہتی تھی کہ کسی طرح میری انا کو ٹھیس نہ لگے۔ اس نکتے کو سمجھنے میں مجھے کافی دن لگے کہ میرا کیریر میری انا کی صرف ایک جھلک ہے۔ ویسے آج بھی میں یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ مجھے غصّہ اب آتا ہی نہیں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ میں غصّے کو بُرا بھی نہیں سمجھتا۔ غصّہ اچھی اور صحت مند اندرونی کیفیت کی علامت بھی ہو سکتا ہے۔ ایسی صورت میں غصّہ تخلیقی صلاحیت کے دبائے اور کچلے جانے یا اسے اظہار کی راہ نہ ملنے کے خلاف ہوتا ہے۔ اس طرح کے غصّے کا مطلب یہ پوچھنا ہے کہ جواب دو، یہ ظلم کیوں ہو رہا ہے۔

س : اپنے ڈیڈی کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟

سنی : وہ بہت حسّاس، دردمند، محبت کرنے والے اور چاہے جانے کے قابل انسان ہیں۔ وہ میرے باپ تو ہیں ہی، دوست بھی ہیں۔ ان کے اچھے اداکار ہونے میں تو شبہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ ان کے ساتھ کام کرنا مجھے سچ مچ بہت اچھا لگتا ہے۔

(ورتی)

سمتا پاٹل

صفحہ ۱۹ سے آگے

• ننھا پرتیک جو ماں کی ممتا سے محروم رہ گیا

• ننھا پرتیک کھلونوں سے کھیلتے ہوئے

موت کا ایک سبب ان دونوں کی آفت رسیدہ اور بے قرینہ زندگی بھی تھی۔ ان کی دوسری بیٹی انیتا شروع سے ہی کم زور تھی۔ اس کی پرورش کا بار باپ کے سر پڑا، کیوں کہ وِدیا وتی اس وقت تک خاندان کا سہارا بننے کی نیت سے نرسنگ کورس میں داخلہ لے چکی تھی۔ خدا خدا کر کے ان کی نرسنگ کی ٹریننگ پوری ہوئی، مگر ابھی ان کو نوکری ملنا ہی تھی کہ ان کی کوکھ پھر ہری ہو گئی۔ ماں باپ دونوں پریشان ہو گئے کہ اس نئے آنے والے مہمان کی دیکھ بھال کیسے ہو گی۔ غریبی میں ایک ذمّہ داری اور بڑھنے والی تھی۔ وہ سوچتے تھے کہ کاش یہ مہمان ابھی نہ آتا۔

ان دنوں وِدیا وتی اور شِواجی راؤ پونے میں پرجا سوشلسٹ پارٹی کے دفتر میں ہی رہ رہے تھے۔ شِواجی راؤ آفس سکریٹری تھے۔ آفس ہی ان کے لئے کام کی جگہ تھا، آفس ہی رین بسیرا۔ وِدیا وتی ماں بننے والی تھیں۔ کم زور بھی بہت ہو گئی تھیں۔ ایک دن وہ اپنے کمرے تک جانے کے لئے زینے پر چڑھ رہی تھیں۔ دھوئے ہوئے برتن انہوں نے ہاتھوں میں سنبھال رکھے تھے۔ اچانک وہ لڑکھڑائیں اور سیڑھیوں سے نیچے گرتی چلی گئیں۔ انہیں فوراً ہسپتال پہنچایا گیا۔ پتہ چلا کہ اس حادثے میں بچہ دانی پھٹ گئی ہے۔ اس طرح وقت سے پہلے ساتویں مہینے میں ہی سمتا پیدا ہو گئی۔ اس کے ماں باپ کی پریشانی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ سمتا ایک تو پیدا ہی کم زور ہوئی تھی، پھر بیمار بھی رہتی تھی۔ ڈاکٹروں نے کہہ دیا تھا کہ اگر وہ پانچ سال جھیل گئی تو زندہ رہے گی، ورنہ اس کے بچنے کی اُمید کم ہی ہے۔ مگر سمتا کو زندہ رہنا تھا۔ اسے فلموں میں اپنے لئے نمایاں جگہ بنانا تھی، اپنی اداکاری کی دھوم مچانا تھی۔ کون جانتا تھا کہ تقدیر نے اس کی موت کو صرف کچھ عرصے کے لئے ملتوی کیا ہے۔ صرف اسے اتنی مہلت دی ہے کہ ایک روشن ستارے کی باکمال اداکاری فلموں میں محفوظ ہو جائے۔

بے بسی کے عالم میں ماضی کے جھروکوں میں جھانکتے ہوئے وِدیا وتی سسک کر جیسے اپنے آپ سے کہنے لگتی ہیں: "جب کبھی میں اپنی سمتا کو کسی بات پر ڈانٹتی پھٹکارتی تھی تو وہ مونہہ بنا کر یہی کہتی تھی: جو جی میں آئے کہہ لو ماں۔ میں تو شروع سے ہی اَن چاہی اولاد ہوں"۔

اس پیار بھری تکرار کے باوجود سمتا نے ایس ایم جوشی اور چند دوسرے سوشلسٹ لیڈروں کے علاوہ سب سے زیادہ اپنی ماں کا ہی اثر قبول کیا۔ وِدیا وتی کافی سخت گیر ماں تھیں۔ جفاکشی ان کی رگ رگ میں رچی ہوئی تھی۔ سوشلسٹ پارٹی کے 'راشٹریہ سیوا دل' کے جھنڈے تلے ایک نئے غیر طبقاتی سماج کے لئے عوامی شعور کو جگانے کی غرض سے وہ اپنی منڈلی کے ساتھ شہر شہر گاؤں گاؤں گیت گاتی پھرتی تھیں۔ اپنی سوکھی دُبلی بیٹی کو بھی انہوں نے ٹھونک پیٹ کر اپنے جیسا سخت کوش اور اصول پرست بنا دیا۔ سمتا اگر بعد میں اُصولوں کے معاملے میں کبھی نہ جھجکی تو یہ ان ہی کا فیض تھا۔ تاہم سمتا ایک منحنی سی لڑکی تھی، صحت مند لڑکی کبھی نہ بن سکی۔

سمتا کی بڑی بہن ڈاکٹر انیتا دیش مکھ امریکہ میں رہتی ہیں۔ وہاں انہوں نے وقت سے پہلے پیدا ہونے والے بچوں کی گہری دیکھ بھال کے لئے مرکز قائم کر رکھا ہے۔ سمتا کے بچپن کے دنوں کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہتی ہیں: "میں جس اسکول میں پڑھتی تھی، سمتا کو بھی اسی اسکول میں داخل کرایا گیا تھا۔ اس نے ہمارے اسکول کے لئے کبڈی کے مقابلوں میں بہت ٹرافیاں جیتیں۔ وہ جمناسٹکس ٹیم کی کیپٹن بھی بنی — میوزیکل بینڈ کی لیڈر بھی رہی۔ اسکول کی منڈلی میں بھی چنی گئی۔ سمتا کو لوگوں میں گھل مل کر رہنا اچھا لگتا تھا۔ اکیلے وہ کوئی کام نہیں کر سکتی تھی"۔

سمتا کے بچّے کی پہلی سال گرہ کے موقع پر انیتا ہندوستان آئی ہوئی تھیں۔ اس بچّے کی پیدائش کے وقت وہ مصروفیتوں کے باعث نہیں آ سکی تھیں۔ بچّے کی پیدائش سے پہلے وہ خطوں اور فون کے ذریعہ سمتا سے بہت اصرار کرتی رہی تھیں کہ کچھ عرصے کے لئے امریکہ آ جائے تاکہ ان کی نگرانی میں بہترین میڈیکل سہولتیں اُسے حاصل ہو سکیں۔ مگر سمتا نے کچھ اور ہی سپنے سجا رکھے تھے۔ وہ چاہتی تھی کہ اس کا بچّہ اپنے دیس میں ہی پہلی مرتبہ آنکھیں کھولے۔ اپنی سرزمین سے اسے واقعی بہت گہرا لگاؤ تھا۔ گھر میں ڈائننگ ٹیبل پر کھانا اسے پسند نہ تھا۔ نہایت بے تکلفی کے ساتھ وہ پلیٹ لے کر فرش پر بیٹھ جاتی' وہ پوری طرح اپنی دھرتی کی بیٹی تھی — یہ بتاتے ہوئے وِدیا وتی کی آنکھیں پھر چھلک اٹھتی ہیں۔

آٹھ سال پہلے بمبئی میں ایک چھوٹے سے آپریشن کے مرحلے سے گزرنے کے بعد سمتا امریکہ گئی تھی۔ انیتا کے بچّہ ہونے والا تھا اور سمتا اس موقع پر اپنی بہن کے پاس رہنا چاہتی تھی۔ جب انیتا اپنے پہلے بیٹے

www.taemeernews.com

سمتا اپنے والد کے ساتھ ایک پرانی تصویر

آدتیہ کی ماں بن گئی تو ایک مصروف ڈاکٹر ہونے کی وجہ سے اس نے بچّے کو پرورش کے لئے اس کی نانی کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا۔ سمتا یہ فیصلہ سنتے ہی بھڑک اٹھی۔ اس نے اپنی بڑی بہن کو خوب کھری کھری سنائیں۔ "تم ماں نہیں، شیطان ہو۔ بھلا یہ بھی کوئی تُک ہوئی کہ ماں امریکہ میں رہے اور بچّہ ہزاروں میل دُور ہندوستان میں پلے بڑھے؟ تم عورت کی زندگی کے سب سے حسین لمحوں کو کھو رہی ہو۔ بچّے کو پروان چڑھانا تو ماں کے لئے دھرتی پر جنّت کی طرح ہے۔"

آٹھ برس پہلے کی سمتا کی تیکھی تیکھی باتیں دُہراتے ہوئے انیتا کی آنکھیں بھر آتی ہیں اور وہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہتی ہے "سمتا تو ازلی ماں تھی۔"

فیصلے کے مطابق بچّہ ہندوستان آ گیا اور سمتا شوٹنگ کی بے پناہ مصروفیتوں کے باوجود اپنی بہن کے بچّے کی ماں بن گئی۔ آدتیہ کے لئے آج بھی سمتا ہی اس کی ماں ہے۔ آج بھی اسے اپنی 'ماں' کی کمی بڑی طرح محسوس ہوتی ہے۔ آج بھی وہ بھولپن سے اپنی ڈاکٹر ماں سے پوچھتا رہتا ہے کہ سمتا کو بچانے کے لئے اس کے دماغ کو بدلا کیوں نہیں گیا تھا۔

انیتا اور سمتا، دونوں بہنوں نے پونے کے بھاوے اسکول میں تعلیم حاصل کی تھی —— اداکارہ روہنی ہٹن گڑھی ان سے دو سال آگے تھی۔ سمتا کو اپنے اسکول پر بڑا ناز تھا۔ سمتا اور روہنی جب کبھی کوئی اچھا شاٹ دیتیں تو سمتا فخر سے کہتی کہ شاٹ تو اچھا ہونا ہی تھا۔ آخر وہ دونوں بھاوے اسکول کی پڑھی ہوئی ہیں۔

یہ بھی حالات کی ستم ظریفی ہی رہی کہ وہی سمتا جس کے اعزاز میں پیرس میں اس کی فلموں کا خصوصی فیسٹول ہوا، وہی سمتا بھاوے اسکول کے سالانہ جشن کے ڈراموں میں حصّہ لینے سے محروم رکھی جاتی تھی۔ یہ ایسی ہی گڑبڑ تھی جیسی امیتابھ کے ساتھ ہوتی رہی تھی۔ فلموں میں امیتابھ نے اپنی آواز کے جادو سے لاکھوں تماشائیوں کے دل جیتے، مگر اسے پہلے آل انڈیا ریڈیو کو اس کی آواز پسند ہی نہیں آئی تھی۔ لیکن ان باتوں کے ذکر سے کیا حاصل، اپنے پیارے وطن میں سب کچھ ممکن ہے۔

انیتا ان گھڑیوں کو یاد کر کے اُداسی کے ساتھ مسکرانے لگتی ہے جب سمتا بھاوے اسکول کی ڈراما انچارج مسز راج ہنس کے آگے پیچھے پھرتی رہتی تھی اور انہیں پریشان کر ڈالتی تھی۔ اس کا اصرار ہوتا تھا کہ مسز راج ہنس اسے کوئی نہ کوئی رول ضرور دیں، مگر رول اسے کسی طرح نہ ملتا تھا۔ تاہم اسکول کے ڈراموں میں موقع نہ ملنے کے باوجود یہ معمولی سی لڑکی فلموں کی شہزادی بن کر رہی۔ جلد ہی اس کی تقدیر نے ایسی کروٹ لی کہ وہ فلموں کی دنیا میں آ گئی۔

ہوا یہ کہ سمتا پونے کے فرگوسن کالج میں پڑھ رہی تھی۔ اس کی ایک سہیلی کا بوائے فرینڈ فلم انسٹی ٹیوٹ میں ٹریننگ حاصل کر رہا تھا۔ سمتا کبھی کبھی اپنی سہیلی کے ساتھ فلم انسٹی ٹیوٹ ہو آتی تھی۔ وہیں ارون کھوپکر، جو ڈائریکشن کا طالب علم تھا، پہلی ہی نظر میں سمتا کی صلاحیتوں کو بھانپ گیا اور اس نے سمتا کو اپنی ڈپلوما فلم "تیور بادھم" میں اداکاری کرنے کے لئے آمادہ کر لیا! اس پر انسٹی ٹیوٹ کے ایکٹنگ کورس کے طلبا نے ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ کیا وہ مر گئے ہیں جو ڈپلوما فلم میں ایک باہر کی لڑکی کو لیا جا رہا ہے!

سمتا اس فلم کے بارے میں سب کچھ بھول گئی۔ مواقع اور کامیابیاں کہیں اور اس کی راہ دیکھ رہی تھیں۔ مگر اسے ان دونوں کی فکر پالنے کا کوئی شوق نہ تھا۔ ایک دن قسمت اسے ٹیلی ویژن کے پردے پر لے آئی۔ بمبئی دُوردرشن اُن دنوں نیا نیا شروع ہوا تھا۔ وہاں ایک نیوز ریڈر جیوتسنا کرپیکر تھی۔ اس کے شوہر ڈاکٹر دیپک انیتا کے دوست تھے۔ کرپیکر گھرانے میں سمتا کی تصویریں پہلے سے موجود تھیں۔ ایک روز دیپک بہلا پھسلا کر سمتا کو بمبئی دُوردرشن میں لے گئے۔ سمتا ابھی بمبئی کے سینٹ زیویر کالج میں پڑھ ہی رہی تھی، اسی لئے دُوردرشن کے لئے کام کرنے سے ہچکچا رہی تھی۔ پھر گھر کے مالی حالات بھی بہتر ہو گئے تھے۔ سمتا کے باپ کو مہاراشٹر کی کابینہ میں وزیر کا عہدہ مل چکا تھا۔ مگر دیپک کی ضد کے آگے سمتا کو ہتھیار ڈالنے ہی پڑے اور وہ دُوردرشن کی نیوز ریڈر بن گئی۔

سمتا شروع سے ہی محنت کی عادی تھی اس نے دن رات محنت کر کے ہندی بولنے میں مہارت حاصل کی اور ہندی خبریں روانی سے پڑھنے لگی۔ لیکن زیویر کے طلبا کی نظر میں سمتا کی قدر نہ بڑھی! اس الٹرا ماڈرن کالج کے لڑکے لڑکیاں ہندی کو کہاں خاطر میں لاتے تھے۔ لگ بھگ سب کے سب سانولے صاحب اور میم صاحب بنے ہوئے تھے اور ان ہی کے درمیان یہ دُبلی پتلی سی لڑکی تھی جس کی نظر میں یہی دھرتی اپنا سب کچھ تھی۔ ساتھی طلبا کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر اسے اتنا غصّہ آتا تھا کہ اس کا بس چلتا تو ان سب کو یورپ جلا وطن کر دیتی! لیکن مقامی لوگوں کی بات الگ تھی۔ ٹی وی نے سمتا کا نام مہاراشٹر میں گھر گھر پہنچا دیا تھا۔

کچھ دن بعد تقدیر نے پھر سمتا کے در پر دستک دی۔ ایک سہ پہر کو دروازے کی گھنٹی بجی۔ سمتا کی ماں نے دروازہ کھولا۔ اُڑے ہوئے رنگ کی جینز اور ملگجا سا کھادی کا کُرتا پہنے ہوئے ایک نوجوان ان کے سامنے کھڑا تھا۔ ایک بڑا سا تھیلا اس کے کندھے سے لٹک رہا تھا۔ اس نے سمتا کے بارے میں پوچھا، مگر سمتا گھر میں نہیں تھی۔ نوجوان نے سمتا کی ماں سے کہا کہ سمتا کو بتا دیں۔ شیام بابو نے اُسے اپنے دفتر میں بلایا ہے۔

یہ نوجوان کوئی اور نہیں، شیام بنیگل کا ساؤنڈ انجینئر ہتیندر گھوش تھا۔ مگر سمتا کی ماں کڑے اخلاقی ضابطوں کی قائل تھیں۔ فلموں سے انہیں بیر تھا۔ انہوں نے ہر طرح نگرانی رکھی تھی کہ سمتا فلموں سے دُور ہی رہے۔ وہ تو اسے سینما ہال بھی کم ہی جانے دیتی تھیں۔ کالج کے دنوں تک سمتا کو سنت گیانیشور جیسی دیومالائی فلموں کے سوا کوئی اور فلم دیکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ عام حالات میں ودیا وتی شاید اس فلمی قاصد کو دیکھتے ہی دروازہ بند کر دیتیں، مگر اس روز یہ نہیں ہوا۔ ودیا وتی اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتی ہیں: "پتہ نہیں کیوں، وہ لڑکا مجھے بہت بھلا، بہت شریف لگا۔ شاید اس کی وجہ کھادی کا کُرتا ہو، یا پھر اس کا تھیلا۔ وہ بالکل ایسا لگ رہا تھا جیسے راشٹریہ سیوا دل کا کارکن ہو۔ اسی لئے میں نے اس کی بات بھی سن لی اور سمتا کے بینیگل کے آفس میں جانے پر اعتراض بھی نہیں کیا۔"

اس طرح ایک ایسا فلمی ستارہ فلمی اُفق پر اُبھرا جسے اداکاری کی انتہائی بلندیوں کو چھونا تھا۔ اور اب اس کی ماں کو بھی اس کے اداکارہ بننے پر اعتراض نہ تھا۔ ودیا وتی کہتی ہیں: "شیام کے

www.taemeernews.com

پرتیک۔ نانی کا دُلارا

• نانا پرتیک کا دِل بہلا رہے ہیں

ساتھ سمتا نے ایک چھوٹی سی، بچّوں کی فلم مکمل کی اور اس فلم میں پہلی بار میں نے اپنی بیٹی کو بہت خوب صورت پایا۔ سمتا کو اس فلم میں رانی بنایا گیا تھا۔"

پھر ۱۹۷۶ میں سمتا نے شیام بینیگل کی ہدایت میں "نشانت" میں کام کیا۔ اس کے بعد "بھومیکا" "منتھن" "گمن" "آکروش" ـــــ ایک کے بعد ایک فلمیں آتی ہی گئیں۔ ایک دہائی کے مختصر سے عرصے میں سمتا کی زندگی میں اس کی ۵۲ فلمیں ریلیز ہو گئیں ان کے علاوہ اس نے ۱۶ دوسری فلموں میں بھی کام کیا، جو اس کے جیتے جی ریلیز ہونے کے انتظار میں تھیں۔

سمتا نے طرح طرح کے رول کئے ـــــ ایک سے ایک پیچیدہ، تہہ در تہہ اور اُلجھے ہوئے۔ "نشانت" میں زمین دار کی بہو کے رُوپ میں وہ ایک ستم رسیدہ عورت پر اپنے جیٹھ، دیور کو ظلم ڈھاتے دیکھتی ہے، مگر چپ رہتی ہے۔ احتجاج اور غصّے کی آگ اندر ہی اندر اس کے وجود میں بھڑکتی رہتی ہے۔ "بھومیکا" میں ہیروئن اپنی زندگی میں آنے والے کئی مردوں کو خود کو سونپتی ہے، مگر کوئی بھی مرد اس کے نازک احساسات کو نہیں سمجھتا۔ نتیجے میں اس کے حصّے میں جان لیوا تنہائی اور شکست کا احساس آتا ہے اور وہ اس سماج کے آگے جھکنے پر مجبور ہو جاتی ہے جس پر مرد چھائے ہوئے ہیں۔ "منتھن" میں غریبی کی ماری گوالن اپنے شرابی، بے پروا شوہر کے رحم و کرم پر جیتی ہے۔ "بازار" میں سمتا اپنے بالس کے لئے رشتے کی تلاش میں نکلتی ہے اور یہ دیکھ کر دُکھ سے بے حال ہو جاتی ہے کہ بیسیوں مائیں اس سے اپنی بیٹیوں کو خریدنے کی التجا کر رہی ہیں۔

سمتا اداکاری نہیں کرتی تھی، اپنے رولز میں جیتی تھی۔ کردار میں وہ اس طرح گم ہو جاتی تھی جیسے اس کی اپنی الگ ہستی ہی نہ ہو۔ نتیجے میں یہ شبنمی آنکھوں والی لڑکی شوٹنگ سے گھر آتی تھی تو اُداسی کے غلاف میں لپٹی ہوتی تھی اور اپنی ماں کے بازوؤں میں سمٹ کر سسک اٹھتی تھی۔ لیکن اسے اس اعصابی دباؤ میں بھی لطف آتا تھا، کیوں کہ اس نے خود کو ہندوستانی عورت کے دُکھ درد کی عکاسی کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ یہ اس کے لئے پوری زندگی کا مشن تھا۔

بے پناہ اداکاری کے علاوہ سمتا کی کامیابی کا ایک راز یہ بھی تھا کہ اپنے رولز وہ بہت چھان پھٹک کر لیتی تھی۔ اس سلسلے میں اس کے ذوق کی پرورش اس کے خاندان کی فضا میں ہوئی تھی۔ سوشلزم کے لئے جوش و خروش، عورت کے لئے برابری کا رتبہ اور عزّت، محنت کا احترام، دیہات کی ترقی، دبے پسے عوام کی خدمت ـــــ یہ ساری قدریں سمتا کے خاندان کو عزیز تھیں۔ پھر وہ صرف زبانی اعلان اور دعوے کرنے کے بھی قائل نہ تھے، بلکہ جو مانتے اور کہتے تھے اس پر عمل بھی کرتے تھے۔ ان تمام باتوں نے سمتا کو سماجی شعور کا پیکر بنا دیا تھا۔

"بھومیکا" کی شوٹنگ کرتے وقت ناچ کے ایک سین میں سمتا کو اپنی حرکتوں اور اشاروں سے جذبات انگیز نظر آنا تھا۔ مگر بہت کوشش کرنے پر بھی سمتا ایسی نہ بن سکی کہ اسے دیکھ کر لوگوں کے جذبات بھڑک اٹھیں۔ وہ ایسے کسی منظر کے لئے بنی ہی نہیں تھی۔ تنگ آ کر شیام بینیگل نے سمتا کی ماں کو فون کیا اور اپنی پریشانی کی تفصیل بتا کر یہ بھی کہہ دیا کہ سمتا کی وجہ سے کتنا وقت اور پیسہ برباد ہوا ہے۔ ودّیا وتی فوراً ٹیکسی لے کر سیٹ پر پہنچ گئیں۔ سمتا ورامیک اپ کئے، بھڑکیلے کپڑے پہنے ہوئے گھبرائی ہوئی شیام بینیگل کے پاس کھڑی تھی۔

ودّیا وتی نے جاتے ہی بینیگل سے کہا "دیکھئے آپ سمتا سے کہیں کہ نار دیو سے دادر تک ساری سڑکوں پر جھاڑو لگاتی پھرے تو بھی مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا اور نہ میرے شوہر کو۔ ہمارے لئے زیادہ اہمیت اس بات کی ہے کہ کام کے لئے پوری لگن ہو۔ میری بیٹی نے یہ کام اپنے لئے خود چُنا ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ وہ اس کے ساتھ ناانصافی نہیں کرے گی۔ آخر اس رول کو ادا کرنے کا فیصلہ اسی نے تو کیا تھا۔" یہ کہہ کر ودّیا وتی گھر واپس چلی گئیں۔

کچھ دیر بعد شیام بینیگل ودّیا وتی کو فون پر بتا رہے تھے کہ سمتا نے غضب کے شاٹس دئے ہیں۔

یہ واقعہ سنانے کے بعد ودّیا وتی وضاحت کرتی ہیں کہ صرف باکس آفس پر فلم کو ہٹ بنانے کے لئے پردے پر عورت کے جسم کی نمائش کا جو عام چلن ہے وہ اس کے سخت خلاف ہیں۔ لیکن اگر کہانی اور رول کا تقاضا ہو تو جسم کی جھلک دکھانے میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ سمتا نے ایک فلم "چکر" میں جھگی میں رہنے والی لڑکی کے رول میں کیا تھا، جسے باتھ روم کی سہولت حاصل نہ تھی۔

سمتا کو بھی اس وقت بہت بُرا لگا تھا جب چھ لڑکیوں نے اسے سوئمنگ پول سے کھینچ کر اوپر اٹھا لیا تھا اور کیمرہ اس کی چھاتی پر مرکوز ہو کر رہ گیا تھا۔ اس روز وہ گھر پہنچی تو بے عزّتی کے احساس سے اس کا دل بوجھل تھا اور وہ اپنی ماں سے لپٹ کر دیر تک روتی رہی تھی۔ لیکن اسے بہرحال کمرشل سنیما کا چیلنج قبول کرنا تھا اور ایک زخمی شیرنی کی طرح ان نکتہ چینوں پر وار کرنا تھا جن کی رائے میں سمتا صرف آرٹ فلموں کے لئے موزوں تھی۔

اس سانولی سلونی لڑکی کی طاقت اور کشش

www.taemeernews.com

● پرتنیک، سب کچھ ہے مگر ماں نہیں

اس کے جسم سے زیادہ اس کے دماغ میں تھی، اس کی ستاروں کی طرح روشن، بولتی ہوئی آنکھوں میں تھی، اس کے نور بکھیرتے ہوئے، کچھ نہ بولنے پر بھی سب کچھ کہہ جانے والے چہرے میں تھی، اس کی کردار میں خود کو سمو دینے کی صلاحیت میں تھی۔ اس ہندوستانی عورت کا دکھ درد جسے سماج نے صرف گھر کی نوکرانی اور بستر کی زینت بنا رکھا تھا، سمتا بڑی آسانی سے پردے پر اجاگر کر سکتی تھی۔ وہ باکمال تھی جینیئس تھی۔ اسی لئے اس کا دُبلا پتلا سراپا پردے پر، جہاں عموماً بھی سجائی سیکسی گڑیوں کی بھرمار رہتی ہے، کوئی خامی ثابت نہیں ہوا۔

سمتا کی اداکاری میں ضبط کا رنگ نمایاں رہتا تھا۔ جذبات کو بھڑکیلا آہنگ دینے کے لئے اس نے ڈرامائی انداز کبھی اختیار نہیں کیا جب مکالمے نہیں ہوتے تو اداکار اپنے سراپا کو زبان بنا لیتا ہے۔ اور سمتا اپنی حرکتوں سے سب کچھ بیان کر جانے میں زبردست مہارت حاصل تھی۔ وہ چپ رہ کر بھی پوری کہانی سنا سکتی تھی۔

نئے دور کی فلموں میں اگر امیتابھ برہم نوجوان کی علامت تھا تو سمتا اس نوجوان ہندوستانی لڑکی کی اذیت کی علامت تھی جس نے نئے زمانے کی نئی ہوا سے کسی قدر باغی ہو جانا تو سیکھ لیا ہے، لیکن جسے تبدیلیوں کو قبول نہ کرنے والا روایت پرست سماج ان زنجیروں کی طرف دوبارہ دھکیل دیتا ہے جن میں وہ پہلے جکڑی ہوئی تھی۔

ملک آزاد ہوا تو تبدیلیوں کی لہر تیزی سے آئی۔ زمیں داری نظام پوری طرح مٹا تو نہیں کمزور ضرور پڑ گیا۔ نئے صنعتی آقا پیدا ہونے لگے۔ ان کا مقابلہ کرنے کے لئے ٹریڈ یونین لیڈر میدان میں آگئے۔ اور یہ سارے طبقے جونک کی طرح پھر دبے پسے عوام کا خون چوسنے لگے۔ آزادی سے پہلے کی بے غرض اور بے لوث لیڈرشپ رخصت ہو گئی اور نئی نسل کے لئے کوئی آدرشش نہ رہا۔ آبادی بے تحاشا بڑھتی گئی اور خود کار مشینیں صنعتوں میں آدمیوں کا بدل بنتی رہیں۔ اس کے نتیجے میں برہم نوجوان کا ابھرنا ضروری تھا اور فلم بینوں نے امیتابھ کے رُوپ میں اسے قبول بھی کر لیا۔

لگ بھگ اُسی زمانے میں ایک للکارتی ہوئی نوجوان عورت کا جنم ہوا۔ اگلے وقتوں میں پردے پر مینا کماریاں اپنی ہستی، اپنی خودی کو بیچ کر چپ چاپ آنسو بہا کر سب کچھ سہہ لیا کرتی تھیں۔ روایت سے بغاوت کرنے اور مرد کی بالادستی کے خلاف لڑنے کا سوال ہی نہ تھا۔ پھر دھیرے دھیرے عورتوں میں تعلیم بڑھتی گئی اور ان کے لئے روزگار کے مواقع بھی پیدا ہوتے گئے۔ اس سے عورتوں کو کسی حد تک معاشی خود مختاری ملی۔ اب وہ صرف گھر کی نوکرانی یا بستر کی زینت بنے رہنے کو آمادہ نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے جتنا زیادہ احتجاج کیا، اس کے سر پر سوار مرد نے اتنا ہی زیادہ اسے کچلنے کی کوشش کی۔ اس کا دم گھٹنے لگا تو عاجز ہو کر کبھی کبھی وہ بھٹک بھی گئی۔ مگر اس طرح اس کی مصیبتیں اور پریشانیاں اور بھی بڑھ گئیں۔ کبھی طیش میں آکر وہ کھلی بغاوت پر بھی اُتر آئی، مرد کی ذات سے بیزار بھی ہو گئی، لیکن اکثر صورتوں میں وہ دوبارہ اپنے ہی خول میں سمٹ گئی اور اس طرح مرد کے سماج سے گویا ہار ماننے پر مجبور ہو گئی۔

آج کی عورت کی زندگی کے یہ سارے اُتار چڑھاؤ سمتا فن کارانہ کمال کے ساتھ سیلولائیڈ پر محفوظ کر گئی ہے۔ وہ ایک ایسی سیر بین تھی جس کے ذریعہ ذہین ہدایت کار آج کی عورت سے متعلق مختلف موضوعات کو حسن و خوبی کے ساتھ پیش کر سکتے تھے۔ مشہور فرانسیسی ڈائریکٹر کوشا گاوراس تو اس ہندوستانی آرٹسٹ کے تخلیق کئے ہوئے رنگا رنگ فن پاروں سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے پیرس میں صرف سمتا کی فلموں کی نمائش کے لئے ایک پورے فیسٹول کا اہتمام کر ڈالا۔

سمتا کی ماں دُکھ اور غصّے سے لرز کر، مگر بے بسی کے ساتھ شکایت کرتی ہیں کہ چٹ پٹے فلمی رسالے سمتا کے فن کو آنکنے کی جگہ صرف اس کے بیڈ روم میں تاک جھانک کرنے کی ہی دُھن میں رہے۔ انہوں نے اپنی سستی افواہ طرازی کی گرد اُڑا اُڑا کر سمتا کو چتا کی طرف دھکیل دیا اور زبردستی اُسے ستی بنا ڈالا۔

سمتا اس دنیا سے رخصت ہو چکی ہے، لیکن اُسے بھلایا نہیں جا سکتا۔ وہ فلموں میں آندھی طوفان کی طرح آئی اور آندھی طوفان ہی کی طرح چلی بھی گئی۔ فلم بین ہمیشہ اُسے اپنے قریب پائیں گے کیوں کہ کیمرہ اُسے فلموں میں محفوظ کر چکا ہے۔ لیکن ان لوگوں کی آنکھیں اُسے دیکھنے کو ترسیں گی جو اُسے ذاتی طور پر جانتے تھے۔ اس کے گھر کے لوگ، دوست، فلم انڈسٹری، سب کے سب اس کی کمی کو محسوس کرتے رہیں گے۔

سمتا بہت جذباتی لڑکی تھی۔ اسے سب سے پیار تھا۔ ننھے منے بچے اور جانور اسے جی جان سے عزیز تھے۔ کتے، بلیوں کا وہ گھنٹوں دُلار کرتی رہتی تھی۔ بیمار جانوروں کی تیمارداری کرنے میں اسے بہت تسکین ملتی تھی۔ جب وہ دُور درشن میں کام کر رہی تھی تو ٹی وی ٹاور کے نیچے ایک سڑک پر پھرنے والی کتیا نے بچے دے رکھے تھے۔ وہ اُن پلوں کے لئے روزانہ گلوکوز بسکٹ اور مینگو لا لے جاتی تھی۔ اکثر وہ کسی بیمار یا ایا ہج آوارہ کتے کو اپنے گھر لے آتی اور ہنس ہنس کر ماں کا غصہ سہتی۔

جو ترکاری بیچنے والی سمتا کے گھر روزانہ آیا کرتی تھی، اس کی ننھی سی بچی کے ساتھ سمتا دیر تک کھیلتی رہتی۔ آؤٹ ڈور شوٹنگ پر ہوتی تو یہ مشہور اسٹار گندے بچوں کو بے جھجک گود میں اٹھا لیتی۔ کسی بچے کی ناک بہتی ہوتی تو دیکھنے والوں کی پروا کئے بغیر اسے صاف کر دیتی۔ بچوں میں وہ بچوں ہی کی طرح کھلنڈری بن جاتی۔ اس نے بہت بے بناوٹ سادہ مزاج پایا تھا۔

وہ کھلے دل کی لڑکی تھی۔ باتونی بھی کافی تھی۔ بے باکی، صاف گوئی اس کی عادت میں شامل تھی۔ لاگ لپٹ کا ہنر اسے آتا ہی نہیں تھا۔ اگر ان 'خامیوں' پر کوئی اسے ٹوکتا تو اس کا ایک ہی جواب ہوتا: "میں کیا کروں؟ اسٹار کی طرح برتاؤ کرنا میرے بس میں ہے ہی نہیں۔ میں غیر انسان نہیں بننا چاہتی۔"

سمتا کی بہن اور ماں دونوں یہی کہتی ہیں کہ سمتا فلم انڈسٹری کے رائج سانچے میں کسی طور فٹ نہیں بیٹھتی تھی۔ جوڑ توڑ کا فن اسے آتا ہی نہیں تھا، جب کہ فلم انڈسٹری میں اس فن کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔

سمتا نے اپنے کیریر کا منصوبہ کبھی نہیں بنایا۔ اس کا وطیرہ یہی رہا کہ جو ہوتا ہے، ہونے دو۔ اسٹار کا رتبہ اسے از خود ملا۔ فلمی دنیا کے مرکزی دھارے میں اسے گھسیٹ کر شامل کیا گیا۔ وہ رولز کی تلاش میں کبھی نہیں پھری، خود رولز نے اسے تلاش کیا۔ انیتا کہتی ہیں "فلم 'نشانت' سے پہلے منوج کمار اور دیو آنند سمتا کو اپنی فلموں میں لینا چاہتے تھے، مگر سمتا نے یہ آفر قبول نہیں کیں، کیوں کہ اسے نہ دولت میں دلچسپی تھی، نہ فلم کیریر میں۔ کتنی عجیب بات ہے کہ خاندانی پس منظر پر غریبی کے سائے کے باوجود

www.taemeernews.com

● نانی ابھاجے پرتیک کو کھانا کھلاتے ہوئے

اُسے دولت میں کشش محسوس نہیں ہوئی۔ بھومیکاؔ میں اداکاری کے لئے اسے نیشنل ایوارڈ ملا جس میں دس ہزار روپے نقد بھی شامل تھے۔ ان دنوں مالی اعتبار سے وہ کامیاب نہ تھی۔ پھر بھی یہ ساری رقم اس نے اپنے پُرانے اسکول، سیوادل اور باباآمٹے (جو کوڑھیوں کی خدمت کرتے ہیں) کو دے دی۔ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ اس کے اپنے مالی حالات زیادہ اچھے نہیں ہیں۔ انسان دوستی اس کی رگ رگ میں رچی ہوئی تھی۔"

کچھ رُک کر انیتا کہتی ہیں "سمتا دوسروں کی نقلیں خوب بناتی گھر پر وہ اپنے مسخرے پن سے سب کو ہنساتی رہتی تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ غضب کی مزاحیہ اداکارہ ثابت ہوسکتی تھی۔ لیکن اس کی صلاحیت کے اس رُخ پر کسی فلم میکر نے دھیان ہی نہیں دیا۔

اپنے سپنوں کے گھر کو سجانے کے لئے سمتا نے دنیا کے بہت سے حصّوں سے کٹھ پتلیاں لالاکر جمع کر رکھی تھیں۔ لیکن باندرہ کی 'راک کلف' بلڈنگ میں اپنے فلیٹ میں رہنا اس کی تقدیر میں نہ تھا۔ سمتا کی ماں رُندھے ہوئے گلے سے کہتی ہیں "سمتا کہتی تھی کہ اپنے گھر میں جانے کے موقع پر وہ ایک شاندار پارٹی دے گی۔ اور اس پارٹی کے مہمان ہوں گے وہ بڑھئی اور دوسرے کاریگر جنہوں نے اس کے فلیٹ کو سجایا تھا۔ اب اس کی یہ خواہش میں پوری کروں گی ـــــ بے چاری نے کسی پرندے کی طرح تنکا تنکا کر کے گھونسلا بنایا تھا، مگر وہ وہاں رہ نہ سکی۔"

انیتا کا کہنا ہے: "گھر کی کا میڈین سمتا کی ٹریجیڈی یہ رہی کہ وہ سوفی صد ڈاکٹروں کی غفلت کے باعث موت کے مونہہ میں چلی گئی۔ ہمارے ماں باپ غم سے اتنے نڈھال ہیں کہ ان میں ڈاکٹروں پر مقدمہ چلانے کی سکت بھی نہیں رہی ہے۔ اور پھر اگر مقدمہ جیت کر ہم ان ڈاکٹروں کو سبق سکھانے میں کامیاب بھی ہوگئے، تو سمتا ہمیں واپس تو ملنے سے رہی۔ یہ تو ہمیشہ کا نقصان ہے۔ اگر سمتا کا بچّہ نہ ہوتا میری ماں بھی شاید موت کی وادی میں پناہ لے لیتیں۔

سمتا کے بیٹے نے ۲۸۔ نومبر کو اپنی پہلی سال گرہ منائی ہے۔ اس وقت وہ اپنی نانی کے گرد منڈلا رہا ہے۔ ابھی وہ لڑکھڑاتے قدموں سے چلتا ہے اس لئے بار بار گرتا اور اٹھتا ہے۔ کبھی مونہہ بسورتا ہے، کبھی خوشی سے کلکاریاں مارتا ہے۔ اسے گھر میں ہونے والے سانحہ کا ابھی کوئی احساس نہیں۔ کل کو وہ جب بڑا ہوگا اور اسے پردے پر اپنی نام دُ

ماں دیکھنے کو ملے گی تو اس کے جذبات میں طوفان بپا ہو جائے گا۔ پردے پر اس کی ماں اسے اپنے سے بہت قریب نظر آئے گی، مگر پھر بھی اس سے بہت دُور ہوگی۔

بوڑھی، کم زور ودیاوتی کے لئے یہ ماں کا رول ادا کرنے کا یہ دوسرا مرحلہ ہے۔ وہ اپنے ننھے نواسے کی پرورش اور تربیت اسی لگن، تمنا اور احتیاط کے ساتھ کر رہی ہیں جس طرح تین دہائی پہلے انہوں نے سمتا کو نیکی، سچائی اور جفاکشی کے سانچے میں ڈھالا تھا۔ بچّے کو ابھی سے قدرتی مناظر سے پیار کرنا سکھایا جا رہا ہے۔ ودّیاوتی اُسے تاکید کرتی رہتی ہیں کہ بالکنی اور ڈرائنگ میں لگے ہوئے خوب صورت، آرائشی پودوں کے پتّوں کو کبھی نہ توڑے، کبھی نہ مسلے۔ اور بچّہ اب دوسروں کو بھی ان پودوں کو چھُونے تک نہیں دیتا۔

سمتا نے اپنے بچّے کا نام پرتیک رکھا تھا، جس کے معنی علامت یا نشانی ہیں۔ وہ دل سے سوشلسٹ تھی۔ دبے پسے لوگوں کے لئے لڑنے سے اس نے کبھی جی نہیں چُرایا۔ ماں بننے سے کچھ روز پہلے بھی وہ فلم انڈسٹری کے مطالبوں کے لئے ہونے والی ہڑتال میں پوری تن دہی کے ساتھ بھاگ دوڑ میں لگی رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ اپنے بچّے کو اسی ہڑتال کی علامت کا نام دے۔ لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ 'ہڑتال کی یہ ننھی سی نشانی' اس کی ماں کے پاس باقی زندگی کے لئے صرف 'سمتا کی نشانی' بن کر رہ جائے گی۔

بچّے کے پالنے کو سجانے کے لئے سمتا نے قبائلی لوک کلا کی بہت سی خوب صورت چیزیں اکٹھی کر رکھی تھیں۔ لیکن سمتا جو اپنی فطرت سے ازلی ماں تھی، اپنے بچّے کی زندگی کو سجانے کے لئے خود موجود نہ رہی

بہت سے فلم بینوں کا خیال ہے کہ سمتا اُن عظیم ترین اداکاراؤں میں سے ایک تھی جنہوں نے ہندوستانی فلموں کو وقار اور معیار بخشا، کیوں کہ وہ جو بھی رول ادا کرتی تھی، بالکل وہی ہو کر رہ جاتی تھی۔ مگر میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ یہ خیال شاید دُرست نہیں۔

اپنی حقیقی زندگی میں تو سمتا ایک ماں کا معمولی سا رول بھی ادا نہ کر سکی۔ ●●

(پرتاپ)

● پرتیک نانا کے ہاتھ سے کھانا کھاتے ہوئے

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

● تامل ناڈو کے سورگیہ وزیر اعلیٰ ایم۔ جی۔ رام چندرن اور زینت امان کی یہ تصویر اُس زمانے میں لی گئی تھی جب ایم۔ جی۔ رام چندرن اپنی پہلی ہندی فلم ابنا جھگڑن زینت امان کے ساتھ بنانے والے تھے، لیکن کسی وجہ سے یہ فلم نہیں بن سکی

● تمل ناڈو کے وزیر اعلیٰ ایم۔ جی۔ رام چندرن کی وفات پر سوگ کی وجہ سے ۲۴۔ دسمبر ۱۹۸۷ کو "منورنجن" نہیں دکھایا جاسکا تھا، اس لئے اب یہ ۲۲۔ جنوری ۱۹۸۸ کو ختم ہوگا۔ (پہلے اسے ۱۵۔ جنوری ۱۹۸۸ کو مکمل ہوجانا تھا) اس کی جگہ ۲۹۔ جنوری سے ایک نئے سیریل "ہونی انہونی" کو ملے گی۔

"ہونی انہونی" کے پروڈیوسر اٹیلیسی ہیں، جو اس سے پہلے یتیم بچوں کے سکولوں پر ایک سیریل "سارا جہاں ہمارا" بنا چکے ہیں۔ "ہونی انہونی" میں انوکھے، بظاہر عقل میں نہ آنے والے واقعات پیش کئے جائیں گے۔ لیکن ان واقعات کی بنیاد سائنٹفک ہوگی، مثلاً ٹیلی پیتھی (دُور بیٹھے بیٹھے کسی جگہ یا شخص کا حال، اندرونی طاقت کے بوتے پر جان لینا) وغیرہ۔

● جنوری میں کئی سیریلز ختم ہونے والے تھے، مگر اب یہ فروری میں رخصت ہوں گے۔ کرکٹ میچوں نے سارے شیڈول میں گڑبڑ پیدا کردی ہے۔ جن سیریلز کو جنوری میں ختم ہونا تھا، لیکن اب فروری میں مکمل ہوں گے، یہ ہیں: "اور بھی راہیں" "اپنے پرائے" "میتھمیجک شو" "لیس پرائم منسٹر"۔

● فروری میں شروع ہونے والے اگلے شیڈول میں کئی اہم تبدیلیاں نظر آئیں گی۔ اس مہینے میں "پروجیکٹ ٹائیگر" "کوئز ٹائم — ۳" "الفاپلس" "آکاش گنگا" "ادھیکار" "نرملا" "انتظار" "بوند بوند" "چاند ستارے" اور "لہر لہر سنگیت" کی نمائش شروع ہوگی۔

● "پروجیکٹ ٹائیگر" ۱۶ فلموں کا سلسلہ ہے۔ ان میں سے ہر فلم ۲۳ منٹ کی ہے۔ ان فلموں میں "پروجیکٹ ٹائیگر" کی کامیابی کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ ٹائیگر کو نیست و نابود ہونے سے بچانے کی یہ مہم دس برس پہلے شروع کی گئی ہے اور اس کے لئے پندرہ پناہ گاہیں قائم کی گئی تھیں، جہاں ٹائیگر آزادی سے شکاریوں کے ڈر کے بغیر رہتے تھے۔ ان فلموں میں ماحولی توازن کو قائم رکھنے کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کس طرح اس پروجیکٹ کی بدولت پیڑوں پودوں کی تعداد میں کمی نہیں آنے دی گئی ہے، کیسے جنگل محفوظ کئے گئے ہیں، کس انداز سے جنگل کے جانوروں کی آبادی کو گھٹتے گھٹتے ختم ہونے سے روکا گیا ہے۔ ٹائیگر کے لئے جو علاقے مخصوص کئے گئے تھے، وہاں اب ہرن، بندر، بھیڑیے، شہد کی مکھیاں وغیرہ بھی اپنی خوراک آسانی سے حاصل کر رہے ہیں اور پھل پھول رہے ہیں۔ ان اعتبار سے ان فلموں کا موضوع صرف ٹائیگر نہیں، جنگل کی ہر طرح کی زندگی ہے، جسے فنا ہونے سے بچانا آدمی کے اپنے ہی مفاد میں ہے۔ یہ سیریل اس اعتراض کا جواب بھی پیش کرے گا کہ جس ملک میں انسان بھوکوں مر رہے ہیں، وہاں جنگل کی زندگی کو بچانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس سیریل کو جو سیکھانے پروڈیوس کیا ہے۔

"کوئز ٹائم — ۳" کے پروڈیوسر آئی ٹی وی ہیں "کوئز ٹائم — ۱" اور "کوئز ٹائم — ۲" کی طرح "کوئز ٹائم — ۳" کی کمپیرنگ بھی سدھارتھ باسو نے سنبھالی ہے۔

● "الفاپلس" بھی کوئز پروگرام ہے۔ نام سے یہ کوئی حسابی کوئز معلوم ہوتا ہے، مگر ایسا نہیں، بلکہ یہ عام معلومات پر ہی مبنی ہے۔

● کملیشور کا سیریل "آکاش گنگا" کافی مدت سے رُکا پڑا تھا، اب فروری میں اس کی نمائش کی باری آہی گئی ہے۔ اس پروگرام کی صرف چار کڑیاں تیار ہوئی ہیں۔ اور اسے سال بھر پہلے ٹیلی کاسٹ کیا جانا تھا۔ مگر اب آکر اس کے نصیب کھلے ہیں۔

● "نرملا" پریم چند کے مشہور ناول "نرملا" پر مبنی ہے۔ موضوع ایسا ہے جو آج بھی ایک سلگتا ہوا موضوع ہے، یعنی جہیز کی لعنت۔

"ادھیکار" میں عورتوں کے حقوق کی بحث چھیڑی گئی ہے، اسے منجو سنگھ نے پروڈیوس کیا ہے، جس نے اپنا ٹی وی کیریئر "ایک کہانی" سے شروع کیا تھا۔

● "بوند بوند" کا پس منظر آدی واسیوں کا ایک گاؤں ہے اور اس میں قبائلیوں کی زندگی، ان کی مالی اور سماجی حالت اور ان کی ترقی کے لئے کئے جانے والی کارروائیوں کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

● "چاند ستارے" مشہور فلم اداکارہ کامنی کوشل نے پروڈیوس کیا ہے۔ جس نے کافی عرصے سے خود کو بچوں کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ "چاند ستارے" بھی بچوں کے لئے ہے۔ اس سیریل میں بچوں کی کہانیاں پیش کی جائیں گی۔

● "لہر لہر سنگیت" جیسا کہ نام سے جھلکتا ہے — سنگیت کا پروگرام ہے۔ اس کا بنیادی شرقومی یکجہتی ہے۔ اس میں جو سنگیت کے پروگرام دکھائے جائیں گے ان میں مختلف علاقوں کے لوگ ایسے گیت سیکھتے اور گاتے ہیں، جو اُن کی اپنی زبان کے گیت نہیں ہیں۔

● دوردرشن نے بڑے پیمانے پر اشتہار بازی کر کے ڈائریکٹروں اور پروڈیوسروں سے کہا تھا کہ اپنے نام سیریلز کے ڈائریکٹر اور پروڈیوسر کے طور پر رجسٹر کرائیں، لیکن یار لوگوں نے کان نہ دھرے اور نام رجسٹر کرانے کی آخری تاریخ نکل گئی۔ اب بہت سے ڈائریکٹر اور پروڈیوسر جھلائے ہوئے دوردرشن کے دفاتر کے پھیرے لگا رہے ہیں۔ مگر دُوردرشن کی طرف سے اُنہیں ٹکا سا جواب مل رہا ہے کہ اب نام درج کرانے کی میعاد ختم ہوچکی ہے۔ ان میں سے کچھ تو اپنے سیریلز کے موضوع کو منظور بھی کرا چکے تھے۔ لیکن دوردرشن کے کرتا دھرتا ان کو بھی یہی جواب دے رہے ہیں کہ اب اُنہیں انتظار کرنا ہوگا۔ دُوردرشن کی طرف سے جب دوبارہ رجسٹریشن کا باب کھلے گا تو وہ شوق سے اپنے نام رجسٹر کروالیں۔

● صبح کے ٹیلی کاسٹ میں بھی دو نئے سیریلز آنے والے ہیں۔ ایک سیریل یوگا سے متعلق ہے۔ اسے یوگا انسٹی ٹیوٹ (سانتا کروز) کی مدد سے بنایا گیا ہے۔ دوسرا سیریل "جگ ہنسے خود روئے" ہے، جس میں عام آدمی کا المیہ بیان کیا گیا ہے۔ یکنج کپور اس سیریل کا ہیرو ہے۔

● راماین سے ارون گوول (جو رام کا پارٹ ادا کر رہا ہے) کو سچ مچ ایک نئی زندگی ملی ہے۔ کئی برس سے وہ پیچھے کی صفوں میں جا پڑا تھا۔ معمولی بینرز اور غیر اہم فلمیں ہی اس کے حصے میں آ رہی تھیں۔ مگر اب اسے اور اس کی صلاحیتوں کو پہچانا اور سراہا جانے لگا ہے۔ پھر دوردرشن میں بھی غالباً اس نے اچھا رسوخ پیدا کر رکھا ہے۔ اسی لئے وہ آج کل خود ایک مراٹھی سیریل "آدھار سا ولیچا" ڈائریکٹ کرنے میں مصروف ہے۔ جس کی ہیروئن کوئی اور نہیں، اس کی اپنی بیوی لیکھا گوول ہے۔ پروڈیوسر بھی لیکھا گوول ہی ہے۔ لیکھا پہلے فلموں میں کام کرتی تھی۔ مگر سات برس پہلے ارون گوول سے شادی ہوجانے پر

www.taemeernews.com

▲ "رامائن" کی سیتا دیپکا فلم "صنم آپ کی خاطر" کی ہیروئن

وہ فلموں سے الگ ہو گئی تھی۔ اب وہ ایک پانچ سالہ بیٹے کی ماں ہے اور اداکاری کے میدان میں پھر دھوم مچانے کے ارادے باندھے ہوئے ہے۔

"رامائن" کو ۲۶ کڑیوں کی مزید توسیع مل گئی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ ارون گوول دو کشتیوں ("رامائن" اور اپنے مراٹھی سیریل) کی سواری میں کامیاب رہتا ہے یا نہیں، کیوں کہ مہینے میں پندرہ دن تو اسے پروڈیوسر ڈائریکٹر راماند ساگر اور ان کے یونٹ کے ساتھ امبر گاؤں (گجرات) میں ہی رہنا ہوتا ہے۔

"کرم چند" کی خوب صورت مگر احمق پرائیویٹ سکریٹری (یہ رول سشمیتا مکرجی نے کیا تھا) اب کئی سیریلز میں اسی طرح کی سکریٹری کو جنم دے رہی ہے، تاکہ تماشائی اس کی حماقتوں پر ہنس سکیں۔ مزاح کار روی بسوانی کے سیریل "قصہ میاں بیوی کا" میں صلاحیتوں کا خزانہ پلوی جوشی یہ رول سنبھال رہی ہے۔ اس سیریل میں کرن رازداں میاں بنے گا اور اس کی پردے کی محبوبہ پریہ تندولکر بیوی۔ پلوی اپنے مزاحیہ کرتبوں سے تماشائیوں کو ہنسائے گی۔ کرن اور پریہ ایک سیدھا سادہ، چاہے جانے کے قابل جوڑے کے روپ میں آئیں گے۔ یہ جوڑا کسی نہ کسی الجھن اور مسئلے میں الجھتا ہی رہتا ہے۔

▲ • "رامائن" کا لکشمن، سنیل لہری، انورادھا پٹیل کے ساتھ فلم "آئی برسات" میں اور ویڈیو فلم "جزیرہ" کے ایک منظر میں

شاید اس سے یہ نتیجہ بھی نکالا جا سکتا ہے کہ "قصہ میاں بیوی کا" میں کرن ایک زن مرید شوہر نہیں بنے گا اور ہر معاملے میں بیوی کی برتری کو قبول نہیں کرے گا۔

● ہمارے دیسی سیریل میکرز کے مزے آ رہے ہیں۔ پریم ساگر اور راماند ساگر اپنے سیریل "وکرم بے تال" اور "رامائن" پہلے ہی ماریشس ٹی وی کے ہاتھ بیچ چکے ہیں۔ اب وویک وسوانی کا سیریل "نئی دشائیں" نیویارک کے پی بی ایس نیٹ ورک نے تیرھویں چینل کے لئے خریدا ہے، جسے وہ اپنے ہفتہ وار ایک گھنٹہ کے پروگرام "INTERLUDE WITH INDIA" میں ۱۶ جنوری ۱۹۸۸ سے پیش کریں گے۔ اس کے لئے وویک نے سیریل کو انگلش میں ڈب کیا ہے اور وہ پہلا ہندوستانی سیریل میکر ہے، جس کا سیریل امریکہ میں ٹیلی کاسٹ ہوگا۔

ادھر "نئی دشائیں" کے ختم ہو جانے کے بعد دوردرشن نے "جنوتی" کی باقی چھ کڑیوں کو پیش کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ آپ کو یاد ہوگا "جنوتی" کو تین مہینے پہلے اس لئے یکا یک بند کر دیا گیا تھا کہ "نئی دشائیں" کو موقع دیا جا سکے۔

● سنیل لاہری کے نام سے اُسے عام آدمی نہیں جانتا لیکن اگر 'رامائن' کے لکشمن کے طور پر اس کا تعارف کرایا جائے تو لوگ اسے فوراً پہچان لیتے ہیں۔ راماند ساگر اور ان کی "رامائن" کی بدولت سنیل لاہری شہرت کی بلندی پر پہنچ گیا ہے۔ آج کل وہ 'ناری ہیرا' کے لئے کچھ ویڈیو فلموں میں کام کر رہا ہے۔ ناری ہیرا کی تازہ ترین ایکشن بھری ہنگامی ویڈیو فلم "جزیرہ" (جسے پونے انسٹی ٹیوٹ کے تربیت یافتہ جوان سال سنکر بالی نے ڈائریکٹ کیا ہے) میں سنیل کے کام کو کافی سراہا گیا ہے۔ سنیل خود بھی ایک فلم "پھر آئی برسات" پروڈیوس کر چکا ہے، جس کا ہیرو وہ خود تھا۔ ہیروئن انورادھا پٹیل تھی۔ اب وہ سوچ رہا ہے کہ کیوں نہ ایک دو ویڈیو فلمیں اور سیریل خود بنا ڈالے۔ اس سلسلے میں اس نے کچھ خاکے دوردرشن کو بھیجے بھی ہیں۔ اور اسے یقین ہے کہ سیریل کی شوٹنگ کے لئے اُسے منڈی ہاؤس کی طرف سے ہرا سگنل جلد ہی مل جائے گا۔

● راماند ساگر کی "رامائن" کی بے پناہ مقبولیت نے ارون گوول کے ساتھ دیپکا کے لئے بھی فلموں کے دروازے کھول دئے ہیں اور دونوں ہی اسٹار بن چلے ہیں، لیکن راماند ساگر اس بات سے پریشان ہیں کہ ایک ویڈیو فلم "شبھ چنتک" میں ان دونوں نے کچھ گرما گرم رومانی سین کئے ہیں اور تماشائیوں کو یہ دیکھ کر کچھ عجیب سا لگے گا کہ رام اور سیتا اس طرح رنگ رلیاں منا رہے ہیں۔ ارون ہندی فلموں کی ڈائریکشن سنبھالنے کے ارادے میں بھی سنجیدگی کے ساتھ سوچ رہا ہے۔ ادھر دیپکا کو ایس۔ راما ناتھن اور موہن ڈیسائی جیسے بڑے نام سائن کر رہے ہیں۔ یہی نہیں، ایک تمل فلم میں کمل ہاسن کے مقابل اس کے ہیروئن بننے کی بات چیت چل رہی ہے۔

● چھوٹے پردے کا رُخ کرنے والا ایک اور "بے روزگار" فلم ایکٹر سچن ہے۔ اگر دوردرشن کی طرف سے پائلٹ کڑی کی منظوری مل گئی تو آپ سچن کو سیریل "پرکاش" میں دیکھ سکیں گے۔ جس میں وہ ٹائیٹل رول کرے گا۔ وجے تلوار اس سیریل کا پروڈیوسر اور ڈائریکٹر ہے۔ "پرکاش" کا موضوع شہر میں محنت کشوں کے مسئلے اور پریشانیاں ہیں، جو بڑھتی ہی جا رہی ہیں۔ عام آدمی کو اس سیریل میں اپنی ہی کہانی نظر آئے گی۔ سچن کے علاوہ "پرکاش" میں یونس پرویز، من موہن کرشن، ستین کپو وغیرہ بھی جلوہ گر ہوں گے۔ سچن کا یہ پہلا ٹی وی سیریل ہوگا۔ ویسے سچن بے روزگار نہیں ہے۔ ان دنوں وہ مراٹھی فلمیں ڈائریکٹ کرنے میں مصروف ہے۔ اور ایک ہندی فلم میں متھن چکرورتی اور جیہ پردا کو ڈائریکٹ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔

www.taemeernews.com

▲ ٹی وی سیریل "اسی بہانے" کے کچھ مناظر اور فن کار

صبح کے سیریل کے لیے عموماً چھ کڑیوں کی منظوری دی جاتی ہے۔ صرف "دھمال" کو دس کڑیوں کی منظوری ملی تھی۔ مگر "پھلواری" کو بس چار کڑیوں کی ہی منظوری ملی ہے۔ اگرچہ وجے نے تیرہ کڑیوں کی منظوری کے لیے درخواست دی تھی۔ "پھلواری" کے دوسرے آرٹسٹ اجیت پال ("ادھر اُدھر" "اسی بہانے" وغیرہ کا شہرت یافتہ) سنیا راؤ (تھرکتے کولہوں کی شہرت یافتہ) ستین کپو، ابھے دھالی، راکیش بیدی وغیرہ ہیں۔ وجے کو پوری اُمید ہے کہ پہلی کڑی کے ٹیلی کاسٹ ہونے کے بعد منڈی ہاؤس کی طرف سے اس کو کم از کم دو اور کڑیوں کی منظوری ضرور مل جائے گی۔ "پھلواری" کی ہر کڑی پندرہ منٹ کی ہوگی —— دوردرشن خود اس کا باضابطہ پروڈیوسر ہے۔ اسپانسر کی تلاش وہی کرے گا۔ وجے کو ہر کڑی کے لئے بس ستر ہزار کی رقم ملے گی۔

● چھ کڑیوں کے بعد صبح کے سیریل "دھت تیرے کی" کے رخصت ہو جانے پر ایک نیا سیریل "پھلواری" شروع ہوگا۔ پھلواری میں شہری زندگی کے روز مرّہ کے مسئلے اور اُلجھنیں پیش کی جائیں گی۔ اسے وجے تلوار نے پروڈیوس اور ڈائریکٹ کیا ہے۔ جو اس سے پہلے "لوری" اور "بازار" جیسی فلمیں بنا چکے ہیں۔

● "اسی بہانے" ہلکا پھلکا کامیڈی سیریل ہے اور بوجھل اُکتا دینے والے سیریلز کی بھرمار سے تنگ آئے ہوئے تماشائیوں میں کافی مقبول ہو رہا ہے۔ اس کی آنے والی کڑیوں کی مختصر سی جھلک آپ ابھی سے دیکھ سکتے ہیں۔

آٹھویں کڑی (۲۶- جنوری ۱۹۸۸): آخر اموتھ لزی شانتی کنج کے اندر قدم رکھنے میں کامیاب ہو ہی جاتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو شہناز چاندنی بتاتی ہے۔ ادھر پرالو نے اخبار میں یہ اشتہار دے رکھا ہے کہ ڈیمبو ہر مسئلے کو حل کر سکتا ہے۔ ہر گتھی کو سلجھا سکتا ہے۔ یوپی کے بلانے پر وہ بھی ڈیمبو بن کر شانتی کنج میں پہنچ جاتا ہے۔ یوپی اُسے اپنی ماں کا تیس لاکھ کا ہار چرانے کا کام سونپتا ہے۔

نویں کڑی (۲- فروری ۱۹۸۸): شاعرہ شہناز چاندنی کے بہروپ میں اموتھ لزی مسز کھنہ کے بہت قریب ہو جاتی ہے، لیکن جب پرالو کو مشاعرے کے خصوصی مہمان قربان بے دل کے بھیس میں نازل ہوتے ہوئے دیکھتی ہے تو اس کے ہوش اُڑ جاتے ہیں تاہم وہ اپنے حواس کو یکجا کر کے ایک کے بعد ایک نئی چالیں چلتی جاتی ہے۔

▶ ٹی وی سیریل "ٹی سی اور موسی" جو صبح کے ٹی وی پر دکھایا جا رہا ہے۔

دسویں کڑی (۹- فروری ۱۹۸۸): شانتی کنج میں چار چوروں کے یک جا ہونے سے ماحول ایسا ہو رہا ہے جیسے ابھی کوئی دھماکا ہونے والا ہے۔ پرنیتا کے آنے سے ان چوروں میں اور بھی کھلبلی مچ جاتی ہے۔ سب اسے پرالو عرف ڈیمبو عرف قربان بے دل کا ساتھی سمجھتے ہیں۔ پرادت کا دل اُسے بار بار خبردار کرتا ہے کہ ارد گرد خطرے ہی خطرے منڈلا رہے ہیں۔ اس کی راتوں کی نیند اور دن کا چین اُڑ جاتا ہے۔ مسز کھنہ (سعید جعفری) کے منت سماجت کرنے پر پرنیتا ہیروں کا ہار چرانے کے لئے آمادہ ہو جاتی ہے۔

گیارہویں کڑی (۱۶- فروری ۱۹۸۸): پرنیتا چوری کے فن میں اناڑی ہے، لیکن اُپاسنا کی خاطر وہ یہ کام کر گزرنے کے لئے ساری ترکیبیں آزماتی ہے۔ اموتھ لزی نے نہایت شاطرانہ ہوشیاری کے ساتھ یہ منصوبہ بنا رکھا ہے کہ مشاعرے سے پہلے کی ہلچل میں وہ جونیر گومز کی مدد سے نہایت صفائی کے ساتھ ہار اُڑا لے گی۔ کون جانے بازی کس کے ہاتھ رہتی ہے۔

●●

صحیح حل شمع ادبی معمہ نمبر ۲۹۸

شمع ادبی معمہ نمبر ۲۹۸ کا شاندار نتیجہ : ایک لاکھ پندرہ ہزار روپے سے بھی زیادہ کے انعامات کی تقسیم

پہلا انعام ۱۶۷ گرام سونا یا پچاس ہزار روپے بارہ درست حلوں پر دیا جائے گا

ایک غلطی پر ایک سو چودہ روپے ۲۹ پیسے : دو غلطیوں پر چودہ روپے ۱۴ پیسے : تین غلطیوں پر دو روپے ۵۲ پیسے

دس ہزار پچاس روپے کا خصوصی انعام ڈاک سے آئے ہوئے ۲۴ حلوں پر تقسیم کیا جائے گا

کلب کے مفت ناموں کے ہمراہ شاملِ مقابلہ ہونے والے انعامی حلوں پر مزید انعام : چھ روپے ۶۰ پیسے فی حل

شمع ادبی معمہ نمبر ۲۹۸ آسان ثابت ہوا اور ۱۲ پڑھنے والے درست حل بھیجنے میں کامیاب ہوئے۔ انعام پانے والے ان بالکل درست حلوں پر ۱۶۷ گرام سونا ۲۲ کیرٹ زیورات کی شکل میں یا پچاس ہزار روپے بہ حساب ۱۳ گرام ۹۱۷ ملی گرام سونا ۲۲ کیرٹ زیورات کی شکل میں، مقدار قیمت خرید پر منحصر، یا چار ہزار ایک سو چھیاسٹھ روپے ۶۷ پیسے فی حل دیا جائے گا۔

درست حلوں پر پہلا انعام پانے والے حلوں میں سے دو حل ایسے تھے جو شمع ادبی کلب کے مفت ناموں کے ذریعہ شامل مقابلہ کرائے گئے تھے۔ انہیں ان حلوں پر پہلے انعام کے ساتھ ساتھ شمع ادبی کلب کے مزید انعام دس ہزار روپے میں سے بھی حصہ دیا جائے گا۔

ڈاک سے آنے والے حلوں پر دس ہزار پچاس روپے کا خصوصی انعام ایک، دو اور تین غلطی والے ان پانچ پانچ حلوں پر دیا جائے گا جو ہمیں سب سے پہلے ڈاک سے ملے تھے اور دوسرا، تیسرا یا چوتھا انعام پانے والے اُن تین حلوں پر بھی تقسیم کیا جائے گا جو ۲۳ دسمبر ۱۹۸۷ یا اس کے بعد ہمیں ڈاک سے سب سے پہلے ملے تھے۔ اس طرح کل ملا کر ۲۴ انعامی حلوں پر خصوصی انعام میں حصہ دیا جائے گا۔

شمع ادبی کلب کے ممبروں نے یا اُن ممبروں سے مفت نامے حاصل کر کے جن پڑھنے والوں نے مفت ناموں کے ذریعے اپنے حل شامل مقابلہ کرائے تھے اُن میں سے ۵۱۰ حل ایسے تھے جو پہلے، دوسرے، تیسرے اور چوتھے انعام کے حق دار ہیں۔ ان حلوں پر پہلے، دوسرے، تیسرے اور چوتھے انعام کی رقم کے علاوہ شمع ادبی کلب کے مزید انعام کی رقم دس ہزار روپے میں سے چھ روپے ۶۰ پیسے فی حل دیا جائے گا۔ [illegible]

پہلا انعام اور خصوصی انعام پانے والے خوش نصیب پڑھنے والوں کو دعوت دی جا رہی ہے کہ وہ ۱۳ فروری ۱۹۸۸ کو دفتر شمع (نئی دہلی) میں تشریف لا کر اپنے انعام کا چیک جناب یونس دہلوی مدیر شمع کے ہاتھوں حاصل کریں۔ اگر کوئی پڑھنے والا نہ آ پائے تو اُن کے انعام کا چیک رجسٹرڈ ڈاک سے بھیج دیا جائے گا۔

بالکل درست ۱۲ حل وصول ہوئے جن پر پہلا انعام ۱۶۷ گرام سونا ۲۲ کیرٹ زیورات کی شکل میں، یا پچاس ہزار روپے بہ حساب ۱۳ گرام ۹۱۷ ملی گرام سونا ۲۲ کیرٹ زیورات کی شکل میں، مقدار قیمت خرید پر منحصر، یا چار ہزار ایک سو چھیاسٹھ روپے ۶۷ پیسے فی حل دیا جائے گا:

۱۔ حشمت سلطانہ صاحبہ معرفت محمد محبوب علی صاحب ریٹائرڈ پوسٹ ماسٹر، گدوال ۵۰۹۱۲۵
۲۔ شمبھوناتھ بھاسکر صاحب 71-11-A لاجپت نگر، نئی دہلی
۳۔ منشی عبدالحکیم انصاری صاحب مکان نمبر ۱۶۵، گلی نمبر ۶ حاجی پورہ وتیس فٹ روڈ، فیروز آباد، ضلع آگرہ
۴۔ شری بی پی داس صاحب ۲۹۱۔ ای ایف رام پور کالونی، ڈاک خانہ جمال پور ضلع مونگیر ۸۱۱۲۱۴
۵۔ انوار حسن خاں صاحب موضع سکندر پور افغانان، ڈاک خانہ جلال آباد ۲۴۲۲۲۱ ضلع شاہ جہاں پور
۶۔ مختار احمد خاں صاحب ولد غلام رسول خاں صاحب، بننت باغ، نئی سڑک سری نگر ۱۹۰۰۰۱۔ کشمیر
۷۔ مشن احمد صاحب معرفت بھارت ریڈیو سروس، لنڈھور بازار، مسوری (یو۔ پی)
۸۔ اسلام الدین صاحب واچ میکر ۵/۲۲۔ ای، کرشن نگر، دہلی ۱۱۰۰۵۱
۹۔ شاہد حسین صاحب قسب کو مرچنٹ، افضل گڑھ (بجنور)
۱۰۔ امام حسین صاحب کوآپریٹو سپر وائزر، مقام و ڈاک خانہ رودائن ضلع بدایوں
۱۱۔ حکیم ڈاکٹر ایم کے شفیع الدین صاحب، مکان نمبر ۶۔۶۲۹۔۱۷، ویر پورہ باغ لشکر جنگ، حیدر آباد ۵۰۰۰۲۳
۱۲۔ حکیم ڈاکٹر ایم کے شفیع الدین صاحب، مکان نمبر ۶۔۶۲۹۔۱۷، ویر پورہ باغ لشکر جنگ، حیدر آباد ۵۰۰۰۲۳

ایک غلطی والے ۱۴۰ حل وصول ہوئے جن پر دوسرا انعام مبلغ سولہ ہزار روپے بہ حساب ایک سو چودہ روپے ۲۹ پیسے فی حل دیا جائے گا:

[illegible]

پانچ لاکھ روپے کے انعامات سے بالکل الگ....

چھ ہزار روپے نقد (یا)

(۲۲ کیرٹ زیورات کی شکل میں، مقدار قیمت خرید پر منحصر)

شمع کی گولڈن جوبلی کی خوشی میں شمع ادبی معمہ نمبر ۳۰۰ کا پہلا انعام پانے والا جو حل ہمیں ڈاک سے سب سے پہلے ملا ہوگا اس پر ایک **اضافی انعام چھ ہزار روپے نقد یا بیس گرام سونا**

(۲۲ کیرٹ زیورات کی شکل میں، مقدار قیمت پر منحصر) پیش کیا جائے گا۔

ڈاک خانے کی سپیڈ پوسٹ (SPEED POST) سروس سے یا کسی اور کوریئر سروس (COURIER SERVICE) سے ہمیں ملنے والے حل خصوصی انعام یا اس اضافی انعام کے مستحق نہیں ہوں گے۔

[illegible]

دو غلطی والے ۱۰۹۱ حل وصول ہوئے جن پر تیسرا انعام مبلغ پندرہ ہزار روپے بہ حساب چودہ روپے ۱۴ پیسے فی حل تقسیم کیا جائے گا:

[illegible]

www.taemeernews.com

ڈاک سے آنے والے حلوں پر دس ہزار پچاس روپے کے خصوصی انعام

شمع ادبی معمّہ نمبر ۲۹۸ میں دوسرا، تیسرا اور چوتھا انعام پانے والے، یہ پانچ حلوں پر جو ہیں ڈاک سے سب سے پہلے پہنچے تھے اور دوسرا، تیسرا، چوتھا انعام پانے والے مزید ایسے تین حلوں پر جو ہیں ۲۲، دسمبر ۱۹۸۷ کو یا اس کے بعد ہیں ڈاک سے سب سے پہلے پہنچے تھے، دس ہزار پچاس روپے کا خصوصی انعام مندرجہ ذیل تفصیل کے مطابق تقسیم کیا جاتا ہے۔ ان خوش نصیب دوستوں کو نئی دہلی آکر ۸ فروری ۱۹۸۸ کو اپنے انعام کے چیک مدیر شمع جناب یونس دہلوی کے ہاتھوں حاصل کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ اگر ان میں سے کوئی پرواز نہ آیا تو اس کے انعام کا چیک رجسٹرڈ ڈاک سے بھیج دیا جائے گا۔

ایک غلطی والے حلوں میں سے:

- آٹھ سو پچاس روپے: صابر جالی صاحب، مکان نمبر ۲۵-۱۲-۱۲، ستیا محل منڈی، سکندرآباد، اے پی
- چھ سو روپے: اکبر علی خان صاحب، اسسٹنٹ انجینئر، مکان نمبر بی/۸۵، ۲-۵، عقب پولیس اسٹیشن، محبوب نگر
- پانچ سو روپے: عبدالغنی صاحب، اسسٹنٹ انجینئر، مکان نمبر ۱۱۳، ۷-۵، عقب گنج، سنگاریڈی ۵۰۲۰۰۱
- پانچ سو روپے: محمد ظہیرالدین صدیقی صاحب ۲۰/۱۳-۹-۲۹، نزد ایم بی کالونی، ملک پیٹ، حیدرآباد ۵۰۰۰۳۶
- دو سو پچاس روپے: عظمت سلطانہ صاحبہ معرفت محمد محبوب علی صاحب ریٹائرڈ پوسٹ ماسٹر، گدوال ۵۰۹۱۲۵ (حیدرآباد)
- دو سو پچاس روپے: سید محمد علی صاحب ۳۲۱/۲ مہرولی روڈ، گوڑگاؤں ۱۲۲۰۰۱
- دو سو روپے: مختار احمد خان صاحب ولد غلام رسول خان صاحب، بسنت باغ، نئی سڑک، سری نگر ۱۹۰۰۰۱
- دو سو روپے: شیخ محمد صاحب ولد شیخ عبداللہ صاحب موضع و تعلقہ گیورائی، ضلع بیڑ

دو غلطی والے حلوں میں سے:

- آٹھ سو پچاس روپے: سائرہ پروین صاحبہ ۳۲ ڈیرس لین، کلکتہ ۷۰۰۰۷۳
- چھ سو روپے: رضیہ وکیل صاحبہ ۱۳۲۲ گلی گومتی والی، کلاں محل، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
- پانچ سو روپے: کے اے انعکشی رزاق صاحب ۲۵۴ لال بازار، سکندرآباد ۵۰۰۰۱۵
- پانچ سو روپے: نورین [illegible] صاحبہ بنت سید مسعود [illegible] صاحب مدرسہ سادات، [illegible] ضلع غازی آباد
- دو سو پچاس روپے: محمد یونس صاحب ۲۲۵-۱-۱۰ [illegible]، سکندرآباد ۵۰۰۰۰۳
- دو سو پچاس روپے: سید نورالدین صاحب، مچھلی بازار، حیدرآباد ۵۰۰۰۰۲
- دو سو روپے: محمد منصور صاحب ولد عبدالرحمن صاحب مکان نمبر ۱۲۹، [illegible] روڈ، بنگلور ۵۶۰۰۰۱
- دو سو روپے: ممتاز احمد صاحب، اسٹیشن روڈ، چاندپور، ضلع بجنور

تین غلطی والے حلوں میں سے:

- آٹھ سو پچاس روپے: [illegible] صاحب، نیا بازار، پٹھان کوٹ
- چھ سو روپے: عبدالغفار صاحب معرفت محمد معین صاحب ۹۰/۱۵۸ [illegible] باغ، کانپور ۲۰۸۰۰۱
- پانچ سو روپے: سروپ سنگھ صاحب ڈی ۵۲/اے، راجوری گارڈن، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۷
- پانچ سو روپے: [illegible] صاحب، [illegible] اسٹریٹ، سہارنپور
- دو سو پچاس روپے: [illegible] احمد خان صاحب ولد [illegible] احمد خان صاحب، محلہ سرائے سلطانی، چوک پٹھانان، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱
- دو سو پچاس روپے: [illegible] صاحب، [illegible] کریم گنج، گیا ۸۲۳۰۰۱
- دو سو روپے: ایم [illegible] صاحب ۲۲۷/۱۰-۲-۳، [illegible] نگر، حیدرآباد ۵۰۰۰۴۸
- دو سو روپے: سید ابراہیم قوری صاحب مکان نمبر ۲۰۹-۲-۱۱، [illegible] حیدرآباد ۵۰۰۰۳۶

بالکل درست حل پر زیورات انعام:

شمع ادبی معمّہ نمبر ۲۹۳ کا درست حل بھیج کر رودائن (ضلع بدایوں، یوپی) کے امام حسین نے پہلے انعام کا چودھواں حصہ پایا۔ انہوں نے سات ہزار آٹھ سو ستاون روپے ۱۵ پیسے لینے کی بجائے زیور لینا پسند کیا۔ ان کو یہ نیکلس دفاتر شمع (نئی دہلی) میں معمّہ پسند پروانوں کی موجودگی میں پیش کیا گیا۔

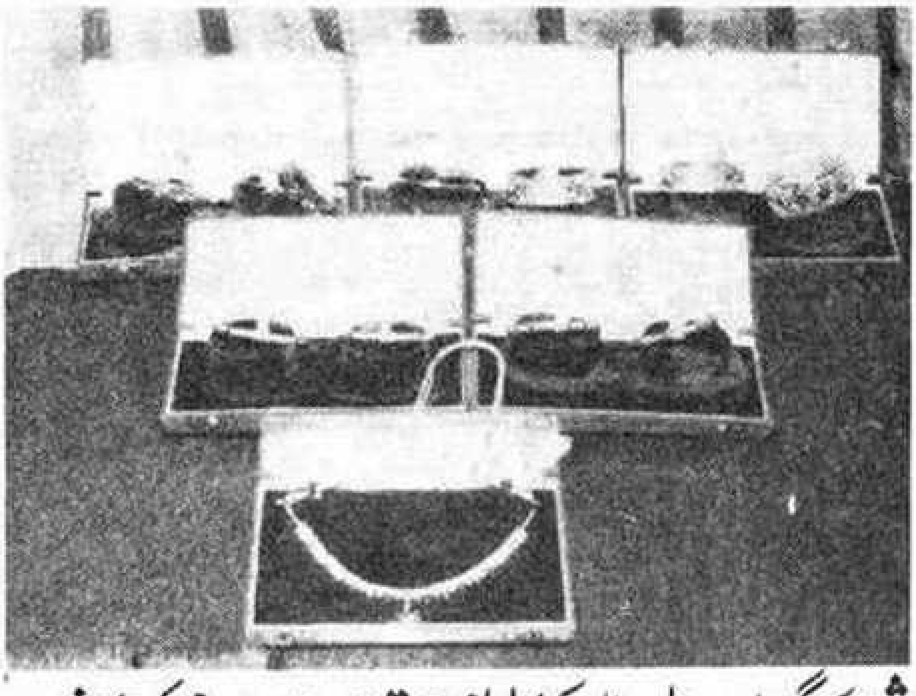

شمع کے گولڈن جوبلی سال کی پہلی انعامی تقریب میں سونے کی بارش!

ماہنامہ شمع کے پچاسویں، گولڈن جوبلی سال میں منعقد ہونے والی شمع ادبی معمّوں کی تقسیم انعامات کی تقریب ۸ جنوری کو دفاتر شمع (نئی دہلی) میں ہوئی۔ یہ سچ مچ "جشن طلائی" ثابت ہوا۔ چار پروانوں نے اپنے اپنے انعامات میں سونے کے زیورات لینے کو ترجیح دی۔ اس پر مسرت موقع پر کل ملا کر ایک لاکھ چالیس ہزار روپے سے بھی زائد مالیت کے زیورات بطور انعام پیش کیے گئے۔ پروانوں کا کہنا تھا کہ گولڈن جوبلی سال میں شمع ادبی معمّوں کے ذریعہ سونے کی بارش شروع ہو گئی ہے!

[illegible]

★ سونے کی قیمت میں وقتاً فوقتاً تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ شمع ادبی معمّہ نمبر ۲۹۰ اور شمع بمبئی معمّہ نمبر ۱۴۳ اور اس کے بعد جاری کیے جانے والے شمع ادبی معمّوں اور شمع بمبئی معمّوں میں، تا اعلان ثانی، انعام میں دیے جانے کے لیے سونے کے زیورات خریدتے وقت ان کی قیمت (۲۲ کیرٹ سونے کی مالیت، بنوائی اور سیلز ٹیکس شامل کرکے) اگر تین سو روپے فی گرام سے زیادہ ہوئی تو زیورات کی شکل میں انعام کا وزن اعلان شدہ وزن سے کم کیا جا سکتا ہے۔

● شمع ادبی معمّہ نمبر ۲۹۹ اور نمبر ۳۰۰ کے اشارے شعر و ادب، فلسفہ، مذہب، سماجیات، نفسیات، اخلاق، سیاست، سوانح و تذکرہ، تاریخ، حالات حاضرہ، عام معلومات، صحت، علم نجوم، [illegible] طب و سائنس، سیر و سیاحت اور لسانیات میں سے کچھ موضوعات پر اردو میں مطبوعہ کتب سے اخذ کیے گئے ہیں۔ اعداد شدہ کتابیں پڑھنا بے کار ہے۔ ان موضوعات پر کتابیں پڑھ کر اپنی قابلیت بڑھانے اور اپنی فہم و فراست، تلاش و جستجو، عقل اور دانش سے صحیح حل تک پہنچنے کی کوشش کیجیے۔

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

ڈاک سے حل بھیج کر خصوصی انعام حاصل کیا

احمد حسین صاحب
چھتہ بازار، حیدرآباد
(دو غلطیوں والے حل پر)
تین سو روپے

سید حبیب الدین صاحب
یاقوت پورہ، حیدرآباد
(ایک غلطی والے حل پر)
پانچ سو روپے

گلزار جمیل صاحب
اسماعیل نگر، میرٹھ
(ایک غلطی والے حل پر)
ایک ہزار پانچ سو روپے

[illegible] شاہ صاحب
[illegible]
(تین غلطیوں والے حل پر)
[illegible] سو روپے

محمد شکیل صاحب
[illegible]
(ایک غلطی والے حل پر)
تین سو روپے

محمد جلال الدین صدیقی صاحب
چھتہ بازار، حیدرآباد
(دو غلطیوں والے حل پر)
ایک ہزار روپے

عبدالمجید صاحب صدیقی
[illegible]
(ایک غلطی والے حل پر)
[illegible] سو روپے

محمد عبدالغنی صاحب
[illegible]، حیدرآباد
(تین غلطیوں والے حل پر)
پانچ سو روپے

الفضل احمد خاں صاحب
[illegible]
(تین غلطیوں والے حل پر)
ایک ہزار پانچ سو روپے

اقبال حسین صاحب
[illegible]
(دو غلطیوں والے حل پر)
ایک سو روپے

محمد یوسف صاحب
پھول گیٹ، [illegible]
(تین غلطیوں والے حل پر)
پانچ سو روپے

محمد عبدالغفار صاحب
[illegible]، حیدرآباد
(ایک غلطی والے حل پر)
ایک ہزار روپے

شمع ادبی معمہ نمبر ۲۹۷ کے لیے حل ڈاک سے بھیج کر **چودہ ہزار ایک سو روپے** کے خصوصی انعام میں حصہ پانے والے خوش نصیب پروانے

منیر احمد صاحب
[illegible]، بجنور
(ایک غلطی والے حل پر)
پانچ سو روپے

[illegible] صاحب
[illegible]، حیدرآباد
(تین غلطیوں والے حل پر)
ایک ہزار روپے

(اپنے حل روشنائی سے پُر کریں، پنسل سے، ڈرائی انک یا بال پوائنٹ پین سے لکھے ہوئے خانے غیر مستحق قرار دے جاتے ہیں۔ غیر مستحق قرار دیے جانے والے کسی بھی خانے کی فیس داخلہ واپس نہیں کی جاتی۔)

تین غلطی والے:

۵۵۳۳ حل بنے، جن پر چوتھا انعام مبلغ چودہ ہزار روپے بحساب ۲ روپے ۵۳ پیسے فی حل دیا جائے گا۔ وقت اور جگہ کی کمی کے باعث تین غلطیوں والے حلوں پر انعام پانے والے پروانوں کے نام شائع کرنا ممکن نہیں۔ اگر انہیں ۹ فروری ۱۹۸۸ تک انعام کا منی آرڈر نہ ملے تو دوبارہ جانچ کے لئے دی گئی ہدایات کے مطابق ۱۶ فروری ۱۹۸۸ تک اپنا کلیم بھیج دیں۔ اس تاریخ کے بعد ملنے والی ایسی شکایات پر غور نہ کیا جائے گا۔

پہلے انعام میں سونے کے کنگن دئے گئے:

شمع ادبی معمہ نمبر ۲۹۶ کے پہلے انعام کی رقم پچاس ہزار روپے تھی۔ درست حل بھیجنے والے چار خوش نصیب پروانے پہلے انعام کے حق دار ہیں۔ عبدالسلام خاں (بازار چتلی قبر، دہلی) (اوپر دائیں) اور سید محمد علی (مہرولی روڈ، گوڑ گاؤں، ہریانہ) (اوپر بائیں تصویر) نے اپنے انعام میں سونے کے زیورات لینا پسند کیا۔ ان کے انعام میں زیورات انہیں دفاتر شمع (نئی دہلی) میں معمہ پسند پروانوں کی موجودگی میں پیش کیے گئے۔

[illegible]

سری نگر کے پروانے کو پہلے انعام میں سونے کے زیورات:

شمع ادبی معمہ نمبر ۲۹۷ کا بالکل درست حل بھیج کر سری نگر (کشمیر) کے عبدالحمید شورا پہلے انعام کے تنہا حق دار ہوئے۔ وہ چاہتے تو ایک لاکھ دس ہزار روپے نقد لے سکتے تھے، لیکن انہوں نے انعام میں سونے کے زیورات لینا پسند کیا۔ یہ زیورات انہیں ۹ جنوری ۱۹۸۸ کو دفاتر شمع (نئی دہلی) میں معمہ پسند پروانوں کی موجودگی میں پیش کیے گئے اور پروانوں نے تالیاں بجا کر خوشی کا اظہار کیا۔ سونے کے زیورات کی شکل میں دیا جانے والا یہ شمع ادبی معموں کا اب تک کا سب سے بڑا انعام ہے۔

● تمام حلوں کی جانچ نہایت احتیاط سے کی گئی ہے۔ پھر بھی اگر آپ کو شبہ ہے کہ آپ کو کوئی انعام ملنا چاہیے اور آپ کا نام اس انعامی فہرست میں نہیں ہے یا آپ کی غلطیاں کم ہیں اور انعام زیادہ غلطیوں کا دیا گیا ہے تو دوبارہ جانچ کی فیس ایک روپیہ منی آرڈر سے "شمع ادبی معمہ"، دفاتر شمع، آصف علی روڈ، نئی دہلی ۲ کو بھیج کر اس کی ڈاک خانے سے ملنے والی رسید یا ایک روپے کے پوسٹل آرڈر کے ساتھ اپنی شکایت شمع ادبی معمہ نمبر ۲۹۷، دفاتر شمع، آصف علی روڈ، نئی دہلی ۲ کو لکھیں۔ ساتھ ہی یہ بھی تحریر کریں کہ آپ نے شمع ادبی معمہ نمبر ۲۹۷ کے حل کب بھیجے تھے۔ [illegible] اگر آپ کی شکایت درست ہوئی تو آپ کو انعام کا جو حصہ دیا جائے گا اور دوبارہ جانچ کی فیس کا ایک روپیہ بھی واپس کر دیا جائے گا۔ اگر شکایت غلط ہوئی تو دوبارہ جانچ کی فیس واپس نہیں کی جائے گی۔ [illegible] ایسی تمام شکایات ۱۶ فروری ۱۹۸۸ تک آ جانی چاہئیں۔ [illegible]

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

شمع

شائع ہو گئی ہے

پاکٹ جنتری ۱۹۸۸

شمع پاکٹ جنتری کی خصوصیات جو آپ کو کسی اور جنتری میں نہیں مل سکتیں :

- سالانہ اعراس
- نعت شریف
- اسلامی عملیات اور فال نامے
- راشیوں کے نیک و بد اثرات
- کون سے دن سعد ہیں اور کون سے نحس
- آپ کے محبوب فلمی ستاروں کی تاریخ پیدائش، پتے اور فون نمبر
- دل چسپ اور معلوماتی مضامین
- ایک صفحہ پر پندرہ دن کی تاریخیں تاکہ آسانی سے پڑھی جا سکیں

اس کے علاوہ دیگر ایسے مضامین جن کو پڑھ کر آپ کی معلومات میں مفید اور کارآمد اضافہ ہوگا ۔ آج ہی منگائیے

ایک عدد جنتری منگانے کے لئے چار روپے (Rs. 4/-) کا منی آرڈر بھیجیے، اور منی آرڈر کی ڈاک خانہ سے ملنے والی رسید اپنے خط کے ساتھ ہمیں بھیج دیں ۔ اپنا پتہ صاف صاف لکھیں ۔

ایجنٹ حضرات تاجرانہ نرخ کے لئے فوری تحریر فرمائیں ۔

شمع بک ڈپو، آصف علی روڈ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

www.taemeernews.com

شمع ادبی معمّوں کی شرائط

۱. فیس داخلہ دو روپے فی خاکہ ہے۔ اس حساب سے جتنے چاہے حل بھیج سکتے ہیں۔ یہ حل چھپے ہوئے یا سادہ کاغذ پر ہاتھ سے بنائے گئے خاکوں کی صورت میں آنے ضروری ہیں۔ خانہ روشنائی سے پُر کرنا اور ہر خاکہ علیحدہ کاغذ پر ہونا ضروری ہے۔ ہر خاکے کے نیچے اس کاغذ پر بھیجنے والے کا پورا نام اور پتہ روشنائی سے لکھا ہونا ضروری ہے۔ پنسل یا ڈرائی انک یا بال پوائنٹ پین سے لکھے ہوئے یا کٹے پھٹے تبدیل شدہ مشکوک یا نامکمل خاکے غیر مستحق قرار دیے جائیں گے۔ ایک بار حل بھیجنے کے بعد ان میں ترمیم کرنا ممکن نہیں ہے۔

۲. ایک شخص کے ایک ساتھ بھیجے گئے تمام حلوں کے ہمراہ ماہنامہ شمع، نئی دہلی سے کاٹا ہوا متعلقہ شمع ادبی معمہ کا کوپن فیس کے طور پر بھیجے گئے منی آرڈر کی رسید، انڈین پوسٹل آرڈر یا نقد نامے جاری کردہ ماہنامہ شمع نئی دہلی بن لکھ کر یا کراس کر کے اس لفافے میں وصول ہونے لازمی ہیں۔ پوسٹل آرڈر کراس کر دینے چاہئیں۔ نقد نامہ، پوسٹل آرڈر یا منی آرڈر رسید کی پشت پر شمع ادبی معمہ کا نمبر، حل بھیجنے والے کا نام، مختصر پتہ اور اس کے دستخط ہونے لازمی ہیں۔ ایک بار معمہ کا نمبر، نام، پتہ، دستخط تحریر کیے جانے کے بعد ان میں سے کسی میں تبدیلی قابل قبول نہ ہوگی۔ ادارۂ شمع کو حق ہوگا کہ انعامات کی ادائیگی سے پہلے یہ تصدیق کرے کہ انعام پانے والا وہی ہے، جس کے دستخط حلوں کے ساتھ نقد نامہ، پوسٹل آرڈر یا منی آرڈر رسید پر موصول ہوئے تھے۔ بند لفافہ کھلنے پر یا دفتر شمع، نئی دہلی میں رکھے گئے دستی حلوں کے بکس کھلنے پر اندر سے جو حل یا ان سے متعلق کاغذات نکلیں ان کی تعداد یا فوقیت کے متعلق نیز کسی لفافے میں سے کوئی بھی حل نہ نکلنے یا اس سے متعلق ضروری کاغذات، کوپن یا رسید منی آرڈر وغیرہ برآمد نہ ہونے کے متعلق مالکان شمع یا ان کی طرف سے اس کام کے لیے مقرر کردہ کسی بھی افسر کی تصدیق صحیح اور درست تسلیم کی جائے گی۔

۳. تمام حل متعلقہ شمع ادبی معمہ کے ساتھ ہی ماہنامہ شمع نئی دہلی میں شائع کی جانے والی تاریخ پر مقررہ اوقات پر یا ان سے پیشتر دفتر شمع، آصف علی روڈ، نئی دہلی میں موصول ہونے چاہئیں۔ مالکان شمع میگزین اپنے خصوصی اختیارات کو کام میں لاتے ہوئے مقررہ تاریخ یا مقررہ وقت کے بعد مگر صحیح حل ظاہر کیے جانے سے پہلے پہلے ملنے والے جو حل چاہیں وصول کر کے شامل مقابلہ کر سکتے ہیں۔ مقررہ تاریخ یا وقت کے اندر اندر آئے ہوئے حل بھی اگر کسی سبب سے واپس ہو جائیں یا واپس کر دیے جائیں تو انہیں شامل مقابلہ کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔ لفافہ پر شمع ادبی معمہ کا نمبر لکھنا ضروری ہے۔ منی آرڈر کرتے وقت کوپن پر یہ ضرور لکھ دیجئے کہ یہ شمع ادبی معمہ نمبر...... کی فیس ہے۔ ایک منی آرڈر یا پوسٹل آرڈر یا نقد نامہ سے صرف ایک ہی شخص کی طرف سے ایک ساتھ بھیجے گئے حلوں کی فیس بھیجئے۔ دفتر کے دوسرے شعبوں کی کوئی رقم اس میں شامل نہ کیجئے۔ ڈاک سے حل بھیجتے وقت لفافہ پر اپنا پورا پتہ اور متعلقہ شمع ادبی معمہ کا نمبر واضح طور پر لکھئے۔ حل ڈاک سے بھیجنے کی بجائے دفتر شمع میں رکھے گئے مقامی حلوں کے بکس میں بھی ڈالے جا سکتے ہیں۔ حلوں کے وصول نہ ہونے، دیر سے وصول ہونے، ضائع ہو جانے یا گم ہو جانے کی صورت میں مالکان شمع کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ کسی بھی شمع ادبی معمہ کا صحیح حل ظاہر کرنے کی اور تمام حل وصول ہونے کی آخری تاریخ اور وقت سے پہلے حلوں کی وصولیابی کی آخری تاریخوں میں اضافہ کیا جا سکتا ہے یا بالکل ہی منسوخ بھی کیا جا سکتا ہے۔ منسوخی کی صورت میں اس معمہ سے متعلق آئی ہوئی فیس داخلہ واپس کر دی جائے گی۔ کوئی اشارہ غلط شائع ہو جانے کی صورت میں ترمیم کا اعلان کیا جا سکتا ہے یا اُسے قطعاً منسوخ کیا جا سکتا ہے۔ اشارہ منسوخ ہو جانے کی صورت میں اس اشارہ کا جو بھی جواب کسی نے لکھا ہوگا، اس کی غلطی شمار نہیں کی جائے گی۔

۴. ایک خانہ میں ایک اور صرف ایک حرف بھرنا ضروری ہے۔ بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ، کھ اور گھ ایک حرف ہیں، مگر دھ، ڈھ اور ںھ دو دو۔ زیر، زبر، پیش، ء، مد اور دوسری علامات قرأت کا کوئی خیال نہیں رکھا جائے گا۔ ھ اور ہ، ن اور ں (نون غنہ) میں کوئی فرق نہیں۔ ی اور ے کا فرق صرف اسی صورت میں سمجھا جائے گا، جب یہ کسی لفظ کے آخر میں ہو۔ خاکہ میں ی کی جگہ الف لکھا جائے۔ مثلاً "دعویٰ" کو "دعوا" اور "لیلیٰ" کو "لیلا"۔ تنوین (دو زیر، دو زبر یا دو پیش) کے بجائے معمے کے خاکے میں "ن" لکھا جائے۔ جیسے "مثلاً" کی جگہ "مثلن" اور "فوراً" کی جگہ "فورن"۔

۵. شمع ادبی معموں میں استعمال کئے گئے تمام اشارے اردو کی معتبر کتابوں سے اخذ کئے جائیں گے۔ اگر ایک کتاب کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے ہوں یا ایک اشارہ کئی کتابوں میں شامل ہو تو ان میں سے کسی کتاب یا کتاب کے کسی بھی ایڈیشن میں سے اشارہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ ہر ایڈیشن کو بجائے خود ایک علیحدہ کتاب سمجھا جائے گا۔ اگر ایک اشارہ کئی کتابوں میں یا ایک کتاب کے کئی ایڈیشنوں میں یا ایک ہی کتاب میں مختلف مقامات پر شامل ہو اور ان میں اس اشارے کے جوابات میں ایسا اختلاف ہو کہ ایک سے زیادہ جواب بننے ممکن ہو جائیں تو اس اختلاف کی اطلاع مع ثبوت متعلقہ شمع ادبی معمہ کا مستند حل ظاہر ہونے سے کم از کم ۴۸ گھنٹے پہلے ایڈیٹر شمع ادبی معمہ کو دی جا سکتی ہے تاکہ اس اشارے کو غلط قرار دے کر منسوخ کرنے یا اس اشارے کے ایسے ایک سے زیادہ جواب درست تسلیم کرنے پر غور کیا جا سکے۔ اس قسم کی اطلاع کے ہمراہ متعلقہ کتاب یا کتب کا آنا لازمی ہے۔ اشارے اصل کتاب سے نقل یا اخذ کرنے میں اگر کوئی معمولی سہو ہو جائے جس سے ایڈیٹر معمہ کی رائے میں اشارے کے معنی میں فرق نہ پڑتا ہو تو محض اس سہو کے باعث کوئی اشارہ مسترد نہیں کیا جائے گا۔ کوئی اشارہ مسترد کرنا یا نہ کرنا ایڈیٹر شمع ادبی معمہ کے اختیار میں ہے اور اس کا فیصلہ تمام حل بھیجنے والوں کو بلا حیل و حجت تسلیم کرنا ہوگا۔ ثبوت میں آئی ہوئی کتب واپس نہیں کی جائیں گی۔

۶. ہر شمع ادبی معمہ کا ایک اور صرف ایک ہی حل ہے، جسے کوئی بھی تبدیل نہیں کر سکتا۔ تمام حل وصول ہو جانے کی تاریخ گزر جانے کے بعد ایڈیٹر شمع ادبی معمہ یہ صحیح حل ظاہر کرے گا۔ صحیح حل سے نہ ملنے والے ہر لفظ کی ایک غلطی شمار کی جائے گی۔ پہلا انعام بالکل درست حل بھیجنے والے شخص یا اشخاص کو دیا جائے گا۔ کوئی صحیح حل موصول نہ ہونے کی صورت میں پہلا انعام سب سے کم غلطی والے حل بھیجنے والے شخص یا اشخاص کو دیا جائے گا اور بقیہ انعامات بھی نسبتاً زیادہ غلطی والے حل بھیجنے والوں کو دیے جائیں گے۔ ہر شمع ادبی معمہ کا صحیح حل ظاہر ہونے کے بعد ماہنامہ شمع نئی دہلی میں ان صاحب قلم حضرات کے یا ان کتابوں کے نام چھاپے جائیں گے، جن سے اس شمع ادبی معمے کے اشارے اخذ کئے گئے تھے۔ ایڈیٹر شمع ادبی معموں کی ذمہ داری محض ان مصنفین، شعراء، مؤلفین، مرتب، یا مترجم حضرات کے نام یا مختصر نام، اس کتاب کا نام جس سے اشارہ اخذ کیا ہو، شائع کرنے تک محدود ہے اور ماہنامہ شمع نئی دہلی میں شائع کی گئی اسناد قطعی آخری اور حل بھیجنے والوں کو لازمی قبول کرنا ہوں گی۔ اگر کسی کتاب کے ایک سے زیادہ مصنف، شاعر، مؤلف، مرتب یا مترجم کسی دوسرے صاحب قلم کے الفاظ نقل، اختصار یا ترجمہ کر کے شائع کرے تو اصل صاحب قلم کا نام یا اس کی نقل، ترجمہ، اقتباس یا اختصار کرنے والے مصنف، شاعر، مرتب، مؤلف یا مترجم کا نام یا مختصر نام شائع کیا جا سکتا ہے۔

۷. ایک شمع ادبی معمہ میں ایک کوپن کے ساتھ آئے ہوئے حلوں پر صرف ایک انعام یا کسی ایک انعام کا صرف ایک حصہ دیا جا سکتا ہے، مگر بڑے انعام کو چھوٹے انعام پر ترجیح دی جائے گی۔ الگ الگ کوپنوں کے ساتھ آئے ہوئے حلوں میں سے، خواہ وہ ایک ہی نام اور پتے سے بھیجے گئے ہوں، ہر کوپن کے ساتھ آئے ہوئے حلوں پر الگ انعام یا انعام کا ایک حصہ دیا جائے گا۔ اگر انعامات کی تقسیم کے اعلان کے بعد کسی وقت کسی انعام کا کوئی اور حق دار پایا گیا یا کسی انعام پانے والے کی غلطیاں زیادہ پائی گئیں یا ایک کوپن کے ساتھ آئے ہوئے حلوں پر ایک سے زیادہ انعامات کا اعلان پایا گیا تو اس کی روشنی میں انعامات کی تقسیم میں اسی حساب سے ترمیم کی جا سکے گی۔ مگر انعامات کی روانگی کے بعد ایسی کوئی تبدیلی نہ ہو سکے گی۔ اور اس تقسیم کو قطعی اور ناقابل تغیر قرار دیتے ہوئے ادا شدہ انعامات یا ان کے کسی بھی حصہ کے لئے کسی کا کوئی مطالبہ جائز تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ ایک کوپن پر اور اس کے ساتھ آئے ہوئے حل یا حلوں پر بھیجنے والے کی حیثیت سے صرف ایک شخص کا نام اور پتہ لکھا ہونا چاہئے۔ گروپ، ادارے، فرم، انجمن یا کمپنی کا نام حل بھیجنے والے کے نام کے طور سے استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ ایسے حلوں کو غیر مستحق قرار دیا جا سکتا ہے۔

۸. ادارہ شمع میگزین (جس میں شمع اور اس سے متعلقہ مطبوعات اور شمع فلمز شامل ہیں۔ شمع ڈسٹری بیوٹرز پرائیویٹ لمیٹڈ یا شمع (یونانی اینڈ آیورویدک لیبارٹریز) کا کوئی کارکن شمع ادبی معمہ میں حصہ نہیں لے سکتا۔

۹. کوئی خاکہ جو ان شرائط کی یا شمع ادبی معمہ کے ساتھ ماہنامہ شمع نئی دہلی میں شائع ہونے والی تمام ہدایات کی پابندی نہیں کرتا، غیر مستحق قرار دیا جا سکتا ہے۔ غیر مستحق قرار دیے جانے والے کسی بھی خاکے کی فیس داخلہ واپس نہیں کی جائے گی۔ اگر کسی کی ادا کردہ فیس اس کے خاکوں کے حساب سے زیادہ ہوئی تو ایسی زائد فیس بھی واپس نہیں کی جائے گی۔ شرائط یا ہدایات کی خلاف ورزی یا فیس ناکافی ہونے کے باعث غیر مستحق قرار دیے جانے والے خاکوں کے متعلق کسی قسم کی اطلاع دینے کی کوئی ذمہ داری مالکان شمع پر نہیں ہے۔ حلوں کی وصولیابی کے لئے مقررہ تاریخ اور وقت کے بعد پہنچنے والے حلوں پر انعام نہیں دیا جائے گا۔ نہ ہی ان کی فیس واپس کی جائے گی۔

۱۰. شمع ادبی معموں میں شرکت کی یہ ایک واضح شرط ہے کہ فریقین کو شمع ادبی معموں سے متعلق تمام متنازعہ امور میں چیف ایڈیٹر ماہنامہ شمع، نئی دہلی کا ہر فیصلہ قبول ہوگا۔ ان کا یہ فیصلہ قطعی اور آخری ہوگا اور ہر حل بھیجنے والا قانونی طور پر اس فیصلہ کا پابند ہوگا۔

۱۱. شمع ادبی معموں کی یہ شرائط مالکان ماہنامہ شمع اور ہر حل بھیجنے والے کے درمیان ایک ایسے معاہدے کی حیثیت رکھتی ہیں، جو ہر حالت میں دہلی میں قرار پایا ہے اور دہلی ہی میں مکمل طور سے عمل پذیر ہونا طے پایا ہے۔ اس سلسلے میں صرف دہلی کی عدالتوں کو حق سماعت حاصل ہے۔

۱۲. ہر شمع ادبی معمہ کے انعامات کی روانگی کے بعد اس کے لئے آئے ہوئے حل اور اس سے متعلقہ کاغذات ضائع کئے جا سکتے ہیں نیز کسی انعام کی ایک بار ادائیگی یا روانگی کے بعد تقسیم انعامات کا ہر حل بھیجنے والا پابند ہوگا۔

۱۳. ہندوستان کے علاوہ دوسرے تمام ممالک سے فیس منی آرڈر یا برٹش پوسٹل آرڈر یا ہندوستان میں کسی بینک ادائیگی کے لئے جاری کئے گئے بینک ڈرافٹ کے ذریعے بھی نئی دہلی بھیجی جا سکتی ہے۔ مگر انعامات صرف ہندوستان میں ادا کئے جائیں گے۔

شمع ادبی معمہ نمبر ۲۹۹ اور ۳۰۰ کے تعلق سے شرائط میں اہم ترمیم:

شمع ادبی معمہ نمبر ۲۹۹ کے لئے فیس داخلہ دو روپے فی حل اور شمع ادبی معمہ نمبر ۳۰۰ کے لئے فیس داخلہ پانچ روپے فی حل ہے

اپنے حل بھیجنے سے پہلے شرائط غور سے پڑھ لیجئے اور یہ ترمیم ذہن نشین کر لیجئے۔

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

پہلا انعام : درست حل پر : (۲۲ کیراٹ، زیورات کی شکل میں : مقدار قیمت خرید پر منحصر)

یا بارہ ہزار روپے نقد دوسرا انعام، ایک غلطی والے حل پر : **آٹھ ہزار روپے**

Rs 20,000.00

فیس داخلہ فی حل : ایک روپیہ۔ آپ جتنے حل چاہیں بھیج سکتے ہیں۔ فیس داخلہ، پوسٹل آرڈر، منی آرڈر یا شمع ادبی معموں کے نقد ناموں کے ذریعہ ادا کی جا سکتی ہے۔ نقد نامہ، پوسٹل آرڈر یا منی آرڈر کی ڈاک خانے سے ملنے والی رسید اپنے حلوں کے ساتھ بھیجیے۔ آپ جتنے حل چاہیں بھیج سکتے ہیں۔ ان کی فیس ایک ساتھ بھیج سکتے ہیں اور ہر حل پر علیحدہ انعام کے حق دار ہو سکتے ہیں۔ کوئی کوپن بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ کوپن بھیجنے کی شرط کے علاوہ شمع ادبی معموں کی دوسری تمام شرائط شمع منی معموں پر بھی عائد ہیں۔ ان کی پابندی ضروری ہے۔

> دفتر شمع (نئی دہلی) میں ڈاک سے اور دستی حل وصول ہونے کی آخری تاریخ ہفتہ : ۲۷۔ فروری ۱۹۸۸ء آٹھ بجے رات تک۔ پیر ۲۹۔ فروری ۱۹۸۸ء تک ڈاک سے ملنے والے حل بھی قبول کر لئے جائیں گے۔

شمع منی معمہ نمبر ۱۴۶

ن (۵)	ض (۴)	(۳)	(۲)	تھ (۱)		
ا	س	ا	و			
د	و	ہ	ق	■	ک	(۷)
ا	س	س	■	ض		(۸)
		■	ا	ن		(۹)
ی	■	ے	ن	ا		(۱۰)
■	ی		ا	ف	س	ب (۱۱)

اشارے :

اوپر سے نیچے :

۱۔ عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا
جس دل پہ ناز ——— مجھے، وہ دل نہیں رہا

۲۔ کوئی پکے راگوں پر سر دھنتا ہے تو کوئی فلمی گیتوں کا دیوانہ ہے۔ اپنا اپنا ——— ہے اور

۳۔ عام لوگ ——— کی چمک دمک اور شان شوکت پر مرتے ہیں جبکہ اصل میں

۴۔ قوم کی اصلاح کے لئے ——— ہے کہ فضول خرچیوں سے بچا جائے اور یہ فرسودہ رسمیں

۵۔ کسی کی ——— کا مذاق اڑانا یا اس سے ناجائز فائدہ اٹھانا مناسب نہیں۔ نہیں تو

دائیں سے بائیں :

۶۔ ہوئی مدت، کہ غالب مرگیا، پر یاد آتا ہے
وہ ہر ——— بات پر کہنا، کہ "یوں ہوتا، تو کیا ہوتا"

۷۔ سب سے پہلے تو تم اس ——— سے جان چھڑاؤ۔ اس کے بعد خود

۸۔ تم کیا جانو یہ اناج کس محنت سے اگایا جاتا ہے۔ بیچارہ کسان ——— پسینہ بہاتا ہے۔ زمین کا سینہ چیرتا ہے اور

۹۔ تم جن چیزوں کو فضول سمجھ رہے ہو وہ قدیم آرٹ کے نادر نمونے ہیں۔ اس طرح ——— کی بجائے انہیں کسی قدر دان

۱۰۔ اندھیری رات، سنسان جنگل اور بھیریہ ——— طوفان۔ ایسے میں باہر نکلنا خود موت کو دعوت دینا ہے

●●

> **شمع ادبی معمے (شمع منی معمہ نمبر ۱۴۶) ماہنامہ شمع، آصف علی روڈ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲**

شمع منی معمہ نمبر ۱۴۶ کا صحیح حل : بدھ ۲۔ مارچ ۱۹۸۸ء کو صبح دس بجے ظاہر کیا جائے گا۔ صحیح حل اور انعام پانے والوں کے نام ماہنامہ بانو میں شائع کئے جائیں گے۔ انعام پانے والوں کی تفصیلات شمع (نئی دہلی) میں بھی شائع کی جا سکتی ہیں۔

بارہ ہزار روپے کا پہلا انعام ۳۲ درست حلوں پر تقسیم کیا گیا

صحیح حل شمع منی معمہ نمبر ۱۴۳

ے	ت	ے	ل	و	ٹ	■
ے	ت	ک	ا	ت	■	بھ
ی	کھ	و	س	■	بج	ڑ
ی	بھ	ک	■	م	ا	ک
ے	ا	■	ل	ح	گ	ا
■	■	ا	گ	ب	ن	ن
■	■	ک	ے	ت	ے	ے

شمع منی معمہ نمبر ۱۴۳ آسان ثابت ہوا۔ اس میں ۳۲ ہر طرح بالکل درست حل ملے۔ ان ۳۲ درست حلوں پر بارہ ہزار روپے کا پہلا انعام تقسیم کیا گیا۔ [illegible]

[illegible]

بالکل درست حل ۳۲ وصول ہوئے۔ جن پر پہلا انعام مبلغ بارہ ہزار روپے بحساب : تین سو پچھتر روپے فی حل تقسیم کیا گیا :

[illegible]

■ [illegible]

> شمع منی معمہ نمبر ۱۴۳ میں ایک غلطی والے ۳۳ حل وصول ہوئے جن پر دوسرا انعام مبلغ آٹھ ہزار روپے بحساب ۲۴۲ روپے ۴۲ پیسے فی حل دیا گیا۔ ایک غلطی کے حل بھیجنے والے پر والوں کے نام
> ماہنامہ **بانو** نئی دہلی
> [illegible]

اپنے حل روشنائی سے پُر کریں۔ پنسل سے، ڈرائی انک سے یا بال پوائنٹ پین سے لکھے ہوئے خانے غیر مستحق قرار دئے جاتے ہیں۔ غیر مستحق قرار دئے جانے والے کسی بھی خانے کی فیس واپس نہیں کی جاتی۔

www.taemeernews.com

Rs. 1.15.050.00

ایک لاکھ پندرہ ہزار پچاس روپے کے انعامات

پہلا انعام بالکل درست حل پر:

(۲۲ کیرٹ زیورات کی شکل میں: مقدار قیمت خرید پر منحصر)

یا پچاس ہزار روپے

دوسرا انعام: ایک غلطی والے حل پر سولہ ہزار روپے۔ **تیسرا انعام:** دو غلطی والے حل پر پندرہ ہزار روپے۔ **چوتھا انعام:** تین غلطی والے حل پر چودہ ہزار روپے۔ خصوصی انعام دس ہزار پچاس روپے دوسرا، تیسرا اور چوتھا انعام پانے والے حلوں میں سے سب سے پہلے ڈاک سے آنے والے حلوں پر مزید تقسیم کیا جائے گا۔ مزید انعام دس ہزار روپے شمع ادبی کلب کے مفت ناموں کے ذریعے شامل مقابلہ ہونے والے انعامی حلوں پر تقسیم کیا جائے گا۔ فیس داخلہ فی حل: دو روپے۔ آپ جتنے حل چاہیں بھیج سکتے ہیں۔ شمع ادبی معمہ نمبر ۲۹۹ کے اپنے تمام خاکوں کے ساتھ ایک ٹوکن شمع ادبی معمہ نمبر ۲۹۹ ضرور بھیجئے جو ماہنامہ شمع (نئی دہلی) سے کاٹا گیا ہو۔ مفصل شرائط و ہدایات ماہنامہ شمع (نئی دہلی) میں شائع کی جاتی ہیں، ان کی پابندی ضروری ہے۔ ایک شخص الگ ٹوکن پر الگ الگ انعام حاصل کر سکتا ہے۔

شمع ادبی معمہ نمبر ۲۹۹

فیس داخلہ: دو روپے فی حل

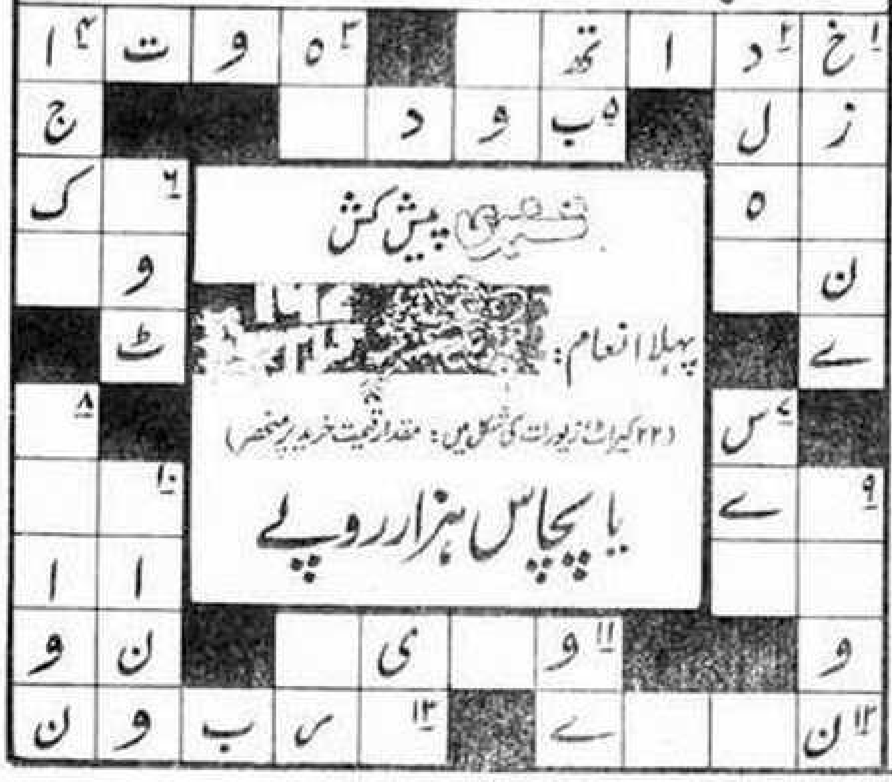

دفاتر شمع (نئی دہلی) میں دستی حل وصول ہونے کی آخری تاریخ: ہفتہ ۱۳ فروری ۱۹۸۸ (بارہ بجے رات تک) نیز ۱۵ فروری ۱۹۸۸ تک ڈاک سے ملنے والے حل بھی قبول کر لئے جائیں گے۔ صحیح حل: بدھ ۱۷ فروری ۱۹۸۸ کو صبح دس بجے ظاہر کر دیا جائے گا۔

اشارے

دائیں سے بائیں:

۱۔ نہ تھا کچھ تو ــــ، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا

۳۔ ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ــــ

۵۔ غم کھانے میں ــــ، دلِ ناکام بہت ہے یہ رنج کہ کم ہے مے گلفام بہت ہے

۱۱۔ مگر اس کا کیا علاج کہ یہاں ــــ بھی قانون کا احترام ضروری نہیں سمجھتے

۱۲۔ اپنے یہ ــــ چھوڑیئے اور میری سنیئے۔ کامیابی کے لئے پہلی شرط تو یہ ہے کہ

۱۳۔ جس غریب کو دس بیس روپے اور گنتی نہ آتی ہو وہ ــــ کی دولت کا کیسے اندازہ کر سکتا ہے!

اوپر سے نیچے:

۱۔ جس نے راہِ خدا میں فراخ دلی سے خرچ کیا اس کے لئے دین و دنیا کے ــــ وا ہو گئے۔ اور

۲۔ جس طرح ــــ کے بغیر شادی ممکن نہیں اسی طرح پورے قبیلے کی دعوت کئے بغیر بھی شادی نہیں ہو سکتی

۴۔ خدمت کا جذبہ نہیں رہا۔ ــــ سیاست دانوں کو اپنی جیبیں بھرنے کے علاوہ کوئی خیال نہیں۔ باقی

۶۔ یہ نئے ــــ تمہارے پاس کہاں سے آئے؟ تمہاری تنخواہ تو پہلے ہی

۷۔ وہ ــــ ہیں تو ہوا کریں۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ان کی ہر بات مان لی جائے

۸۔ مجھے کیا ضرورت ہے میں ایسے کام میں ہاتھ ــــ؟ نہ مجھے پیسے کی کمی ہے نہ کام کرنے والوں کی

۹۔ اپنے ــــ کا بوجھ ہمیں خود ہی اٹھانا ہوگا۔ دوسروں کی طرف

۱۰۔ حقیقت اپنی جگہ موجود رہتی ہے۔ چاہے تم اسے ــــ یا نہ

ڈاک سے اپنے حل اور فیس اس پتے پر بھیجئے: **شمع ادبی معمہ نمبر ۲۹۹، ماہنامہ شمع، آصف علی روڈ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲**

شمع ادبی معمہ نمبر ۲۹۹ کی فیس داخلہ دو روپے فی حل ہے۔ نوٹ کر لیجئے۔ شمع ادبی کلب کا مفت نامہ بھیجنے کی صورت میں ہر حل کے ساتھ شمع ادبی معمہ نمبر ۲۹۹ کے دو مفت نامے بھیجئے یا شمع ادبی معمہ نمبر ۲۹۹ کا ایک ٹکٹ اور ایک روپے کا نقد نامہ، پوسٹل آرڈر یا منی آرڈر کی رسید ضرور بھیجئے۔

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

شمع ادبی معمّہ نمبر ۳ کے ذریعے

دفاتر شمع (نئی دہلی)، میں دستی حل وصول ہونے کی آخری تاریخ: ہفتہ، ۱۲۔مارچ ۱۹۸۸ (بارہ بجے رات تک) پیر ۱۴۔ مارچ ۱۹۸۸ تک ڈاک سے ملنے والے حل بھی قبول کرلئے جائیں گے۔

صحیح حل: بدھ، ۱۶۔مارچ ۱۹۸۸ کو صبح دس بجے ظاہر کردیا جائے گا۔

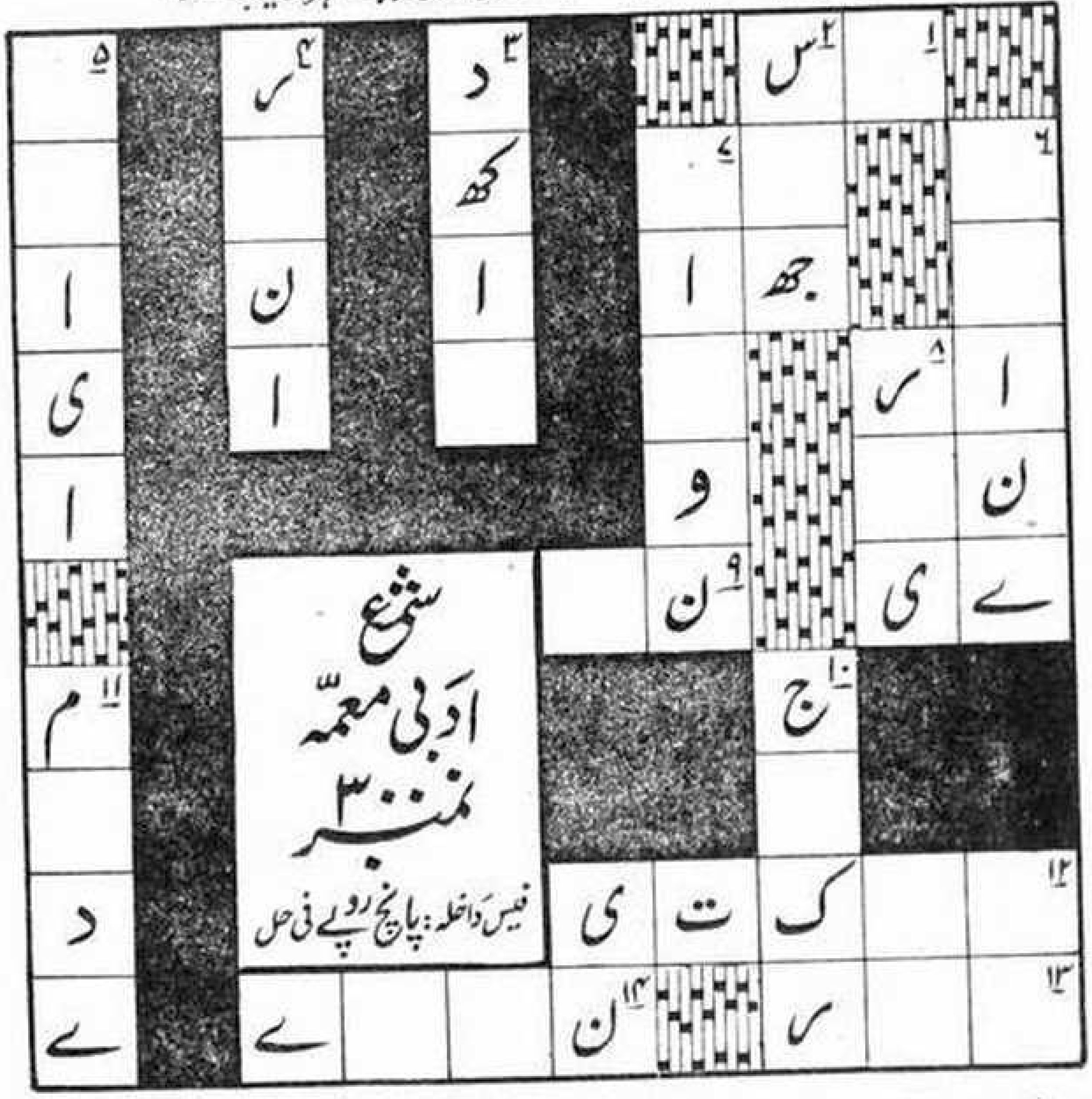

اشارے

دائیں سے بائیں:

۱۔ ہے بارے اعتمادِ وفاداری —— قدر

۹۔ غالب ہم اس میں خوش ہیں، کہ —— مہرباں ہے

۱۲۔ برسوں ہوگئے لیکن آج بھی اس کی —— ہوئی آنکھیں میری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ جیسے کل ہی کی بات ہو

۱۳۔ ایک کتّے سے تم محبّت کرسکتے ہو اور وفا کی امید بھی رکھتے ہو۔ —— انسان سے محبّت کرکے دیکھو تب

۱۴۔ اپنے یہ —— چھوڑیئے اور میری سنیئے۔ کامیابی کے لئے پہلی شرط تو یہ ہے کہ

اوپر سے نیچے:

۲۔ بچّے جب بڑے ہوجاتے ہیں تو ہر معاملے میں اپنی —— بوجھ سے کام لینا چاہتے ہیں۔ والدین کے فیصلے پھر

۳۔ الیکشن کے وقت تو سبھی بڑے بڑے وعدے کرجاتے ہیں صاحب۔ کچھ کام کرکے —— تب بات ہے

۴۔ شریف خاندان کی بہو بیٹیوں کو پردے میں —— چاہئے۔ اس طرح مردوں کے سامنے

۵۔ جوانی میں میں نے بھی بہت روپیہ —— تھا۔ مجھے روپے کا لالچ ہوتا

۶۔ ایک عورت کو —— کے لئے مرد اس حد تک جاسکتا ہے؟ میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا

۷۔ لیکن —— میں ان سے کوئی نہیں جیت سکتا۔ تم کو یاد ہوگا

۸۔ کل تک تمہاری طرف سے میرا دل بالکل صاف تھا اور —— برابر بھی کوئی شک و شبہ نہ تھا۔ لیکن آج

۱۰۔ گھر پر ہم کاہل نکھٹو ہی سہی۔ گلف میں ہندوستانی مزدوروں نے —— محنت کی ہے اور اس کا پھل

۱۱۔ سائنس کتنی بھی ترقی کیوں نہ کرلے —— میں جان ڈالنا سائنس کے بس میں نہیں

ڈاک سے اپنے حل اور فیس اس پتے پر بھیجئے:

شمع ادبی معمّہ نمبر ۳، ماہنامہ شمع، آصف علی روڈ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

شمع ادبی معمہ نمبر ۳۰۰ کے ذریعے

شمع کے گولڈن جوبلی سال کا تحفہ

پانچ لاکھ

روپے کے انعامات

Rs. 5,00,000.00

فیس داخلہ: صرف پانچ روپے فی حل ★

پہلا انعام:

ایک کلو سونا

(۲۲ کیرٹ، زیورات کی شکل میں، مقدار بحیثیت خریدِ مخصوص)

(یا) تین لاکھ روپے

ڈاک سے آنے والے حلوں پر خصوصی انعام پانے کے پہلے سے بھی زیادہ مواقع! اشارے، ٹوکن اور تفصیلات شمع (نئی دہلی) کے جنوری، فروری اور مارچ ۱۹۸۸ء کے شماروں میں ملاحظہ فرمائیں

ایک اور رعایت

صرف شمع ادبی معمہ نمبر ۳۰۰ کے لئے خصوصی رعایت: ایک نام پتے سے ایک ساتھ بھیجے گئے تمام حلوں کے ہمراہ صرف ایک ٹوکن پن سے لگا ہوا یا سِلا ہوا ہونے پر بھی ہر انعامی حل پر الگ انعام دیا جائے گا!!

اب آپ کی خدمت کی چوتھی صدی میں داخل ہو رہے ہیں

شمع ادبی معمے

★ مفت ناموں کے ذریعہ شامل مقابلہ ہونے والے ہر حل کے ساتھ شمع ادبی معمہ نمبر ۳۰۰ کے پانچ ...

SAM-CCC